

مسلکِ اعلیٰ حضرت

تعارف، حقیقت اور اختلاف

مؤلف
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

ترتیب و تقدیم
محمد رحمت اللہ صدیقی

رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

مسلکِ اعلیٰ حضرت

تعارف، حقیقت اور چیلنج

تصنیف

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

ترتیب وتقدیم

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

ناشر

رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی بہار

نام کتاب:	مسلکِ اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج
نام مصنف:	حضرت مولانا محمد شمشاد حسین رضوی
سنِ اشاعت:	صفر المظفر ۱۴۳۷ھ دسمبر ۲۰۱۵ء
صفحات:	۵۰۶
تعداد:	۱۱۰۰
قیمت:	-/250 (دوسو پچاس روپے)
ناشر:	رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی بہار
تقسیم کار:	حضرت نقشبی اکیڈمی محلّہ چودھری سرائے بدایوں

ملنے کے پتے

دار العلوم شاہ ولایت قبول پورہ بدایوں

مدرسہ دینیات تعلیم القرآن قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور یوپی

مکتبۃ المصطفٰی نومحلّہ بریلی شریف یوپی

جامعہ رضویہ محبوب العلوم ڈمراواں ضلع بانکا بہار

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

محمد رحمت اللہ صدیقی

تقدیم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، ان کے عہد میں شرق وغرب، شمال وجنوب میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا، پورے عالم اسلام میں ان کی حیثیت فیصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے کے علما، مشائخ، حکما، فلاسفہ اور مدبرین ان سے رجوع کرتے اور جو گتھی کہیں نہیں سلجھتی اسے آپ بآسانی سلجھا دیتے۔ ان کے در سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں لوٹا، آج تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آسکی ہے کہ کسی نے آپ سے سوال کیا اور آپ نے اس کا اطمینان بخش جواب نہیں دیا، وہ ہر وقت ہر طرح کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بہت بڑے ریاضی داں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا۔ آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک بہت اہم مسئلے کو سمجھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بیان کیجیے انہوں نے عرض کیا کہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے کھڑے کھڑے بیان کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: بیان تو کریں۔ انہوں نے اصرار دیکھ کر اپنی فائل نکالی اور بیان کرنا شروع کیا۔ وہ بیان کرتے گئے اور آپ جواب دیتے گئے۔ جب سائل مطمئن ہو گیا تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ علم لدنی سنتا تھا۔ آج آنکھوں سے دیکھ لیا، اس طرح بکثرت واقعات آپ کی زندگی میں

دیکھنے کو ملتے ہیں اس طرح کے واقعات کو جمع کر کے کتابی شکل میں لانے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ جدید تحقیق کے مطابق تقریباً ۳۰۵؍ علوم وفنون پہ مہارت رکھتے تھے اور ہر فن میں ان کی نگارشات ملتی ہیں۔ ان کے دور سے اب تک کوئی ایسی شخصیت جلوہ گر نہیں ہوئی جسے اتنے سارے علوم وفنون میں مہارت حاصل ہو، بلکہ ان کے قبل کی کئی صدیاں ان کے مدمقابل سے خالی ہیں، دنیا میں بہت ساری جامعات ہیں، بہت ساری یونیورسٹیاں ہیں لیکن دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں ۳۵؍علوم وفنون سے زیادہ کی تعلیم نہیں دی جاتی، اگر دنیا کی تمام یونیوسٹیوں کا جائزہ لیا جائے تو علوم وفنون کی تعداد بمشکل ۴۰؍تک پہنچ پائے گی۔ اگر دنیا کے بڑے علمی ادارے اعلیٰ حضرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے تعلیمی نصاب میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے اور بہت سارے علوم کو حیات تازہ مل سکتی ہے، ان کی شخصیت کو تعصّبات کے کہرے میں دبانے کی جنگی پیمانے پر کوشش کی گئی اور آج بھی یہ کوشش جاری ہے، (اور اب تو نام نہاد اپنوں نے ان کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے) جس کی وجہ سے دنیا ان کی شخصیت سے صحیح طور پر مستفیض نہیں ہو پارہی ہے۔ نظریاتی اختلاف شخصیت فہمی میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں جب کہ اہل علم کو اپنے مخصوص نظریات سے بالاتر ہو کر کسی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر یہ کہ ان کے نظریات کا کوئی پہلو قرآن واحادیث کے منشا کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے نظریات میں اسلام کی حقیقی روح پنہاں ہے۔ انہوں نے کبھی بھی کوئی ایسی رائے نہیں پیش کی ہے جو قرآن واحادیث سے متصادم ہو۔ انہوں نے اسلام کے دامن تقدس پر کسی طرح کا داغ دھبہ کبھی دیکھنا پسند نہیں کیا۔ ان کی زندگی کی ہر سانس اسلامی اقدار وروایات کے تحفظ میں صرف ہوئی، وہ یقیناً ہر اعتبار سے پاسبان دین وشریعت تھے اور آج بھی ان کی پاسبانی محسوس پیکر میں دیکھی جارہی ہے۔ ان کے امتیازات کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا، ان کی دینی وملی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کی ذات جماعت اہل سنت میں تشخص کا درجہ رکھتی ہے اور ان کے اس

تشخص کو چھیڑنا جماعت میں بحران پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نصف صدی سے زائد تک قوم وملت کی بے لوث خدمات انجام دیتے رہے، رب کائنات نے انہیں بے پناہ فضل وکمال سے نوازا تھا ان کے عہد میں مسلم معاشرہ شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، انہوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے پرجوش جدوجہد کی، ان کے عہد کو فتنوں کا عہد کہا جاسکتا ہے، انہوں نے اپنی زبان وقلم سے ہر فتنے کا سر کچل کر رکھ دیا، انہوں نے تنہائی کا کبھی شکوہ نہیں کیا، ان کے ملی اضطراب کو اس چیز سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ وہ ۲۴؍ گھنٹے میں صرف دو گھنٹہ آرام کرتے تے اور یہ دو گھنٹہ بھی عبادت سے خالی نہ تھا۔ اپنی پوری زندگی کو ایک رباعی کے ذریعے یوں بیان کیا ہے۔

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مراہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من وچند کتابے ودوات وقلمے

(حدائق بخشش حصہ دوم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی حیات کا ہر ورق انتہائی صاف وشفاف ہے انہوں نے ملسمانوں کے دلوں کو عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرارت عطا کی ہے اور عظمت رسالت سے الجھنے والوں کا شدت سے تعاقب کیا ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حامی تھے۔ ان کی کتاب حیات کے ہر ورق سے محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ وہ جس طرح حال کو دیکھتے تھے اسی طرح مستقبل کو بھی دیکھتے تھے۔ انہوں نے مسلم مفادات کے جو خطوط متعین کیے ہیں اسے سہی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ متعصب نہیں تھے، متصلب تھے۔ ان

کا تصلب ہر عہد اور ہر زمانے کے لیے رہنما ہے۔ دین میں تصلب کی بڑی اہمیت ہے، اگر تصلب نہ ہوتا تو معرکۂ کرب وبلا رونما نہ ہوتا۔ داعی اگر متصلب نہ ہو تو اس کی دعوت بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اعلیٰ حضرت کے تصلب کو تعصب کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض خانقاہیں ان سے دوری بنائے رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی ہیں، اس سلسلے میں بعض درس گاہیں بھی سر اٹھانے لگی ہیں، وہ سمجھتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ رہ کر ہم وسیع دنیا کا سفر نہیں کر پائیں گے۔ نئی نسلوں کے ذہنوں میں بھی یہ جراثیم ڈالا جارہا ہے۔ یہ سوچ دین وشریعت کے لیے بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ ایسے لوگوں کا منصفانہ تعاقب ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے ہر مرض کی دوا تشخیص کی ہے، وہ بہت بڑے طبیب حاذق تھے، جسم وروح دونوں کے وہ اسپیشلسٹ تھے۔ ان کی نگاہوں کی وسعت کا ابھی تک صحیح اندازہ لگایا نہیں جاسکا ہے۔ وہ اپنے عہد کے سالار اعظم تھے اور آج بھی ان کی یہ حیثیت محفوظ ہے۔ انہوں نے تالیفات وتصنیفات کی شکل میں بے شمار ہتھیار تیار کیے اور ان ہتھیار کو چلانے والے سپاہیوں کا بھی بہت بڑا جتھا تیار کیا۔ ان کا ہر سپاہی آج کے درجنوں قائدین پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان کی تصنیفات کو آج صحیح طریقے سے پھیلانے کی کوشش کی جائے تو بہت سارے فتنے اپنی موت مرجائیں۔ ہماری کم نصیبی یہ ہے کہ ہم ان کو سمجھنے کے لیے وقت نہیں نکال پارہے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک ہزار سے زائد ہے جس میں نصف سے زائد زیور اشاعت سے مزین ہوچکی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں تحقیقات کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں، علوم وفنون کے باب میں انہوں نے جو اضافے کیے ہیں، اس کی کوئی دوسری نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ کی دینی، ملی، علمی اور سیاسی خدمات کے پیش نظر آپ کے عہد کے تمام مراکز اہل سنت کے علما ومشائخ اور خانقاہوں کے سجادگان نے بالاتفاق آپ کو اپنا امام ومقتدا تسلیم کیا اور آپ کی ذات کو

سنیت کی کسوٹی قرار دیا، اس طرح مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سامنے آئی۔ اس سلسلے میں بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

پورے غیر منقسم ہندوستان کی عظیم ترین تنظیم ”آل انڈیا سنی کانفرنس“ جس میں پشاور سے بنگلہ دیش تک تمام مراکز کے سارے علما شریک ہوئے اس میں بھی اہل سنت کی پہچان مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو قرار دیا۔“

(پیغام رضا خصوصی شمارہ، ص: ۱۴۵/۱۴۶۔ ۲۰۰۷ء)

مسلک اعلیٰ حضرت ماضی وحال کے تناظر میں:

اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال اور اظہار واعلان قریب قریب سو سال سے ہو رہا ہے یہی ایک ایسی اصطلاح ہے جو فرق باطلہ سے اہل سنت و جماعت کو ممتاز کرتی ہے۔

اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت جس زمانے میں وجود میں آئی اس زمانے کے علما و مشائخ دینی وملی قدروں کے فروغ میں آج کے علما و مشائخ سے کہیں زیادہ مخلص تھے، علم، عمل اور عشق کے حوالے سے بھی وہ بہت ممتاز تھے، آج زندگی کے ہر شعبے پہ دنیا حاوی ہے، کل زندگی کے ہر شعبے پہ دین حاوی تھا، کل کے علما و مشائخ کی دینی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے نقشے پہ ہمارا وجود اپنی شناخت کے ساتھ زندہ اور محفوظ ہے۔ اسلاف کے نقوش قدم ہی اخلاف کے لیے چراغ رہ گزر ہوتے ہیں۔ جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ جاتا ہے وہ قوم تاریکیوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ تاریخ کے سینے میں ایسے بکثرت واقعات زندہ قوموں کے لیے درس گاہ عبارت بنے ہوئے ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ہمیں اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو باطل جماعتوں اور فرقوں کے ہجوم میں ہمیں ممتاز کیے ہوئے ہے۔ اس دور پرفتن میں اہل سنت و جماعت کے امتیاز کے لیے اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت سے بہتر دوسرا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت جب تک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری

برکاتی قدس سرہ کی تالیفات وتصنیفات کو چراغ راہ بنائے رہیں گے اس وقت تک زمانے میں ممتاز رہیں گے۔ اسلاف نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو یونہی نہیں قبول کرلیا تھا، بلکہ برسوں اس تعلق سے غور وفکر کیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ جماعتی امتیاز کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہوسکتی تب جا کر پورے غیر منقسم ہندوستان کی ساری اعلیٰ قیادتوں کے اتفاق کے بعد اس کا اظہار واعلان فرمایا۔ جو لوگ اسے غیروں کی دی ہوئی اصطلاح کہتے ہیں یہ ان کی جہالت اور نادانی ہے یا وہ ذاتی، گروہی اور زمینی تعصب کے شکار ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا علامتی نشان ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کے بعد اس علامتی نشان کی ترویج واشاعت میں علما و مشائخ کی ایک بڑی جماعت مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال سے اب تک جن علما و مشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں قائدانہ رول ادا کیا ہے اور کر رہے ہیں حضرت مولانا شمشاد حسین رضوی نے انہیں تین گروپ میں تقسیم کیا ہے۔ انہوں نے ترتیب وار جو فہرست بنائی ہے کچھ اضافے کے ساتھ اسے ذیل میں ملاحظہ کریں۔

گروپ الف:

(۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خان بریلوی
(۲) حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی
(۳) حضرت مولانا مفتی سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف
(۴) حضور محدث اعظم ہند حضرت مولانا مفتی سید محمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف
(۵) صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مرادآبادی
(۶) ملک العلما حضرت مولانا مفتی سید ظفر الدین فاضل بہاری
(۷) مبلغ اسلام حضرت مولانا مفتی عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
(۸) حضرت مولانا مفتی احمد مختار صدیقی میرٹھی

(۹) صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی

(۱۰) برہان ملت حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد اجمل نعیمی سنبھلی

(۱۲) حضرت مولانا مفتی اطہر علی نعیمی کراچی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں بریلوی

(۱۴) حضرت مولانا مفتی پیر سید جماعت علی محدث علی پوری

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خان برکاتی حیدرآبادی

(۱۶) حضرت مولانا مفتی امام الدین نقشبندی رائے پوری

(۱۷) حضرت مولانا مفتی محمد شریف کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ

(۱۸) حضرت مولانا مفتی سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف

(۱۹) حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرحمٰن محبی پوکھریروی

(۲۰) حضرت مولانا مفتی سید دیدار علی الوری

(۲۱) حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ نقشبندی دہلوی علیہم الرحمہ

گروپ ب:

اس گروپ میں ان علمائے کرام کو شمار کیا جاسکتا ہے جو گروپ الف میں مذکور علمائے کرام سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔

(۱) حضرت مولانا مفتی ابراہیم رضا خاں بریلوی مفسر اعظم ہند

(۲) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مفتی حشمت علی خاں پیلی بھیتی

(۳) حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی

(۴) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی قاضی شمس الدین احمد جعفری جونپوری

(۵) صدر العلماء حضرت مولانا مفتی سید غلام جیلانی میرٹھی

(۶) امین شریعت مفتی اعظم کانپور حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مظفر پوری

(۷) محدث اعظم بہار حضرت مولانا مفتی محمد احسان علی مظفر پوری

(۸) حضرت مولانا مفتی سردار احمد محدث اعظم پاکستان

(۹) حضور حافظ ملت حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز مرادآبادی

(۱۰) حضرت مولانا مفتی ولی الرحمٰن قادری پوکھریروی

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد سلیمان بھاگلپوری

(۱۲) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحسن سہسرامی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ بھاگلپوری

(۱۴) حضرت مولانا مقبول احمد خاں بہاری

گروپ ج:

اس گروپ میں ان علما کو شمار کیا جا سکتا ہے جو گروپ ب میں مذکور علمائے کرام سے براہ راست استفادہ کیا ہے یا ان کے عہد کی پیداوار ہیں۔

(۱) حضور سید العلماء حضرت مولانا مفتی سید آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی

(۲) حضور احسن العلماء حضرت مولانا مفتی سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی

(۳) حضرت مولانا مفتی ریحان رضا خاں بریلوی

(۴) جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد تحسین رضا خاں محدث بریلوی

(۶) حضرت مولانا مفتی سبطین رضا خاں بریلوی رائے پور چھتیس گڑھ

(۷) شارح بخاری حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی

(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالمصطفیٰ ازہری شہزادۂ صدر الشریعہ پاکستان

(۹) محدث کبیر حضرت مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ امجدی گھوسی

(۱۰) رئیس القلم علامہ ارشد القادری جمشید پور

(۱۱) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین الہٰ آبادی

(۱۲) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم شرف قادری پاکستان

(۱۴) حضرت مولانا مفتی حافظ عبد الرؤف بلیاوی

(۱۵) پاسبان ملت حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد نظامی الہٰ آبادی

(۱۶) حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی

(۱۷) حضرت مولانا مفتی خادم رسول گیاوی

(۱۸) حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن نوری پوکھریروی

(۱۹) مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی

(۲۰) حضرت مولانا سید الزماں حمدوی پوکھریروی

(۲۱) سرکار کلاں حضرت مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف

گروپ ج میں علمائے اہل سنت کی ایک مختصر مگر جامع فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ اگر گروپ الف ب اور ج کی سنجیدگی کے ساتھ فہرست ترتیب دی جائے تو یہ تعداد سیکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔ فہرست میں شامل علمائے کرام سے مسلک اعلیٰ حضرت کی مقبولیت اور اس کی اثر پذیری کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کو غیروں کی دی ہوئی اصطلاح کہنے پر بضد ہیں انہیں اس سلسلے میں اپنا احتساب کرنا چاہیے۔

جب سے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سامنے آئی ہے اس سلسلے میں اس وقت سے لے کر اب تک کے علما و مشائخ کے ارشادات و خیالات ملتے ہیں ذیل میں چند مشاہیر شخصیات کے ارشادات ملاحظہ کریں:

’’میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، میرے مسلک پر چلنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔‘‘

حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھہ شریف

’’دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ ہے۔ یہی وہ مجمع البحار ہے جس پر آج حنفیت و شافعیت، مالکیت وحنبلیت، قادریت وچشتیت، سہروردیت ونقشبندیت، مجددیت و برکاتیت وغیرہم سب سمندروں کا سنگم ہے۔

شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خان پیلی بھیت شریف

’’میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ الحمد للہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمد للہ آخری وقت اسی مسلک پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی

بشیر مجھ سے مصافحہ کر لو اب میں جانے والا ہوں اور میری تمہارے لیے دعا ہے۔ دیکھ تمہارے والد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور تمہارے تایا حضرت مولانا عبد اللہ قادری رضوی اور میں عمر بھر اعلیٰ حضرت بریلی شریف والے کے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے۔ تم بھی اسی (مسلک اعلیٰ حضرت) پر قائم رہنا۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

امام العلماء مولانا امام الدین کوٹلوی پاکستان

میں تمام مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بریلی شریف کے تاجدار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت علامہ فقیہ مفتی محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو مسلک ہے وہی میرا مسلک ہے۔ مسلمانوں اس مسلک کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اسی پر قائم رہنا۔

حضرت مولانا مفتی وصی احمد محدث سورتی

جو ان کا مسلک وہی مریا مسلک ہے۔ جو شخص ان کا نہیں وہ میرا نہیں۔

حضرت شاہ جی میاں محمد شیر خاں نقشبندی

مذہب حقہ اہل سنت جس کا معیار اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تصانیف ہیں۔ یہی مسلک میرے قبلہ عالم کا تھا اور یہی مسلک حضرات پیران عظام سلسلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور اسی کا میں پابند ہوں۔

سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ ان کا مسلک مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ (سنی آواز ناگپور ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد

تعجب ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ ہوتے ہوئے فقیر سے استفسار کیا جا رہا ہے۔ فقیر کا اور فقیر کے آبا واجداد کا وہی مسلک ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔ (ماہنامہ سنی آواز ناگپور ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی سید احمد قادری

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ: ''ایک مرتبہ ملتان میں حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع ایک مشت کے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کرواتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ'' اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتوے پر تنقید، ہم سے برداشت نہیں ہوگی، یہ مدرسہ ان کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے، ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا

ہیں۔ جو شخص اعلیٰ حضرت کے نظریات وتحقیقات شریفہ سے متفق نہیں، ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے، ہمارے مدرسے میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔''

غزالیِ دوراں حضرت علامہ سید شاہ احمد سعید کاظمی امروہوی پاکستان

مسلک اعلیٰ حضرت واقعتاً مسلک اہل سنت وجماعت کا دوسرا نام ہے اور اس دور میں مذہب حق واہل حق کی پہچان ہے۔

تاج الاسلام مفتی اختر رضا خان ازہری بریلی شریف

مسلک اعلیٰ حضرت درحقیقت مسلک حنفی ہے اور حقانیت کی پہچان ہے

حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خاں محدث بریلوی

مسلک اعلیٰ حضرت فی الواقع مذہب اہل سنت وجماعت کی تنقیح ہے اور مذہب حق کی واضح تصویر ہے۔

حضرت مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی بریلی شریف

مسلک اعلیٰ حضرت حقیقت میں سواد اعظم اہل سنت کے اس طریقۂ مرضیہ اور متوارثہ کا نام ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک سواد اعظم کا مسلک ہے۔

مفتی اعظم راجستھان حضرت مولانا مفتی اشفاق حسین نعیمی راجستھان

امام احمد رضا بریلوی کی ذات گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف نسبت منسوب کر کے اہل ایمان اور اس کی عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی سید محمد مدنی میاں کچھوچھ شریف

دور حاضر میں اگر مسلک اہل سنت وجماعت کے ساتھ تشریح کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہو تو فتنہ وفریب یکسر ختم ہو جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد میاں قاضی شہر دہلی

مسلک اعلیٰ حضرت سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق ہے اور اس کو علمائے حق

کی تائید حاصل ہے۔

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد دہلی

سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی و جماعتی شناخت کے لیے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری

حضور مفتیِ اعظم ہند نے ۱۳۶۴ھ ۱۹۴۵ء میں سفر حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوتے وقت حضور صدر الشریعہ کو جو پند و نصائح اور وصایا ارشاد فرمائے ہیں اس میں بھی مسلک اعلی حضرت کا لفظ موجود ہے۔اس کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کریں:

’’آستانہ عالیہ بریلی شریف سے شرعی احکام پہچانے کی خدمت فقیر اپنے برادر طریقت صدر الشریعہ حضرت مولوی امجد علی صاحب اعظمی زید کرمہ کے سپرد کرتا ہے۔’’موصوف‘‘ آستانہ عالیہ مقدسہ پر ہی قیام فرما رہیں گے۔آپ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ اعلی حضرت قدس سرہ کے ارشد تلامذہ و اکابر خلفاء میں سے ہیں۔دس بارہ سال تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی صحبت میں رہ کر علم و معرفت سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔اس لیے آپ کے پہنچائے ہوئے شرعی احکام’’اعلیٰ حضرت‘‘ قدس سرہ کے مسلک پر مبنی ہوں گے۔ ’’موصوف‘‘مدرسہ اہل سنت’’مظہر اسلام‘‘مسجد بی بی جی صاحبہ کے صدر المدرسین کی حیثیت سے ہر طرح کی سرپرستی فرمائیں گے اور جملہ اختیارات جو اس آستانہ کے عقیدت کیشاں کی جانب سے اس فقیر کو حاصل ہیں وہ سب فقیر اپنی طرف سے’’صدر الشریعہ‘‘ کو تفویض کرتا ہے۔‘‘ (عرفان مفتیِ اعظم ص۱۰۵/۲۰۱۱ء)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق شیخ الجامعہ بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ مدظلہ النورانی مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’پورے ہندوستان کے سنی مراکز نے بھی امام احمد رضا خان صاحب کی اس دینی خدمت کو محسوس کیا اور موجودہ گمراہوں سے اہل سنت و جماعت کو ممتاز کرنے کے لیے امام احمد رضا کی ذات کو سنیت کی علامت قرار دیا اور مسلک اہلسنت و جماعت کو ان سے منسوب کیا۔

(پیغام رضا خصوصی شمارہ ص۱۴۵/۱۴۶۔۲۰۰۷ء)

شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

’’مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف پڑھیے۔ انہوں نے انہیں عقائد و مسائل کو تحریر فرمایا ہے جو سلف سے لے کر خلف تک اب تک اہل سنت و جماعت کا رہا ہے۔ ہر عقیدے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ اسلاف کی کتابوں سے حوالہ جات تحریر کر دیئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی کتابیں سو سال سے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہزار شخصی اور جماعتی کوشش کے باوجود آج تک کوئی مخالف بھی کسی عقیدے کے بارے میں ثابت نہیں کر سکا کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے عہد مبارک میں انگریزوں نے اپنے پلان کے مطابق بہت سے چالاک، عیار، دنیا دار افراد کو خرید کر اہلسنت کے خلاف کئی فرقے کی بنیاد ڈلوائی۔ مثلاً وہابی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی، صلح کلی، ان سب مذاہب کے بانیوں اور حامیوں نے اپنی ساری ذہنی و علمی توانائیوں کو صرف کر کے اہلسنت کے خلاف صف آرائی کی، ان سب کا

مقابلہ تن تنہا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، اوران سب کے عقائد باطلہ کو رد کرکے ان سب کے پرخچے اڑا دیئے۔ ان سب خدمات کو دیکھتے ہوئے مذہب اہل سنت وجماعت کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔''

اس زمانے میں اہل سنت کو تمام فرقہائے باطلہ سے ممتاز کرنے کے لیے سوائے مسلک اعلیٰ حضرت کے کوئی لفظ موزوں ہوتا ہی نہیں۔ کچھ معاندین اس کے بالمقابل مسلک امام اعظم بولتے ہیں لیکن یہ لفظ امتیاز کے لیے کافی نہیں۔ غیر مقلدین کو چھوڑ کر سارے وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی، مودودی، نیچری، حتی کہ قادیانی اپنے کو مسلک امام اعظم پر گامزن بتاتے ہیں۔ اور یہی حال اہلسنت وجماعت کے لفظ کا بھی ہے کہ ان میں کے بہت سے لوگ اپنے آپ کو سنی بتاتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں میں نے بہت غور کیا، سوائے مسلک اعلیٰ حضرت کے کوئی لفظ ایسا نہیں جو صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو تمام بد مذہبوں سے ممتاز کردے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۱۹۹۹ء)

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت ہی کہنا ضروری ہوگا اور اس سے روکنے والا بدمذہب ہوگا یا حاسد۔ (فتاویٰ فقیہ ملت ج ۲ ص ۴۳۰)

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے جو بھائی کسی ذاتی رنجش اور باہمی چپقلش کی وجہ سے اعلیٰ

حضرت کی شان گھٹانے میں لگے ہوئے ہیں تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن ہوکر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بدمذہبوں سے امتیاز کے لئے کونسا جامع اور مختصر لفظ انتخاب کیا جائے، ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ سے زیادہ موزوں کوئی لفظ نہیں، کیونکہ سنیت کا شعار یہی لفظ ہے، اہلسنت کی شناخت یہی کلمہ ہے، بدمذہبوں سے امتیاز اسی کا خاصہ ہے بلکہ حق یہ ہے کہ تمام اہلسنت کا اس پر اتفاق تھا، چند برس پہلے باہمی اختلاف کے نتیجے میں کچھ کرم فرماؤں نے اسے سوالیہ نشان بنانے کی کوشش کی جو بے دلیل ہونے کی وجہ سے سابقہ اتفاق میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا۔

(ماہنامہ اشرفیہ ص ۹ جولائی ۲۰۰۳ء)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا مذکورہ بیان دس سال پہلے کا ہے اگر اب ان سے مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے رائے لی جائے گی تو ان کا بیان اس سے مختلف ہوگا اس لیے کہ جامعہ اشرفیہ سے جو نئی پود نکل رہی ہے ان میں بعض افراد آج بھی مسلک اعلیٰ حضرت کو اہل سنت کا امتیازی نشان تسلیم نہیں کرتے۔

مسلک اعلیٰ حضرت اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا دستور اساسی : مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان ہے ۱۹۲۱ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال ہوا اور ۱۹۲۵ء میں حضور صدر الافاضل نے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی بنیاد رکھی اور اسکا دستور اساسی تیار ہوا۔ اس کے دستور میں رکنیت کی شرط یہ بتائی گئی ہے کہ ہر سنی عالم اور سنی شیخ طریقت اس جمعیت کا رکن ہوسکے گا۔ کوئی غیر سنی کسی حال میں اس جمعیت کا رکن یا عہدیدار نہیں ہوسکتا۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک اس کے ممبران کی تعداد بائیس ہزار سے زائد بتائی گئی ہے یہ

تعداد صرف علماء ومشائخ کی ہے دوسرے شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے الگ ہیں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے دستور اساسی میں سنی کی یوں تعریف کی گئی ہے:

> سنی وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفائے اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء سند الفضلاء بحر العلوم صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی واعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین صاحب رامپوری و اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی (قدست اسرارہم) کے مسلک پر ہو۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۴۳،۴۴ مطبع سعید برادران کھاریاں، گجرات)

آل انڈیا سنی کانفرنس میں کون لوگ شامل تھے اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

> یہ تاریخ کا تسلسل ہے کہ ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے علماء، مشائخ، رہنما اور کارکن وغیرہ امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ، مریدین، متعلقین اور متوسلین میں شامل ہیں۔ اس طرح ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' راسخ العقیدہ سنی مسلمانوں کی تنظیم بنی، ۱۹۲۵ میں مراد آباد میں ہونے والی ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے ۱۹۴۵ء تک ملک بھر میں چند ہی مرکزی سطح کے اجلاس ہوئے یوں کہہ لیجئے کہ اس عرصہ میں سنی کانفرنس کے رہنما حضرات نے جمہور مسلمان کی تعلیم، معاشیات، معیشت، روحانیت اور پیش آنے والے سیاسی معاملات میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۱۵/۱۹۹۹ء)

اسی ''تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس'' میں ڈاکٹر محمد مسعود علیہ الرحمہ سنّی کی تعریف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

> بالعموم سنّی شیعہ کے مقابل میں بولا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے سنّی ہونے کے دعوے کرتے ہیں مگر تاریخ کی روشنی میں اور دور جدید میں سنّی، حنفی بریلوی یا جو اس مسلک کی تائید کرتے ہیں صحیح معنوں میں سنی ہیں اور سنیت ہی اسلام ہے۔ اس لیے برطانیہ کے ایک انگریز نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے اس مسلک میں اسلام پایا اور وہ اس طرح کہ انہوں نے دیکھا کہ دنیا کے سارے دشمنان اسلام صرف اہلِ سنت و جماعت (مسلک بریلوی) کے دشمن ہیں باقی کسی فرقے کے دشمن نہیں، تو ان کو یقین ہوگیا کہ سنّی اسلام ہی سچا اسلام ہے۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۱۹ر)

مذکورہ شواہد سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ ۱۹۲۵ء ہی میں مسلک اعلیٰ حضرت کو غیر منقسم ہندوستان کے تمام علماء ومشائخ کے اتفاق سے دستوری حیثیت دیدی گئی تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے سے پہلے اس کے دستور سے اتفاق کرنا ہوتا ہے۔ حاصل شدہ رجسٹر کے حساب سے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے ممبران علماء ومشائخ کی تعداد بائیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہفت روزہ ''دبدبہ سکندری''، رامپور کی ذیل میں ایک رپوٹ ملاحظہ کریں۔

> ہمالہ سے راس کماری تک اور آسام سے سرحد تک بائیس ہزار سے زائد علمائے دین، مشائخ اور سجادہ نشین حضرات ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے سبز گنبد والے نورانی پرچم کے نیچے جمع ہوکر اس مبارک جماعت کے رکن بن چکے ہیں اور ملک کے سارے برادران اہلسنت رضا کارانہ طور پر کثیر تعداد میں شریک ہوچکے ہیں اور اس کی

صوبائی،ضلعی،شہری،وقصباتی ہزاروں کمیٹیاں قائم ہوچکی ہیں۔
چونکہ ملت اسلامیہ کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی اور تنظیم اہل سنت اس کا مقصد تام ہے۔اس لیے ہم نہایت مسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ تمام ہند میں اس آفتاب عالم تاب کی شعائیں پھیل گئیں اور ہر جگہ اس کا انعقاد ہونے لگا۔اخبارات ہمیں بتاتے ہیں کہ جس سرعت سے اس جمعیت عالیہ نے مسلمانوں کو اپنے دامن میں لے لیا وہ حقانیت کی دلیل بین ہے۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۱۰۱/۱۹۹۹ء)

تاریخ ’’آل انڈیا سنی کانفرنس‘‘ میں پانچ سو سے زائد علماء ومشائخ کے اسماء پتے کے ساتھ درج ہیں اس طرح ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک بائیس ہزار سے زائد علماء ومشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت پہ اپنے اتفاق کا اظہار کر دیا تھا۔۱۹۴۵ سے ۲۰۱۱ تک مسلک اعلی حضرت کو تسلیم اور ترویج کرنے والے علماء ومشائخ کی اگر ایک سرسری فہرست تیار کی جائے تو یہ تعداد لاکھوں تک جاسکتی ہے۔اب ذیل میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے رکن علماء ومشائخ کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ کریں:

(۱) مولانا محمد ابراہیم سمستی پوری،بدایونی
(۲) مولانا محمد ابراہیم رضا قادری بریلوی (مفسر اعظم ہند)
(۳) مولانا محمد اجمل نعیمی سنبھلی
(۴) مولانا مفتی احسان علی مظفر پوری
(۵) مولانا احمد علی،محدث علی پوری
(۶) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی
(۷) مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی گجرات

(۸) مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری،لاہور
(۹) مولانا اختصاص الدین نعیمی،مرادآبادی
(۱۰) مولانا سید احمد سعید کاظمی،ملتان
(۱۱) مولانا سید احمد اشرف اشرفی کچھوچھہ شریف
(۱۲) مولانا اطہر علی نعیمی،کراچی
(۱۳) مولانا اعجاز ولی رضوی،بریلوی
(۱۴) مولانا پیر سید دیوان آل رسول علی خان اجمیر
(۱۵) مولانا امجد علی اعظمی رضوی،(صدرالشریعہ)
(۱۶) مولانا امام الدین نقشبندی،رائے پوری
(۱۷) مولانا ایوب حامدی رضوی پوکھریرا،ضلع مظفر پور
(۱۸) محمد برہان الحق قادری،جبل پوری (برہان ملت)
(۱۹) پیر صاحب سجادہ نشین پاک پتن
(۲۰) پیر صاحب سجادہ نشین چورہ شریف
(۲۱) مولانا تقدس علی خاں،منظر اسلام بریلی شریف
(۲۲) پیر سید جماعت علی،محدث علی پوری
(۲۳) مولانا جمال میاں فرنگی محلی
(۲۴) مولانا حامد رضا بریلوی (حجۃ الاسلام)
(۲۵) مولانا حمید الدین عباسی بدایونی
(۲۶) مولانا خیر الدین احمد،سہسرام
(۲۷) مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی،حیدرآباد
(۲۸) مولانا سید دیدار علی،الوری

(۲۹) مولانا زاہد القادری، دہلی

(۳۰) مولانا سید الزماں حمدوی، پوکھریرا، ضلع مظفر پور

(۳۱) مولانا سلیم اللہ، فاضل حزب الاحناف، لاہور

(۳۲) مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

(۳۳) پیر صدر الدین سجادہ نشین ملتان

(۳۴) مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری (ملک العلماء)

(۳۵) مولانا مفتی محمد عابد، مجددی، رامپوری

(۳۶) مولانا عبد المصطفیٰ ازہری مبارک پوری (شہزادۂ صدر الشریعہ)

(۳۷) مولانا ابوالولی محمد عبد الرحمٰن، پوکھریرا، مظفر پور

(۳۸) مولانا عبد العزیز پوکھریرا، ضلع مظفر پور

(۳۹) مولنا عبد الصمد قادری بدایونی

(۴۰) مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی (مبلغ اسلام)

(۴۱) مولانا فخر الدین قادری رضوی، کلکتہ

(۴۲) مولانا فضل حسن صابری مدیر دبدبہ سکندری، رامپور

(۴۳) مولانا غلام جان ہزاروی خلیفہ امام احمد رضا

(۴۴) مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (مفتی اعظم ہند)

(۴۵) مولانا محمد مختار اشرف اشرفی نعیمی، کچھوچھہ شریف

(۴۶) مولانا سید مصباح الحسن مودودی پھوپھوند شریف

(۴۷) مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری لاہور

(۴۸) مولانا سید مظفر حسین اشرفی، کچھوچھوی (مجاہد دوراں)

(۴۹) مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، (مفتی اعظم دہلی)

(۵۰) مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، (صدر الافاضل)

مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کب؟ کیوں ؟ اور کہاں؟:۔

علمائے اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت عین دین حق کی مخالفت ہے۔لیکن تاریخ میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض افراد کے ذاتی وگروہی مفادات کی راہ میں جب مذہب ومسلک حائل ہوئے،توانہوں نے مذہب ومسلک کو پس پشت ڈال دیااور ذاتی وگروہی مفادات کواہمیت دی اور بظاہر مذہب ومسلک کا دم بھرتے رہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف سب سے پہلی آواز جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مولوی ظفر ادیبی کی شکل میں بلندی ہوئی۔جب ان سے حسام الحرمین،کی تائیدوتصدیق کے لیے کہا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر تائیدوتصدیق سے انکار کر دیا کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کتاب کی حرف بحرف تصدیق نہیں کی جاسکتی۔نتیجہ کے طور پر حضور حافظ ملت نے انہیں اشرفیہ سے نکال باہر کیا۔ڈاکٹر فضل الرحمٰن شؔرر مصباحی صاحب کا بیان ہے کہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت نام کو پسند نہیں کرتے تھے وہ لفظ بریلوی کا الحاق بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

(جام نور،اگست ۲۰۰۶ء ص:۳۳؍۳۴)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف دوسری آواز مولوی خلیل احمد بجنوری نے بلند کی۔انہیں سلسلۂ برکاتیہ میں حضرت تاج العلماء سید شاہ اولا درسول محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ جماعت اہلسنت سے ان کے باغیانہ تیور کو دیکھتے ہوئے علمائے اہلسنت نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے علمائے اہلسنت کو مناظرے کا چیلنج کیا۔مناظرے میں انہیں شکست فاش ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف محاذ آرائی کی بنیاد رکھی۔(ان کی جماعت مخالف سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے تاج العلماء نے خلافت واپس لے لی تھی) ذیل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کا بیان ملاحظہ کریں:

حالات سے ثابت ہوا کہ ان متبعین اعلیٰ حضرت بریلوی کا مقصد صرف

اعلیٰ حضرت کے وقار کو اونچا کرنا ہے۔ احکام شریعت سے ان کو کچھ کام نہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعرے لگوائے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیا مذہب امام اعظم سے الگ اور جدا ہے۔

(انکشاف حق، ص:۳۳)

مولوی بجنوری کا شافی وافی اور کافی جواب حضرت مفتی غلام محمد خاں ناگپوری علیہ الرحمہ نے ''عجائب انکشاف'' لکھ کر دے دیا ہے۔ طالبان حقیقت کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف تیسری آواز مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی نے بلند کی، جب ٹی وی ویڈیوں کے مسئلے کو لے کر شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اور تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری صاحبان کے درمیان اختلافات رونما ہوئے۔ اس اختلاف کو لے کر سید محمد ہاشمی میاں شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں کے نمائندہ بن کر میدان میں آئے اور انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ اس اختلاف سے قبل وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے پر جوش داعی ومبلغ تھے اور آج بھی دبے لچے انداز میں ہی سہی وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے داعی ومبلغ ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کی آواز ان کے خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں فرماتے ہیں:

> ہمارے ''امام احمد رضا قادری بریلوی'' کی عظمت وشان اور بارگاہ خدا اور رسول میں ان کی مقبولیت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی ذات گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف نسبت اہل ایمان اور اس کے عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔ اب میں الحمدللہ مسلکاً حنفی، نسبتاً جیلانی، مشرباً اشرفی اور وطناً کچھوچھوی ہونے کے باوجود

> اپنے کو ''بریلوی'' کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

(بریلوی دور حاضر میں اہل سنت کا علامتی نشان)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف چوتھی آواز مولوی انتخاب قدیری کی شکل میں بلند ہوئی جب وہ علمائے بریلی سے لفظ ''اللہ میاں'' کے جواز پر اصرار کرنے لگے اور علمائے بریلی شریف نے جب لفظ ''اللہ، میاں'' کے جواز کی سند دینے سے انکار کر دیا تو ان کی مخالفت میں اور شدت آ گئی۔ نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنی ایک جداگانہ ڈگر کی بنیاد رکھی اور اعلیٰ حضرت ومسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف محاذ کھول دیا۔ اختلاف سے قبل مسلک اعلیٰ حضرت کی صداقت پہ ان کے اشعار ملاحظہ کریں:

مسلکِ اعلیٰ حضرت ہی ہے دین حق، اس کی حد سے جو باہر نکل جائے گا
کل بروزِ قیامت خدا کی قسم، دیکھنا وہ جہنم میں جل جائے گا
انتخابِ قدیری بروز جزا، تھام کر دامنِ شاہ احمد رضا
ہوگا جس وقت پیشِ حضورِ خدا، ان کا دامن پکڑ کر مچل جائے گا

بغاوت کے بعد مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے وہ اپنے خطابات میں فرماتے تھے کہ

> جس مسجد میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگایا جاتا ہو اس میں نماز پڑھنا ناجائز وحرام ہے۔ میں نے اب تک کی زندگی رضویات کی خدمت میں گزاری ہے اب بقیہ زندگی رضویات کی بنیادوں کو کھودنے میں گزاروں گا۔
>
> رضوی کتے ہوتے ہیں، حشمتی سور (خنزیر) ہوتے ہیں دیکھئے اہلسنت کی آواز ناگپور۔ (مئی، جون ۱۹۹۵ء)
>
> مسلک اعلیٰ حجرت (حضرت) یہ نعرہ لگانا ناجائز وحرام ہے۔ جس مسجد

میں مسلک اعلیٰ حجرت (حضرت) کے مطابق نماز ہوتی ہو اس مسجد میں
نماز پڑھنا ناجائز وحرام ہے۔ دوستو یہ نعرہ جہاں بھی لگا ہو کھرچ دو،
نوچ کر پھینک دو۔ (اقتباس تقریر)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ۱۹۹۹ء میں پانچویں آواز ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے پلیٹ فارم سے ایک مضمون کی شکل میں بلند ہوئی۔ ۱۹۹۹ء میں مولانا مبارک حسین مصباحی ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ مضمون کی اشاعت میں ان کی مرضی شامل تھی۔ اس لیے کہ مدیر کی مرضی کے بغیر کسی مضمون کی اشاعت نہیں ہوسکتی۔ شارح بخاری نے مولانا مبارک حسین کی غیر موجودگی کا ذکر کر کے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کی اشاعت پر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اپنی شدید برہمی کا اظہار فرمایا ہے:

ماہنامہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف شائع شدہ مضمون کا ایک اقتباس ذیل میں دیکھیں:

مقررین اور شعراء کی پذیرائی، ان کا حوصلہ بڑھانے، سوتوں کو جگانے اور جلسے و کانفرنس کی رونق کو دوبالا کرنے کی خاطر آج کل بہت طرح کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ کچھ عاقبت نا اندیش اور خدا نا ترس اناؤنسر حضرات ان نعرۂ حق وصداقت کے درمیان بعض ایسے نعرے لگواتے ہیں جن کا مقصد حاضرین جلسہ سے غلط کہلوا کر ان کو بے وقوف بنانا، ہنسانا، اپنی چرب زبانی و ہمہ دانی کی دھونس جمانا ہوتا ہے۔ جیسے جھوٹ کا دامن، بوس کا دامن، وغیرہ۔ نعرہائے تکبیر ورسالت کے بعد ایک نعرہ مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کا بھی ہے۔ یہ نعرہ لگانے والے کون لوگ ہیں؟ ان میں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بے نمازی ہے، داڑھی منڈے یا حد شرع سے کم رکھنے والے ہیں، شراب

خور ہیں۔" (ماہنامہ اشرفیہ اپریل، ۱۹۹۹ء)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف چھٹی آواز بعض جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے اساتذہ کے اشتراک سے ماہنامہ جام نور دہلی کے پلیٹ فارم سے بلند ہوئی کہ مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ، دیابنہ کا دیا ہوا نعرہ ہے، جام نور کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں۔

"جماعت اہلسنت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت سے منسوب کر دیا اور ہمارے خطباء نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کر دی۔"

(جام نور اکتوبر ۲۰۰۷ء)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ساتویں آواز حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شکل میں بلند ہوئی۔ موصوف کا کہنا ہے کہ لفظ بریلوی غیروں کا دیا ہوا ہے۔ اس لفظ کی حمایت کر کے ہم غیروں کے معاون کیوں بنے؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لفظ غیروں نے اہلسنت کو کسی خاص مقصد کے تحت دیا ہے تو اس کا علم رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب کو بھی ہونا چاہئے تھا۔ رئیس القلم نے لفظ بریلوی کو اہلسنت کا علامتی نشان قرار دیا ہے (اس سلسلے میں باضابطہ ان کی کتاب موجود ہے "بریلوی دور حاضر میں اہل سنت کا علامتی نشان") اور شیخ الاسلام نے خود کو بریلوی ہونے پر فخر محسوس کیا ہے۔ مفتی اشفاق حسین نعیمی جودھپور، مفتی اقتدار احمد خاں پاکستان اور پروفیسر محمد مسعود احمد صاحبان نے بھی لفظ بریلوی کو حق کی علامت سے تعبیر کیا ہے۔ بقول مصباحی صاحب اگر یہ لفظ غیروں کا دیا ہوا ہے تو مذکورہ پاکان امت نے اسے حق کی علامت سے کیوں تعبیر کیا۔ پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ نے اسے غیروں کا دیا ہوا لفظ تسلیم کیا ہے لیکن دوسری جگہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بریلوی اسلام ہی سچا اسلام ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے سارے دشمنان اسلام صرف اہلسنت و جماعت

(مسلک بریلوی) کے دشمن ہیں باقی کسی فرقے کے دشمن نہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جولوگ لفظ بریلوی کو اہل سنت کا علامتی نشان سمجھتے ہیں، جولوگ خود کو بریلوی ہونے پرفخر محسوس کرتے ہیں اور جولوگ بریلوی اسلام ہی کو سچا اسلام تصور کرتے ہیں شریعت ان پر کیا حکم نافذ کرے گی؟اس کا فیصلہ مصباحی صاحب کو کرنا ہے، ذیل میں مصباحی صاحب کا بیان ملاحظہ کریں۔

”نہ اہل سنت کو”بریلوی کہنے کہلانے سے میری دل چسپی ۔غیروں نے ایک خاص مقصداور منصوبے کے تحت اہلسنت کو”بریلوی”یا”رضا خانی” کہنا شروع کیا ہے۔ہم ان کے معاون کیوں بنیں؟

(تجلیات رضا،صدرالعلما محدث بریلوی نمبر ص:۴۵،۲۰۰۷ء)

یہ تھے اکابرین ومشائخ کے وہ فکری شہ پارے جو بریلوی اصطلاح کے باب میں ہمیشہ شب چراغ کا کام کرتے رہیں گے۔اور یہ ہیں علامہ محمد احمد صباحی صاحب جو خیرالاذکیا ہوتے ہوئے اس روشن خیالی کا ثبوت دے رہے ہیں کہ”اہلسنت کو بریلوی کہلانے سے میری دلچسپی ، غیروں نے ایک خاص مقصد اور منصوبے کے تحت اہلسنت کو بریلوی یا رضاخوانی کہنا شروع کیا ہے۔ہم ان کے معاون کیوں بنیں۔

اب آپ ہی کہئے یہ اکابرین ومشائخ کے افکار عالیہ سے انحراف نہیں تو اور کیا ہے؟اور اسی چیز کو ہم عوام اہل سنت کی آگاہی کے لئے زیرتحریر لے آئیں تو مجرم ہیں؟

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس پیراگراف میں علامہ مصباحی صاحب نے”شروع” کا لفظ استعمال کرکے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس لفظ بریلوی کا ماضی سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس اصطلاح کی ابلاغ وتبلیغ میں ہمارے علماء ومشائخ اہلسنت کا کوئی ہاتھ ہے جبکہ یہ سراسر تاریخ

کوجھٹلانے بلکہ مسخ کرنے والی بات ہے۔تاریخی حقائق بول رہے ہیں کہ تقریباً سوسال سے یہ لفظ ہمارے مشائخ کا نعرہ،علماء کا وظیفہ رہاہے اورعوام اہلسنّت نے بھی اپنی عام بول چال میں غیروں سے امتیاز کے لئے اسے برجستہ برمحل اورفخریہ استعمال کیا ہے اور کررہے ہیں اب تو لفظ بریلوی اہل حق کے لیے علم کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی پاکیزہ اصطلاح جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کرآج تک اس کی مخالفت میں سات آوازیں بلند ہوئی ہیں ان میں چار کا تعلق جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہے۔جب کہ حضور حافظ ملت نے مسلک اعلیٰ حضرت کو جامعہ اشرفیہ کے دستوراساسی میں شامل کیا ہے۔دستوراساسی کی عبارت ذیل میں ملاحظہ کریں:

”ادارے کا مسلک موجودہ زمانے میں جس کی واضح نشانی یہ ہے کہ جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی سے اعمال وعقائد میں بالکل متفق ہوں۔”(دستوراساسی جامعہ اشرفیہ،ص:۵)

حضور حافظ ملت کی حیات میں مولوی ظفرادیبی نے مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کی۔ نتیجہ کے طور پرحضور حافظ ملت نے انہیں اشرفیہ سے نکال دیا۔حضور حافظ ملت کے وصال کے بعد رئیس القلم آپ کی فکر کے جانشین بن کر جامعہ اشرفیہ پر حاوی ہوگئے۔اس لیے رئیس القلم کی حیات میں جامعہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔مولوی ظفرادیبی نے مخالفت کی جوآگ لگائی تھی وہ آگ وقتی طور پر دب گئی تھی بجھی نہیں تھی۔رئیس القلم کے وصال کے بعد جامعہ اشرفیہ کی فکری سرپرستی کرنے والی کوئی دوسری شخصیت نہ رہی۔اس لیے مسلک اعلیٰ حضرت سے خلش رکھنے والے مجتمع ہوئے اوراس کام کے لیے ان کے پوتے (خوشترنورانی) کوشیشے میں اتارا۔ان کے پوتے کی آزادخیالی سے مخالفین واقف تھے۔اس طرح ماہنامہ جام نور،کو پلیٹ فارم بنا کر مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کا سلسلہ جاری ہوگیا اور نہ جانے آئندہ کب تک جاری رہے گا۔چونکہ جامعہ اشرفیہ

کے بعض اساتذہ اس کی ہمنوائی میں ابھی بھی جٹے ہوئے ہیں۔ حال ہی میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کا تفصیلی تائیدی خط جام نور میں چھپا ہے۔ اگر جام نور جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ کا فکری ترجمان نہ ہوتا تو اس کی جماعت مخالف ورضا مخالف سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی برأت کا اعلان کردیتے۔

مخالفین یہ عذر پیش کرسکتے ہیں کہ ہم تو لفظ بریلوی کی مخالفت کررہے ہیں مسلک اعلیٰ حضرت کی نہیں؟ لیکن جام نور نے یہ فیصلہ بھی کردیا ہے کہ لفظ بریلوی اور مسلک اعلیٰ حضرت میں صرف لفظی فرق ہے معنوی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ پھر یہ کہ مخالفین جس لفظ بریلوی کو غیروں کا دیا ہوا لفظ کہہ رہے ہیں جام نور اسی کو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دے رہا ہے۔ جام نور کا کہنا ہے کہ جماعت اہلسنت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کردیا اور ہمارے خطباء نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کردی۔ گویا مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہے۔

حضور حافظ ملت نے جامعہ اشرفیہ کا جو منشور بنایا تھا اور فکر رضا کی روشنی میں جو ضابطے بنائے تھے، اشرفیہ ایک زمانے تک اسی منشور اور ضابطے کی روشنی میں محوسفر رہا۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی اور محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی نے حضور حافظ ملت کے جلائے ہوئے چراغوں کی لو کو مدھم ہونے نہیں دیا۔ بلکہ روز بروز ان شخصیات کی کوششوں سے ان چراغوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہا۔ مذکورہ شخصیات کے علمی جاہ وجلال کو دیکھتے ہوئے نقوش حافظ ملت سے انحراف کی کسی میں جرأت نہیں ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی مخالف آواز اٹھتی اسے فوراً دبا دیا جاتا۔ چنانچہ نماز میں جب لاؤڈ اسپیکر کے جواز کا فتنہ اٹھا تو شارح بخاری نے اسے کچل دیا، جب مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کے لیے بال وپر پھیلانے کی کوشش ہوئی تو بحر العلوم اور شارح بخاری نے اس کوشش کے بال وپر کتر دیئے۔ جب غیروں سے اختلاط کے

جذبے کو ہوا دی گئی تو محدث کبیر آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے۔ رئیس القلم اور محدث کبیر قدم قدم پر حضور حافظ ملت کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرتے رہے۔ جب جامعہ اشرفیہ رئیس القلم کے سائے سے محروم ہوگیا تو محدث کبیر فکر حافظ ملت کی بے لوث نمائندگی کرتے رہے۔ ان کا وجود مسلک اعلیٰ حضرت سے خلش رکھنے والوں کی نظروں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔ پھر ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے اہل علم خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک محدث کبیر کو بھی مجبور ہوکر اشرفیہ چھوڑنا پڑا۔

مسلک اعلیٰ حضرت جامعہ اشرفیہ کے دستور میں شامل ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت جامعہ اشرفیہ کے دستور کی مخالفت ہے جو لوگ جامعہ اشرفیہ میں رہتے ہوئے جامعہ اشرفیہ کے دستور کی مخالفت کررہے ہیں انہیں جامعہ اشرفیہ میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس روش کو کوئی بھی سنجیدہ معاشرہ نمک حلالی سے تعبیر نہیں کرسکتا۔

سو سال سے مسلک اعلیٰ حضرت بولا، پڑھا اور لکھا جارہا ہے : کیا واقعی لفظ بریلوی غیروں کا دیا ہوا نعرہ ہے اور اس کی حمایت غیروں کی معاونت ہے۔ اس تعلق سے حضرت مولانا مفتی سید محمد حسینی اشرفی مصباحی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ رانچور کرناٹک چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی آواز ناگپور لکھتے ہیں:

> ایک صدی سے زائد عرصہ سے مسلک اہلسنت کی شناخت صرف مسلک اعلیٰ حضرت یا مسلک بریلوی کے نام سے معروف ہے۔ اس لیے کہ حنفیت اور سنیت کے نام پر ہی وہابی، دیوبندی بھی جانے جاتے ہیں۔ بلکہ قادیانی بھی اپنے آپ کو حنفی ہی کہتا ہے۔ ایسی صورت میں مسلک اہلسنت، صراط مستقیم سواد اعظم کی شناخت کے لیے کسی ایسے خصوصی لفظ کی ضرورت تھی جس کے ذکر ہوتے ہی تمام گمراہ و باطل پرست و بدمذہب فرقے جدا ہو جائیں۔ اگر کوئی اپنے آپ کو صرف

حنفی وسنی کہتا ہے تو اس میں کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی کہ آیا یہ دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہے یا مسلک اہلسنت سے۔اگر کسی نے اپنے آپ کو حامل مسلک اعلیٰ حضرت کہا یا بریلوی کہا اس سے تمام گمراہ وبدمذہب و باطل پرست چھٹ جائیں گے۔اب کسی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ اہلسنت و جماعت سے نہیں ہے۔ غرضیکہ جس سلسلہ سے بھی وابستہ ہو چاہے وہ قادری ہو، یا چشتی، سہروردی، ہو یا نقشبندی، حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہلسنت میں ہونے کا مدعی ہے۔تو وہ پہلے مسلک اعلیٰ حضرت کے حامل ہونے کا اقرار کرے اور بریلوی ہونے پر یقین رکھے۔

(بدلتے زاویے ص۳،۴ مکتبہ سنی آواز دارالعلوم امجدیہ ناگپور۔)

حضرت سید محمد حسینی اشرفی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

’’آج کا وہ زمانہ جو بکثرت پرانے اور نئے نئے گمراہ، بددین، مرتد فرقوں سے بھرا ہوا ہے۔اور ہر فرقہ اپنے کھرے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔مسلمانوں کے نزدیک اسلام اور اسلامیات وہی ہیں جن کی تصریحات اعلیٰ حضرت امام بریلوی قدس سرہٗ نے دلائل قاہرہ سے فرمادی ہے۔جس کو اہلسنت ، بریلوی مسلک اور مسلک اعلیٰ حضرت ،سے جانتے ہیں پہنچانتے ہیں اور اہلسنت کے علاوہ دوسرے فرقے والے بھی اسی نام کے مسلک کو سبب امتیاز مانتے ہیں اور ہم سنی اشرفی سادات یا ہمارے دوسرے غیر سادات برادران اہلسنت خواہ وہ کچھوچھہ شریف میں رہتے ہوں یا کسی دوسرے مقام پر وہ پچھلی صدی

کے ہوں یا نئی صدی کے سب اسی فرق و امتیاز کے ساتھ مسلک اعلیٰ حضرت۔یا بریلوی مسلک پر قائم ہیں۔

(گل افسانیاں ص۲۹،۳۰/۱۹۹۴ء مکتبہ ماہنامہ سنی آواز دارالعلوم امجدیہ ناگپور)

لفظ بریلوی کے حوالے سے جانشین حضور محدث اعظم ہند شیخ الاسلام حضرت سید شاہ مدنی میاں اشرفی الجیلانی لکھتے ہیں:

اب کوئی اشاعرہ سے ہو یا ماتریدیہ سے، حنفی یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، اگر وہ صحیح طور پر معمولات اہلسنت کا حامل ہے تو حمایت اہلسنت کی روشنی میں بریلوی ہے۔اب بریلوی ہونے کے لیے فاضل بریلوی کی ذات گرامی تک کسی سلسلۂ علمی یا سلسلۂ نسبی یا سلسلۂ بیعت وارادت کا پہنچنا یا شہر بریلوی میں مقیم رہنا ضروری نہیں رہ گیا۔اسی لیے تو ایسوں کو بھی بریلوی کہا جاتا ہے جس نے عمر بھر بریلی شریف کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔جس کا علمی یا نسبی یا کسی دوسری طرح کا کوئی سلسلہ فاضل بریلوی تک نہیں پہنچا بلکہ جہاں فاضل بریلوی کی آواز تک نہیں پہنچی ، اس اصطلاح نے بریلویت کو وہاں تک پہنچا دیا۔اب میں الحمد اللہ مسلکاً حنفی، نسباً جیلانی ، مشرباً اشرفی اور وطناً کچھوچھوی ہونے کے باوجود اپنے کو بریلوی کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

(ماہنامہ حجاز جدید نئی دہلی ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۹ بدلتے زاویے ص۴/۵)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا مصطفیٰ رضا شبنم کمالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

’’میں مسلک کے اعتبار سے اس دور میں امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات وارشادات ہی کو اہل حق اہل سنت و جماعت کا مسلک سمجھتا ہوں اور اسی پر بحمدہٖ

تعالیٰ میرا عمل ہے۔ واضح لفظوں میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ میں بریلوی ہوں کیونکہ اس دور پرفتن میں یہی طرۂ امتیاز اور اہل حق کا علامتی نشان ہے۔''

(علامہ شبنم کمالی کی ذاتی ڈائری سے ماخوذ)

لفظ بریلوی کے حوالے سے قاطع تجدیت حضرت مولانا مفتی محمد امان الرب صاحب رضوی صدر مفتی دارالعلوم مینائیہ گونڈہ نے بڑے پتے اور دل کو چھو لینے والی باتیں کہی ہیں۔ ان کی باتوں سے یہ انداز ہوتا ہے کہ لفظ بریلوی کے خلاف جو لوگ محاذ آرا ہیں درحقیقت وہ اس لفظ کے پردے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی پھیلتی ہوئی عظمت پہ بند باندھنا چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ اس طرح کی ذہنیت کو ہوا دینے میں مصروف ہیں ان کی حیثیت عرفی دن بدن خود مجروح ومفلوج ہوتی جارہی ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

اہل سنت وجماعت کا تعارف مسلک اعلیٰ حضرت یا بریلوی سے کرنا تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے۔ جس طرح معتزلہ، عنادیہ، لا ادریہ فرق باطلہ نے اہل سنت وجماعت کے عقائد وافکار، شعار وضروریات میں بیجا حذف واضافہ، کتر و بیونت اور تلبیس وفساد کا ایسا اودھم مچایا کہ اہل سنت کے اصل عقائد ونظریات بالکل گنجلک ہوگئے۔ گمرہیت وآزادروی کی عام وباسی پھوٹ پڑی مگر یداللہ علی الجماعۃ کا اعزاز اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت ابوالحسن اشعری وامام ابومنصور ماتریدی نے تائید غیبی ونصرت خداوندی سے عقائد اہل سنت کو روشن و واضح فرمایا، پھر جملہ مسلمانان اہل سنت کو اشعری کہتے یا ماتریدی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اشعری یا ماتریدی کے نقش قدم پر چلتے ہیں جو اسلام کے عقائد ونظریات کے مددگار وامین ہیں۔ اس دور کے بد

مذہب ان دونوں نسبتوں کے طفیل اپنی چالیں فیل ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ دین تو اسلام ہے یہ اشعری کیا ہے اور ماتریدی کیا ہے؟ اس کے جواب اس دور کے اجلۂ علمائے کرام نے وہی دیے ہیں جو آج کے متعصبین کو مسلک اعلیٰ حضرت کہنے والے جواب دیتے ہیں، چنانچہ خیرالازکیا، حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب اپنی تحقیقی کتاب ''حدوث الفتن جہاد اعیان اہل السنن'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

بعض بد مذہبوں نے کہا کہ دین تو صرف اسلام ہے پھر اشعری وماتریدی کی طرف نسبت کیسی؟ تو ابن سبکی نے اعتراض ذکر کیے بغیر اس کا جواب دیا، فرمایا امام ابوالحسن اشعری نے نہ کوئی نئی بات گڑھی اور نہ کوئی الگ مذہب ایجاد کیا وہ تو فقط مذاہب سلف کو ثابت کرنے والے اور اس مذہب کی حمایت کرنے والے تھے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ تھے اور اسی اعتبار سے ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ وہ سلف کے طریقہ پر کمربستہ ہوئے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور دلائل وبراہین قائم کیے۔ اس لیے ان کی اقتدا کرنے والے اور دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے کو اشعری کہا جاتا ہے۔''

اسی طرح ماترید سمرقند میں ایک محلّہ ہے سمعانی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماتریدی کی طرف نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اشعری کی طرف نسبت کرنا یعنی دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے ماتریدی کہا جاتا ہے۔ وہ کسی نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے والے نہیں تھے بلکہ وہ دین

حنیف اور سنت سنیہ کے مددگار اور نئے نئے فرقوں کا رد کرنے والے تھے۔'' (حدوث الفتن ص:۱۵۳/۱۵۴)

مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی کہنے کا یہی مطلب ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت دلائل میں اعلیٰ حضرت کے نقش قدم پر چلتے ہیں جس طرح ماترید جگہ کا نام ہے اور تمام اہل سنت ماتریدی کہتے ہیں چاہے وہ کہیں کہ ہوں جب اس پر اعتراض نہیں تو بریلوی کہنے پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ یہ نسبت جو ہے اعلیٰ حضرت بریلوی کی اقتدا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا دور حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی دونوں کا استعمال غیروں سے امتیاز اور جماعتی شناخت کے لیے لازم وضروری ہے، جیسا کہ ماتریدی اور اشعری کا استعمال ماضی میں لازم وضروری تھا۔ جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت اور لفظ بریلوی کہنے پر مشتبہ ہیں اور ان کے استعمال پر مناظرانہ ومجادلانہ انداز فکر اپنائے ہوئے ہیں ان کے لیے یہ تحریر پیغام عمل بھی ہے اور راہ عمل بھی۔ (پیغام رضا، ص۲۲۔۲۳، ۲۰۱۰ء)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

ہند و پاک کے اندر علمائے حق مثلاً حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی وحضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی وحضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وحضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وحضرت علامہ فضل حق خیرآبادی وحضرت علامہ فضل رسول بدایونی وامام احمد رضا ودیگر علماء ومشائخ وصوفیہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسلک ومشرب پہ گامزن مسلمان جو تقلید فقہی وتصوف اسلامی کے قائل ہیں انہیں عموماً

بریلوی کہا جاتا ہے۔ توہین بارگاہ الوہیت ورسالت کے جواب میں تحریک تقدس الوہیت ورسالت کے علم بردار علمائے خیرآباد وبدایوں وغیرہ کے جانشین امام احمد رضا سے نسبت کرتے ہوئے پہلے مخالفین نے بریلوی کہنا شروع کیا پھر رفتہ رفتہ اسے سنی حضرات نے بھی قبول کرلیا اور اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک مخالف کیمپ دیوبندی تحریک کی شکل میں سرگرم عمل رہے گا اس وقت تک بریلوی تحریک بھی اسی شدومد کے ساتھ جاری رہے گی۔

سنی وشیعہ، اہل حق واہل اعتزال، علماے حق وعلماے سو، وغیرہ کی طرح برصغیر ہندوپاک کے اندر بریلوی ودیوبندی کی اصطلاح کافی حد تک رائج ہوگئی ہے۔ خود اہل سنت کے درمیان اشعری وماتریدی وحنفی وشافعی وقادری وچشتی کی اصطلاحات صدیوں سے رائج ہیں، اس لیے اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان بوقت ضرورت حنفی یا قادری وغیرہ کی نسبت کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا جائز ودرست ہے یوں ہی وہابیت ودیوبندیت سے امتیاز کے لیے بوقت ضرورت اپنے آپ کو بریلوی کہنا اور لکھنا بھی صحیح ہے۔

(ماہنامہ جام نور، ص:۲۵/نومبر، ۲۰۰۶ء)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی لکھتے ہیں:

لفظ بریلوی کو غیروں کا عطا کردہ لقب بتایا گیا، اس میں قطعی کوئی سچائی نہیں جن لوگوں نے یہ نظریہ پیش کیا، انھوں نے صرف وہم وگمان اور خیال وظن کی بنیاد پر کہہ دیا، اس سلسلہ میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں، بنظر انصاف دیکھئے تو اہل سنت وجماعت میں سے عوام وخواص

کا عمل اس کے خلاف جاتا ہے اگر واقعی یہ غیروں کا دیا ہوا لقب ہوتا تو بریلوی مسلک یا بریلویت کا نعرہ نہ لگایا جاتا، جس طرح سے رضا خوانی اور قبر پجوا کا نعرہ نہیں لگایا جاتا ہے کیونکہ یہ غیروں کے دیئے ہوئے القاب ہیں۔ مجھے سخت افسوس اور حیرت ہو رہی ہے کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے یہ کس طرح تحریر کر دیا کہ بریلوی کہہ کر ہم غیروں کے معاون کیوں بنیں؟ اگر یہی معاونت ہے تو انھیں یہ مشورہ علامہ ارشد القادری، علامہ سید محمد مدنی اور انھیں کے ہم نام مولانا محمد احمد مصباحی مرحوم کو دینا چاہیے کیونکہ یہ سارا کھیل خود انھیں کے سامنے کھیلا جا رہا تھا اور اس وقت آنجناب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ اس بڑے بول کا سارا الزام اکابر و مشائخ کے سر جاتا ہے اس طرح سے اسلاف کی شخصیتوں کو مجروح کرنا کیوں کر جائز و درست ہو سکتا ہے؟ اگر بریلوی غیروں کا دیا ہوا لقب ہے تو پھر کہیں ایسا تو نہیں؟ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی غیروں کے دیئے ہوئے القاب ہیں اور ان اصطلاحوں کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔ صدر المدرس صاحب نے اپنے ان خیالات کا اظہار تجلیات رضا کے صدر العلماء نمبر میں کیا۔ کاروان تجلیات رضا نے نہ معلوم کس جوش جنوں میں اسے شائع کر دیا، یہ وہی بتا سکتے ہیں؟

برصغیر ہندوپاک میں صرف اہلسنت و جماعت کے مدارس، مساجد اور دوسرے مذہبی اداروں کی کوئی حتمی تعداد بتائی نہیں جا سکتی اس لیے کی اس تعلق سے ابتک کوئی سروے رپورٹ سامنے نہ آسکی ہے۔ جبکہ مذہبی اداروں کا سروے ایک بڑا دینی و مذہبی کام ہے۔ اس سے اداروں کی تعداد، ملازمین کی تعداد اور طلبہ کی تعداد کو سمجھنے اور ایک دوسرے سے ربط و

تعلق استوار کرنے میں بڑی سہولت ہوگی۔ اداروں کو سامنے رکھ کر اور ان کے ذمہ داروں کے باہمی مشورے سے جماعتی سطح پر ایک وفاقی بورڈ بھی تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ نظام تعلیم و تربیت میں علاقے اور زبان و بیان کو سامنے رکھ کر یکسانیت بھی لائی جا سکتی ہے اور انھیں مرکز سے جوڑا بھی جا سکتا ہے اور متحد ہو کر وقت کی ہر ابھرتی ہوئی باطل قوت کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا ہے اور حکومت وقت سے اپنے جائز مطالبات بھی منوائے جا سکتے ہیں یہ بحث تفصیل کی متقاضی ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

برصغیر ہندوپاک میں بنام مسلمان بہت سارے فرقے اور جماعتیں پائی جاتی ہیں اور سب کے اپنے مدارس، مساجد اور فلاحی ادارے ہیں۔ کسی ایک فرقہ کے اداروں میں دوسرے فرقہ کو مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ سب کے اپنے عقائد و نظریات کے مطابق ضابطے جداگانہ ہیں۔ ان میں وہابی، دیوبندی غیر مقلد اور قادیانی شہرت رکھتے ہیں برصغیر ہندوپاک میں ان کے ادارے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مذکورہ چاروں فرقے فکری و نظریاتی اعتبار سے بہت حد تک متحد ہیں حالیہ چند برسوں میں ان کے آپسی اختلافات بھی کھل کر سامنے آئے ہیں پھر بھی وقت اور حالات کے تحت وہ باہم متحد ہو جاتے ہیں۔

برصغیر ہندوپاک میں اہلسنّت و جماعت کی غالب اکثریت ہے۔ اہلسنّت و جماعت چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور چار مشارب (قادری ما چشتی، نقشبندی اور سہروردی) میں تقسیم ہیں۔ اور ان سب کو عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے۔ دیوبندی بھی خود کو حنفی کہتے ہیں لیکن وہ کسی بھی اعتبار سے حنفی نہیں ہیں، بعض مشارب خود کو بریلوی کہلوانا پسند نہیں کرتے لیکن وہ خود کو بریلوی کہلوانا پسند کریں یا نہ کریں دنیا انھیں بریلوی کہتی ہے اور کہتی رہے گی۔ اس لیے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے اگر شبانہ یومیہ جانکاہ محنت نہ کی ہوتی تو مشارب کا حقیقی چہرہ گرد آلود ہو جاتا۔ انہوں نے تمام مذاہب اور مشارب کو یقینی تحفظ فراہم کیا ہے۔ انہوں نے معمولات اہلسنت کی حفاظت وصیانت کا جو

فریضہ انجام دیا ہے ماضی قریب میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جا سکتی ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات نقط، پرکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان سے الگ ہو کر اہلسنت کا کوئی فرد اپنا مذہبی و مسلکی چہرہ محفوظ نہ رکھ سکے گا ۔ انھیں تعصب، تنگ نظری اور گروہی عصبیت کی نگاہ سے دیکھنا جماعتی خودکشی کے مترادف ہے ۔ ان کے یہاں زندگی برائے ادب اور ادب برائے زندگی کا جو شعور ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ جماعت اہلسنّت کا ہر فرد ان کے در کی خاک کو اپنی آنکھوں میں بسا لے تو بھی ان کے احسانات کا حق ادا نہ ہوگا ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی مسائل اور معمولات میں تقلید کو جماعتی یک قطبیت کا نام نہیں دیا جا سکتا جو لوگ ایسا تصور رکھتے ہیں وہ اپنے خاندان کی ماضی میں ناکامیوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں ۔ جس طرح اسلام میں تمام پیغمبران عظام کی عظمتوں کا اعتراف ایمان کا حصہ ہے اسی طرح مسائل و معمولات میں اعلیٰ حضرت کی تقلید تمام اولیائے کرام کی عقیدت و محبت کا اظہار ہے ۔ ان کا بدخواہ اولیائے امت کے روحانی فیضان سے کبھی کوئی حصہ نہ پائے گا ۔ انہوں نے تاحیات ناموس رسالت کے ساتھ اولیائے امت کے ناموس کی بھی حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دیا ہے ۔ برصغیر ہند و پاک میں ان کی ذات سلطان الھند حضور سید نا خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مملکت کے وزیر کی حیثیت رکھتی ہے جس دل میں ان کی عداوت ہوگی وہ فیضان چشت سے کبھی بہرہ یاب نہ ہو سکے گا ۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر ہند و پاک میں بریلوی ، دیوبندی کی اصطلاحیں عام ہو چکی ہیں ۔ اکثر لوگ عام بول چال میں کہتے ہیں کہ فلاں ادارہ بریلوی مکتب فکر کا ہے ۔ فلاں ادارہ دیوبندی مکتب فکر کا ہے ۔ فلاں شہر میں بریلوی حضرات کی اکثریت ہے اور فلاں شہر میں دیوبندیوں کی اکثریت ہے ۔ جہاں ان دونوں اصطلاحوں کو

بہت زیادہ عمومیت حاصل ہے وہیں ان دونوں کو قانونی اور دستوری حیثیت بھی حاصل ہے ۔ حکومت وقت کے اندراج میں بھی بریلوی، دیوبندی اصطاحیں ملتی ہیں ۔ ہندوستانی حکومت نے مدارس ، مساجد اور فلاحی اداروں کو دو خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے بریلوی مدارس ، دیوبندی مدارس ، پاکستان میں تو ۶۰۔۷۰ سال سے زائد سے بریلوی اور دیوبندی اصطلاحوں کو قانونی و دستوری حیثیت حاصل ہے ۔ اور اس حوالے سے باضابطہ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں مشاہیر فرقوں اور جماعتوں کے اداروں کی تفصیل ملتی ہے، ذیل میں مدارس عربیہ مغربی پاکستان، کی ایک سروے رپورٹ ملاحظ کریں، یہاں صرف بریلوی اور دیوبندی اداروں کی فہرست دی جاتی ہے ۔

دیوبندی ادارے :

جامعہ اشرفیہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ مدینہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ حنفیہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ عربیہ رحیمیہ،	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
دارالعلوم مدینہ،	بہاول پور،	مسلک، حنفی دیوبندی
مدرسہ عطاء العلوم،	بہاول پور،	مسلک، حنفی دیوبندی
دارالعلوم تعلیم القرآن،	راولپنڈی،	مسلک، حنفی دیوبندی
مخزن العلوم	خانپور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ رشیدیہ	ساہیوال،	مسلک، حنفی دیوبندی
مدرسہ اشاعت العلوم	لائل پور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ قاسمیہ	لائل پور فیض آباد،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ اشرفیہ	پشاور،	مسلک، حنفی دیوبندی

دارالعلوم حقانیہ،	اکوڑہ خٹک،	مسلک،	حنفی دیوبندی
دارالعلوم کراچی،		مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ عربیہ اسلامیہ	کراچی	مسلک،	حنفی دیوبندی
دارالعلوم قوت الاسلام	حیدرآباد سندھ	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ مطلع العلوم،	کوئٹہ بلوچستان،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ قاسم العلوم،	ملتان،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ خیر المدارس،	ملتان،	مسلک،	حنفی دیوبندی

جائزۂ مدارس عربیہ مغربی پاکستان مطبع مسلم اکادمی لاہور ۱۹۷۲ء

مدارس اہلسنت:

دارالعلوم حزب الاحناف،	لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ نعیمیہ،	لاہور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم نعمانیہ	لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ نظامیہ رضویہ	لاہور،	حنفی بریلوی
غوث العلوم جامعہ رحیمیہ رضویہ،	سمن آباد لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ صدیقیہ سراج العلوم،	لاہور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم گنج بخش داتا دربار،	لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ نقشبندیہ فیض لاثانیہ،	رائے ونڈ،	حنفی بریلوی
جامعہ اویسیہ رضویہ،	بہاول پور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم فیضیہ رضویہ،	احمد پور،	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ سید المدارس،	بہاول پور،	حنفی بریلوی
مدرسہ فیض العلوم،	بہاول نگر،	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ کمال العلوم	بہاول نگر،	حنفی بریلوی

جامعہ رضویہ عربیہ	ہارون آباد	حنفی بریلوی
جامعہ قطبیہ رضویہ	جھنگ،	حنفی بریلوی
مدرسہ عربیہ صدیقیہ،	ڈیرہ غازی خاں،	حنفی بریلوی
جامعہ رضویہ ضیاء العلوم،	راولپنڈی،	حنفی بریلوی
جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام،	راولپنڈی،	حنفی بریلوی
جامعہ اسلامیہ تدریس القرآن،	اسلام آباد،	حنفی بریلوی
جامعہ حمدیہ رضویہ،	رحیم یار خاں،	حنفی بریلوی
مدرسہ عربیہ سراج العلوم،	خانپور،	حنفی بریلوی
جامعہ فریدیہ	ساہیوال،	حنفی بریلوی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ	بھیرہ،	حنفی بریلوی
دارالعلوم حنفیہ،	سیال کوٹ،	حنفی بریلوی
جامعہ رضویہ مظہر اسلام	لائل پور	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم،	ملتان	حنفی بریلوی
دارالعلوم حامدیہ رضویہ	کراچی	حنفی بریلوی
دارالعلوم احسن البرکات	حیدرآباد سندھ،	حنفی بریلوی
جامعہ مجددیہ	حیدرآباد	حنفی بریلوی
جامعہ راشدیہ	پیر گوٹھ	حنفی بریلوی
مدرسہ سفینۃ العلوم،	احمد پور خیر پور	حنفی بریلوی

اعلیٰ حضرت سے علما وعوام کی عقیدتوں کے بکھرے مناظر: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی حیات ہی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح وجود میں آچکی تھی۔ آپ کے خلفا، تلامذہ اور مستفیدین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو رواج دینے میں مصروف عمل

تھے۔اعلیٰ حضرت کی تعلیمات،ارشادات و پیغامات کی شفافیت اور مقناطیسیت نے اکثر بلاد اسلامیہ کے حق پسند دل و دماغ کو اپنے قریب کر لیا تھا اور آپ کی قیادت و سیادت کو سب نے بالاتفاق تسلیم کر لیا تھا، جو امراض مسلمانوں کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے، آپ نے ان امراض سے نجات کی راہیں مسلمانوں پر کشادہ کر دی تھیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی رہنمائی کے مثبت خطوط متعین کر دیئے تھے۔اعلیٰ حضرت کا عہد مسلمانوں کے لیے بڑا ہی سنگین عہد تھا اس سنگین عہد میں آپ کی ذات چراغ منزل کی حیثیت سے سامنے آئی تھی۔اس لیے مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے فکر و خیال کا قبلہ آپ کی ذات کو بنالیا تھا اور آپ کو حقانیت کی علامت کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ مسلک اعلیٰ حضرت مسلمانوں کی آپ سے عقیدت و احترام کا روشن اشاریہ ہے۔

برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کے دلوں میں آپ سے عقیدت و محبت کا جو چراغ جل رہا ہے اس کے کئی ایسے روشن ابواب ہیں جنہیں محسوس پیکر میں دیکھا جا سکتا ہے۔برصغیر میں اہل سنت کے ہزاروں مدارس، مساجد اور فلاحی ادارے مصروف عمل ہیں۔ان میں کم از کم چالیس فی صد ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب ہیں اور اکثر کے دستور اساسی میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل ہے۔ ہندوستان میں مذہبی اداروں کی اب تک کوئی ڈائریکٹری کتابی شکل میں سامنے نہیں آئی ہے،اس لیے ہندوستان میں جو ادارے آپ سے نسبت و تعلق رکھتے ہیں ان کی کوئی حتمی فہرست پیش کرنا بہت مشکل ہے۔جو ادارے شہرت رکھتے ہیں ان سے زمانہ واقف ہے۔اس سلسلے میں علماء پاکستان ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔انہوں نے اپنے مذہبی اداروں اور مشاہیر شخصیات کو کبھی بھی پردۂ خفا میں نہیں رکھا۔ وہ ضرورت و حاجت کے تحت اپنے مذہبی اداروں اور مرکزی شخصیات کی فہرست کتابی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔اس وقت حضرت مولانا کوکب نورانی صاحب کی ترتیب ''الخطیب'' کتابی سلسلہ یعنی عالمی سنی ڈائریکٹری ۲۰۰۳ء ہمارے پیش نگاہ ہے اس میں پاکستان کے مختلف بلاد

و امصار کے قریب قریب بارہ سو مدارس اسلامیہ کے اسماء شامل ہیں ان میں کسی طرح بھی تیس فی صد ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب دکھائی دیتے ہیں۔ذیل میں ان اداروں کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(۱) جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔
(۲) جامعہ فاروقیہ رضویہ، پنج پیر گھوڑے شاہ روڈ نزد گوجر پورہ، باغ بان پورہ۔لاہور
(۳) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، مین مارکیٹ گل برگ۔لاہور
(۴) دارالعلوم جامعہ رضویہ، سنٹرل کمرشل مارکیٹ، ماڈل ٹاؤن، لاہور
(۵) جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ، بلال گنج، امیر روڈ نزد چوک سردار چیل، اپور۔
(۶) جامعہ عثمانیہ رضویہ، اقبال یونانی دواخانہ میلاد چوک فاروق آباد۔
(۷) دارالعلوم فاروقیہ رضویہ تعلیم القرآن، مسجد دائرے والی، محلّہ فاروق گنج۔
(۸) دارالعلوم چشتیہ نظامیہ رضویہ، تحصیل پنڈی بھٹیاں، ضلع حافظ آباد۔
(۹) جامعہ قادریہ رضویہ قمر الاسلام، نور کوٹ، تحصیل شکر گڑھ، ضلع نارووال
(۱۰) جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ، بھکھی شریف، تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین۔
(۱۱) جامعہ رضویہ ضیاء القرآن، ڈنگا، ضلع گجرات۔
(۱۲) دارالعلوم جامعہ حنفیہ رضویہ، جی ٹی روڈ، سرائے عالم گیر، ضلع گجرات۔
(۱۳) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، ڈی بلاک، سٹلائٹ ٹاؤن، راول پنڈی
(۱۴) جامعہ رضویہ انوار العلوم، ۲۴۔ پی۔او۔ ایف، واہ کینٹ، ضلع راول پنڈی۔
(۱۵) جامعہ سراجیہ رضویہ چک نمبر ۳۴، حسن آباد، جھنگ روڈ، بھکر۔
(۱۶) جامعہ غوثیہ رضویہ شمس المدارس، نواں جنڈاں والا، تحصیل کلور کوٹ، ضلع بھکر
(۱۷) دارالعلوم کریمیہ رضویہ، ٹوبا ٹیک۔
(۱۸) دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام، جھنگ بازار، فیصل آباد۔

(۱۹) مدرسہ امینیہ رضویہ،محلّہ محمد پورہ،فیصل آباد۔

(۲۰) جامعہ قادریہ رضویہ،مصطفیٰ آباد،گودھاروڈ،فیصل آباد۔

(۲۱) جامعہ امینیہ رضویہ،بی بلاک،شیخ کالونی،جھنگ روڈ،فیصل آباد۔

(۲۲) جامعہ رضویہ سردار المدارس،نزد بہاری کالونی،شاہ رکن عالم کالونی۔

(۲۳) جامعہ نعمانیہ رضویہ،حامد آباد،لیّہ۔

(۲۴) جامعہ اویسیہ رضویہ،سیرانی مسجد،ملتان روڈ،بہاول پور

(۲۵) دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہرالاسلام،ہارون آباد،ضلع بہاول نگر

(۲۶) جامعہ رضائے مصطفیٰ،تحصیل بازار،بہاول نگر

(۲۷) شمس العلوم جامعہ رضویہ،ایس ٹی ۴،این بلاک،ناتھ ناظم آباد کراچی

(۲۸) جامعہ حامدیہ رضویہ،گلشن رضا،بکس نمبر ۸۴۳۵،کراچی یونیورسٹی

(۲۹) جامعہ حسینیہ رضویہ آریچا،پوسٹ خیر محمد اسٹیشن،باقرانی،ضلع لاڑکانہ

(۳۰) دارالعلوم جامعہ غوثیہ رضویہ،انوار باہو کلی دین محمد رئیسانی،کوئٹا

(۳۱) دارالعلوم جامعہ عثمانیہ رضویہ،عثمانیہ کالونی،لاہور

(۳۲) جامعہ حیات الاسلام غوثیہ نقش بندیہ رضویہ،موضع پھلروان،لاہور

(۳۳) جامعہ جلالیہ رضویہ مظہرالاسلام،سراج پارک،لاہور

(۳۴) جامعہ قادریہ رضویہ،ڈھولن ہٹھار،ڈاک خانہ خاص براستہ کھڈیاں

(۳۵) مدرسہ عربیہ حنفیہ رضویہ تجویدالقرآن،جامع مسجد منڈی چھانگا مانگا،ضلع قصور

(۳۶) جامعہ غوثیہ رضویہ،اسلام پورہ،ڈاک خانہ ہنجراں کلاں،تحصیل پتوکی،ضلع قصور

(۳۷) جامعہ نقش بندیہ رضویہ،ریلوے روڈ،پاک پتن شریف

(۳۸) مدرسہ عربیہ عثمانیہ رضویہ،اوکاڑا،پاک پتن شریف

(۳۹) مدرسۃ البنات اسلامیہ رضویہ،مرکزی جامع مسجد کھجوروالی،شاہ کوٹ

(۴۰) جامعہ نظامیہ رضویہ،محلّہ نبی پورہ،سرگودھا روڈ،شیخوپورہ

(۴۱) دارالعلوم نقش بندیہ رضویہ،شاہ کوٹ روڈ،سانگلاہل،شیخوپورہ

(۴۲) دارالعلوم چشتیہ رضویہ،نزد جنرل بس اسٹینڈ،خانقاہ دوگراں،ضلع شیخوپورہ

(۴۳) دارالعلوم غوثیہ رضویہ،لاہور سرگودھا روڈ،شیخوپورہ

(۴۴) جامعہ امینیہ رضویہ للبنات،فیصل ٹاؤن،ماناوالا،ضلع شیخوپورہ

(۴۵) جامعہ حنفیہ رضویہ،جامع مسجد نور،غلہ منڈی،شیخوپورہ

(۴۶) دارالعلوم رضویہ حنفیہ،عارف والا،ضلع ساہی وال

(۴۷) دارالعلوم امینیہ ارشادالمدارس،جی ٹی رڈ،چیچہ وطنی،ساہی وال

(۴۸) دارالعلوم غوثیہ رضویہ،صدر بازار،چیچہ وطنی،ضلع ساہی وال

(۴۹) جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم،متصل زینت المساجد،دارالسلام،گوجراں والا

(۵۰) دارالعلوم نعمانیہ رضویہ فیضان العلوم،نعمانیہ روڈ گلی نمبر ۱،محلّہ مصطفیٰ آباد اسلام آباد

(۵۱) جامعہ مجددیہ لاثانیہ رضویہ عطاء العلوم،جی ٹی روڈ،ضلع گوجراں والا

(۵۲) جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ برکات القرآن،جامع مسجد درس القرآن گوجراں والا

(۵۳) جامعہ چشتیہ رضویہ ضیاء القرآن،قلعہ والی کھوئی،تحصیل ضلع گوجراں والا

(۵۴) مدرسہ غوثیہ نعیمیہ رضویہ،گلشن زہرہ،دھونکل روڈ،وزیرآباد ضلع گوجراں والا

(۵۵) مدرسہ قادریہ رضویہ صادق الاسلام،محلّہ سید پور،صدیق اکبر ٹاؤن،دھلے

(۵۶) مرکز فیضان رضا جامعۃ البنات قادریہ،بشارت ٹاؤن،لائن پار موڑ،ایمن آباد

(۵۷) جامعہ غوثیہ رضویہ بنات الاسلام،کلرآبادی،حافظ آباد،گوجراں والا

(۵۸) بنات الاسلام اویسیہ رضویہ،نزد سول ہسپتال،ڈسکا،ضلع سیال کوٹ

(۵۹) دارالعلوم جامعہ نعیمیہ رضویہ الحبیب،ریلوے روڈ،ضلع سیالکوٹ

(۶۰) مدرسۃ البنات غوثیہ رضویہ،قلعہ کالروالا،ڈاک خانہ خاص ضلع سیال کوٹ

(۶۱) جامعہ غوثیہ رضویہ،سوکن ونڈ،ضلع سیال کوٹ

(۶۲) جامعہ نورانیہ حنفیہ رضویہ، نیا میانہ پورہ، معزلی رڈس روڈ، سیال کوٹ

(۶۳) جامعہ عتیقیہ رضویہ، کلاس والا، ضلع سیال کوٹ

(۶۴) جامعہ رضویہ احسن القرآن، مرکزی جامع مسجد، جی ٹی روڈ، دینا

(۶۵) دارالعلوم جامعہ رحمانیہ رضویہ، مسجد شیخاں، سوہاوہ

(۶۶) جامعہ صدیقیہ رضویہ، مقام وڈاک خانہ کھوہار، ضلع جہلم

(۶۷) جامعہ سعیدیہ رضویہ، للیانی تحصیل بھلواں، ضلع سرگودھا

(۶۸) جامعہ سلطانیہ رضویہ، ٹرک اڈا، فاطمہ جناح روڈ، سرگودھا

(۶۹) ضیاء العلوم جامعہ شمسیہ رضویہ، بھابڑا، ضلع سرگودھا

(۷۰) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، جامع مسجد نور، جنرل بس اسٹینڈ سرگودھا

(۷۱) دارالعلوم محمدیہ مجددیہ رضویہ، طارق آباد، سرگودھا روڈ، بھلوال، ضلع سرگودھا

(۷۲) مدرسۃ العلوم نوریہ رضویہ، ڈھبا شریف، ضلع چک وال

(۷۳) مدرسہ عربیہ جامعہ شمس العلوم رضویہ محل رونق پورا، خوشاب

(۷۴) دارالعلوم شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بچ چراں، ضلع میاں والی

(۷۵) جامعہ غوثیہ رضویہ، بمقام خاص پکاگھن جراں والا، ضلع میاں والی

(۷۶) جامعہ شمع صدیقیہ رضویہ، مسجد حاجی شمس الدین میاں والی شہر

(۷۷) دارالعلوم نعمانیہ رضویہ، سلطان خیل، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میاں والی

(۷۸) مدرسہ نورالعلوم جامعہ نوریہ نظامیہ رضویہ، نزد پوسٹ آفس کندیاں

(۷۹) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، الرضا عربک کالج، ضلع بھکر

(۸۰) مدرسہ شیخ الاسلام رضویہ، سٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ صدر

(۸۱) جامعہ غوثیہ رضویہ لاثانیہ بنات الاسلام، مہدی محلّہ، گوجرا، ضلع ٹوبا ٹیک سنگھ

(۸۲) دارالعلوم نوریہ رضویہ، بغدادی مسجد، گل برگ اے، فیصل آباد

(۸۳) جامعہ غوثیہ رضویہ مصباح العلوم، لاہور روڈ، ضلع فیصل آباد

(۸۴) دارالعلوم غوثیہ سلطانیہ رضویہ، اڈا امریدوالا، ضلع فیصل آباد

(۸۵) مدرسہ المعصوم جامعہ جعفریہ رضویہ منظر اسلام، جیلانی مسجد، فیصل آباد

(۸۶) دارالعلوم گیلانیہ رضویہ، فیصل آباد

(۸۷) مدرسۃ البنات رضویہ، تاندلیاں والا، ضلع فیصل آباد

(۸۸) مدرسۃ البنات غوثیہ رضویہ، گوبند پورہ، فیصل آباد

(۸۹) جامعہ رضویہ شمس العلوم، نزد نواں اڈا لاریاں، ضلع خانیوال

(۹۰) جامعہ رضویہ انوار الابرار، بیرون دہلی گیٹ، ملتان

(۹۱) جامعہ نوریہ رضویہ انوار القرآن، نوری محلّہ، اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان

(۹۲) جامعہ رضویہ صمدیہ تعلیم الاسلام، عقب چورنگی نمبر ۱۴/ر، ملتان

(۹۳) مدرسہ حنفیہ رضویہ سعیدیہ مصباح العلوم، ضلع وہاڑی

(۹۴) دارالعلوم جامعہ حسینیہ رضویہ، فتح پور، تحصیل وضلع لیّہ

(۹۵) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، چوک اعظم، تحصیل وضلع لیّہ

(۹۶) جامعہ سعیدیہ حامدیہ جمال العلوم، شاہ جمال، تحصیل وضلع مظفرگڑھ

(۹۷) مدرسہ عربیہ رضویہ بارویہ بحرالعلوم، ڈاک خانہ جوہڑ پور، تحصیل وضلع مظفرگڑھ

(۹۸) جامعہ فیضیہ رضویہ، نورانی مسجد، ضلع بہاول پور

(۹۹) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، بستی ریگراں، نزد ریلوے پھاٹک، بہاول نگر

(۱۰۰) مدرسہ عربیہ اسلامیہ فیض رضا اہل سنت و جماعت، ڈونگا ونگا، ضلع بہاول نگر

(۱۰۱) جامعہ سکندریہ رضویہ، چشتیہ اڈا، گل برگ، رحیم خان

(۱۰۲) دارالعلوم جامعہ محمدیہ رضویہ، ملحقہ مدنی جامع مسجد، رحیم یار خان

(۱۰۳) انجمن مدرسہ عربیہ رضویہ شمس العلوم، شہباز پور روڈ، رحیم یار خان

(۱۰۴) سلطان المدارس حسینیہ رضویہ، تحصیل صادق آباد، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۵) مدرسہ عربیہ جامعہ غوثیہ رضویہ ریاض العلوم، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۶) مدرسہ سعیدیہ منظور رضا، صادق آباد، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۷) مدرسہ عربیہ غوثیہ رضویہ اظہر العلوم، منصور آباد خان بیلا، تحصیل لیاقت پور

(۱۰۸) دار العلوم جامعہ اویسیہ سعیدیہ رضائے مصطفیٰ، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۹) دار العلوم غوثیہ رضویہ، کدھر شریف، تحصیل پھالیہ

(۱۱۰) دار العلوم سلیمانیہ رضویہ، مانگٹ شریف، تحصیل پھالیہ

(۱۱۱) جامعہ فضل العلوم رضویہ الحسنین اکیڈمی، سوندھی پورہ، سرگودھا روڈ، گجرات

(۱۱۲) جامعہ فاروقیہ رضویہ، کوٹلہ ارباب علی خان، ضلع گجرات

(۱۱۳) دار العلوم انوار رضا، ڈھوک منگٹال، راول پنڈی

(۱۱۴) جامعہ غوثیہ رضویہ، پشاور روڈ، چوہڑ پال، راول پنڈی

(۱۱۵) جامعہ محمدیہ رضائے مصطفیٰ، آرائے بازار، راول پنڈی کینٹ

(۱۱۶) جامعہ حنفیہ رضویہ انوار القرآن، محلّہ اڈا، ضلع راول پنڈی

(۱۱۷) جامعہ غوثیہ معینیہ رضویہ ریاض الاسلام، اٹک

(۱۱۸) دار العلوم نوریہ رضویہ (ٹرسٹ)، کراچی

(۱۱۹) دار العلوم حنفیہ رضویہ، گرین ٹاؤن، کراچی نمبر ۴۳

(۱۲۰) جامعہ اشرفیہ رضویہ، سیکٹر نمبر ۱۶/۱، اورنگی ٹاؤن کراچی

(۱۲۱) مدرسہ فیضان رضا، دھوراجی کالونی، گلشن اقبال، کراچی

(۱۲۲) دار العلوم کنز الایمان رضویہ، نزد ریلوے پلیٹ فارم، میر پور خاص (سندھ)

(۱۲۳) جامعہ فیض رضا، ایئر پورٹ روڈ، لطیف آباد، حیدر آباد

(۱۲۴) دار العلوم قاسمہ رضویہ، کمبوہ شریف، ڈیرا اسماعیل خان

(۱۲۵) مدرسہ چشتیہ رضویہ، پہاڑ کالونی، ضلع ڈیرا اسماعیل خان

(۱۲۶) دار العلوم غوثیہ رضویہ، مرکزی جامع مسجد اوگی۔ ضلع مانسہرہ ہزارہ

(۱۲۷) دار العلوم قادریہ رضویہ، انسبڑ، ضلع دیر

(۱۲۸) مدرسہ البرکاتیہ جامعہ انوار رضا، وزیر آباد، ضلع ٹانک (سرحد)

(۱۲۹) جامعہ غوثیہ رضویہ، محلّہ قادریہ وارڈ نمبر ۲، ڈیرا مراد جمالی بلوچستان

(۱۳۰) دار العلوم غوثیہ رضویہ، جامع مسجد کٹھے والی، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۱) دار العلوم حنفیہ رضویہ اہل سنت، ضلع پونچھ مقبوضہ کشمیر

(۱۳۲) جامعہ اسلامیہ رضویہ، مین بازار، چک سواری، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۳) ضیاء الاسلام رضویہ للبنات، بمقام وڈاک خانہ بارل، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۴) مدرسہ نوریہ رضویہ مدرسۃ البنات، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۵) جامعہ غوثیہ رضویہ بنات المسلمین، کلسن سنگرلہ، ضلع پونچھ مقبوضہ کشمیر

(۱۳۶) برکات العلوم جامعہ نقش بندیہ رضویہ، گنج مغل پورہ، لاہور

(۱۳۷) دار العلوم جامعہ کریمیہ رضویہ، دربار حضرت حاجی شیخ عبدالکریم چشتی صابری، لاہور

(۱۳۸) جامعہ تعلیم القرآن فاروقیہ رضویہ، کوٹ رادھا کشن، ضلع قصور

(۱۳۹) مدرسہ عابد العلوم غوثیہ رضویہ، ضلع قصور

(۱۴۰) دار العلوم حنفیہ فریدیہ رضویہ، نئی آبادی، ضلع اوکاڑا

(۱۴۱) دار العلوم غوثیہ رضویہ، تحصیل و ضلع شیخوپورہ

(۱۴۲) جامعہ صدیقیہ مجددیہ رضویہ، سانگلا ہل شیخوپورہ

(۱۴۳) دار العلوم جامعہ شریفیہ رضویہ، جاتری کہنہ، تحصیل و ضلع شیخوپورہ

(۱۴۴) دار العلوم فیض رضا حنفیہ رضویہ، مانا والا روڈ، احمد پور، شیخوپورہ

(۱۴۵) مدرسہ تدریس القرآن غوثیہ رضویہ، ساہو کے ورکاں، ضلع گوجراں والا

(۱۴۶) جامعہ رضویہ قمر المدارس، محلّہ شمس العارفین بالمقابل کنگی والا، گوجراں والا

(۱۴۷) مدرسہ چشتیہ رضویہ قمر العلوم، چشتی اسٹریٹ، گوجراں والا

(۱۴۸) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، جلال پور بھٹیاں، ضلع حافظ آباد

(۱۴۹) دار العلوم چشتیہ رضویہ اہل سنت و جماعت، ضلع حافظ آباد

(۱۵۰) مرکزی دار العلوم جامعہ قادریہ رضویہ، ضلع گجرات

(۱۵۱) جامعہ محمدیہ رضویہ تجوید القرآن، ضلع گجرات

(۱۵۲) مدرسہ کنز الایمان، پیر خانہ تحصیل سرائے عالم گیر، ضلع گجرات

(۱۵۳) جامعہ اسلامیہ رضویہ، گوندل ٹاؤن، نزد اسٹیڈیم، منڈی بہاؤالدین

(۱۵۴) مدرسہ نعیمیہ رضویہ، جامع مسجد سیدنا علی، کراچی کمپنی، اسلام آباد

(۱۵۵) دار العلوم صدیقیہ رضویہ، ڈھوک منگٹال، رال پنڈی

(۱۵۶) مدرسہ نوریہ رضویہ، مسجد المصطفیٰ ماڈل کالونی ڈھوک، راول پنڈی

(۱۵۷) دار العلوم جلالیہ رضویہ، ڈھوک چوہدریاں، راول پنڈی کینٹ

(۱۵۸) جامعہ نظامیہ رضویہ، جناح کالونی، واہ کینٹ، راول پنڈی

(۱۵۹) جامعہ غوثیہ رضویہ، مرکزی عیدگاہ، گوجر خان، ضلع راول پنڈی

(۱۶۰) جامعہ عربیہ رضویہ علوم المرتضیٰ، مقام میاں ڈاک خانہ خاص، ضلع سرگودھا

(۱۶۱) دار العلوم رحمانیہ حسینیہ رضویہ، ضلع خوشاب

(۱۶۲) جامعہ خلیلیہ رضویہ، ضلع میاں والی

(۱۶۳) جامعہ غوثیہ رضویہ، اسلام پورہ (روڈی)، ضلع بھکر

(۱۶۴) جامعہ رضویہ فیض بارو، نزد پل پتھراوی، تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ

(۱۶۵) جامعہ شیخ الحدیث منظر اسلام، گلشن کالونی، فیصل آباد

(۱۶۶) مدرسۃ الجنت انوار العلوم رضویہ، اڈا امریدوالا، ضلع فیصل آباد

(۱۶۷) مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر الاسلام، محلّہ لطیف نگر، سمندری، ضلع فیصل آباد

(۱۶۸) دار العلوم جامعہ غوثیہ رضویہ محی الاسلام، جہاں گیر کلاں، ضلع فیصل آباد

(۱۶۹) جامعہ غوثیہ رضویہ شمس القرآن، پل بارا میل ڈاک خانہ جودھ پور، ضلع خانیوال

(۱۷۰) جامعہ اویسیہ رضویہ سیرانیہ، کالونی روڈ، میلسی، ضلع وہاڑی

(۱۷۱) جامعہ رحیمیہ شاہیہ رضویہ (انجمن فروغ القرآن)

(۱۷۲) جامعہ رضویہ نوریہ تعلیم القرآن، اڈا ماچھیاں والا، ضلع وہاڑی

(۱۷۳) مدرسہ سعیدیہ رضویہ قادریہ قمر الاسلام، آستانہ عالیہ سید خاص شاہ، ضلع مظفر گڑھ

(۱۷۴) مدرسہ عربیہ رضویہ مدینۃ العلوم، نیو اڈا، مسلم ٹاؤن، ضلع رحیم یار خان

(۱۷۵) جامعہ رضویہ مدینۃ العلوم، فلڈ کالونی، شوگر ملز، ضلع رحیم یار خان

(۱۷۶) جامعہ رضویہ مظہر العلوم، فورٹ عباس، ضلع بہاول نگر

(۱۷۷) مدرسہ عربیہ رضویہ مظہر العلوم، ضلع بہاول نگر

(۱۷۸) مدرسہ انوار رضا، نارتھ کراچی

(۱۷۹) دار العلوم اسلامیہ رضویہ، ٹھری روڈ، ضلع نواب شاہ

(۱۸۰) دار العلوم جامعہ رضویہ سلیمیانیہ نظامیہ، جامع مسجد چوگلا، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

(۱۸۱) مدرسہ انوار العلوم غوثیہ رضویہ، عقب سول ہسپتال، بلوچستان

(۱۸۲) دار العلوم قادریہ رضویہ، النگی پارکھ، معرفت سیٹھ کشاول، مسجد روڈ، خضدار

(۱۸۳) جامعہ امینیہ رضویہ، حیدرآباد، راکاں گڑھ، ضلع میرپور، مقبوضہ کشمیر

(۱۸۴) دار العلوم محمدیہ رضویہ، محمدی کوٹ، لاہور

(۱۸۵) جامعہ جماعتیہ رضویہ، لاہور

(۱۸۶) مدرسہ نوری قادری رضویہ ضیاء القرآن

(۱۸۷) جامعہ رشیدیہ رضویہ، متصل جامع مسجد مدینہ، لاہور

(۱۸۸) جامعہ غوثیہ رضویہ، موضع جامن شریف، ضلع لاہور

(۱۸۹) جامعہ قادریہ رضویہ برکات القرآن، قصور

(۱۹۰) مدرسہ غوثیہ مہریہ رضویہ سردار العلوم

(۱۹۱) مدرسہ سلطانیہ رضویہ متصل جامع مسجد پیر عبداللہ شاہ جی روڈ، ضلع گوجراں والا

(۱۹۲) مدرسہ حنفیہ رضویہ اکرم العلوم، جامع مسجد فیض مدینہ، ضلع گوجراں والا

(۱۹۳) جامعہ رضائے مصطفیٰ، نوشہرہ ورکاں، ضلع گوجراں والا

(۱۹۴) جامعہ غوثیہ حنفیہ رضویہ تعلیم القرآن، نعمانیہ روڈ، گوجراں والا

(۱۹۵) جامعہ حنفیہ رضویہ صادق العلوم، حافظ آباد روڈ، گوجراں والا

(۱۹۶) مدرسہ اشرفیہ رضویہ، وہٹا عظمت شریف، ضلع حافظ آباد

(۱۹۷) مدرسہ غوثیہ رضویہ تعلیم القرآن، ضلع سیال کوٹ

(۱۹۸) مرکزی دار العلوم جامعہ حنفیہ رضویہ خورشید العلوم

(۱۹۹) مدرسہ اشاعت الاسلام رضویہ، جامع مسجد سائیں رحمت، ضلع گجرات

(۲۰۰) دار العلوم جامعہ حیدریہ رضویہ انوار القرآن، محلّہ شفقت آباد، منڈی بہاؤ الدین

(۲۰۱) دار العلوم قمریہ رضویہ فخر الاسلام، ضلع منڈی بہاؤ الدین

(۲۰۲) جامعہ نقش بندیہ رضویہ، جامع مسجد حنفیہ غوثیہ، راول پنڈی

(۲۰۳) جامعہ محمدیہ رضویہ، مرکزی جامع مسجد ذو النورین، اسلام آباد

(۲۰۴) جامعہ علیمیہ رضویہ ضیاء القرآن، آئی ٹن فور، اسلام آباد

(۲۰۵) جامعہ انوار الاسلام غوثیہ رضویہ، لائن پارک، چک وال

مذکورہ اداروں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے عوامی عقیدت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو لوگ اعلیٰ حضرت سے عوامی عقیدت کا رشتہ توڑنا چاہتے

ہیں انہیں اپنے فکر وعمل پہ سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ جو ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب ہیں وہ پانی کا بلبلہ نہیں ہیں کہ معمولی ہوا کے جھونکوں سے اپنا وجود کھو بیٹھیں بلکہ یہ عقیدت کی دیرپا لہریں ہیں جو تا قیامت چلتی رہیں گی بلکہ وقت، حالات اور رفتار زمانہ کے تحت ان میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اسی لیے شاعر نے کہا ہے

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

صاحب کتاب کا مختصر سوانحی خاکہ:

حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی کی ولادت ۱۹۶۲ء میں ضلع بانکا بہار کے ایک علمی خانوادے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے خاندانی بزرگوں کے زیر سایہ حاصل کی۔ جماعت ثانیہ تک اپنے علاقے ہی کے علما وفضلاء سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم وتربیت کا جذبۂ بیکراں لے کر ۱۹۷۶ء میں ملک کی قابل ذکر دانش گاہ جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں داخل ہوئے۔ مسلسل ۵؍سال تک حصول علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ 1981ء میں امتیازی نمبرات سے سند فضیلت حاصل کی اور اکابر علماء ومشائخ کے ہاتھوں دستار فضیلت سے شرفیاب ہوئے۔ جامعہ حمیدیہ رضویہ ہی میں حضرت مولانا مفتی یامین صاحب رضوی شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس کے زیر کرم کار افتاء میں مشق وممارست حاصل کی اور تخصص فی الفقہ کی سند سے نوازے گئے۔ اسی دوران حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں صاحب سجادہ خانقاہ رضویہ بریلی شریف نے اپنی خلافت واجازت سے نوازا۔

اساتذۂ کرام: غزالیٔ دوراں، رازیٔ زماں، حضرت علامہ مولانا قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ، یادگار سلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ مفتی محمد خادم رسول صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، عالم باوقار حضرت علامہ مولانا محمد نجم الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ

بنارس، فاضل خوش مقال حضرت علامہ ابو الفتح محی الدین احمد ہشام شہزادہ گرامی حضرت مصنف قانون شریعت، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، مولوی محمد یوسف علی نعمانی علیہ الرحمہ۔

تعلیمی لیاقت: مولوی، منشی، عالم، فاضل درس نظامی، فاضل دینیات، فاضل معقولات، فاضل عربی ادب، فاضل طب، ادیب کامل، معلم، ایم اے۔

درس وتدریس: ملک کی مشہور ومعروف علمی دانش گاہوں میں آپ نے امور تدریس انجام دیئے۔ خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مدارس قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف، دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم رام پور اور مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں کے منصب پر صدر مدرس ۲۲/اپریل ۱۹۸۴ء سے فائز ہیں۔

انفرادی خصوصیات: فکر رسا ذہانت، معاملے کی پاتال تک پہنچنے کا حوصلۂ ہر نشیب وفراز سے گزر جانے کی جرأت، پیچیدہ حالات میں بھی مسکرانے کی عادت، ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی سرشت، حسن سلوک، رواداری، ہم آہنگی علمی وقار اور فکر توازن سے کام لینا آپ کی انفرادی خصوصیات ہیں۔

علمی وتہذیبی خدمات: درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف سے بھی آپ طبعی لگاؤ رکھتے ہیں، ہند اور بیرون ہند کے مختلف مؤقر اخبار رسائل میں آپ کے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے ہیں آپ کے کچھ اہم مقالات کے عنوانات اس طرح ہیں۔ امام احمد رضا کے عربی قصائد کا تجزیاتی مطالعہ، امام احمد رضا اور تحقیقات آب، امام احمد رضا اور فوٹو گراف، حضور مفتی اعظم قیادت اور اسباب وعوامل، اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، لفظ اعلیٰ حضرت معنی ومفہوم اور استعمال، لفظ کملی کی تحقیق، صاع اور کیلوگرام کا معادلہ، درہم دینار اور جدید کلوگرام، مشتاق احمد نظامی ایک ہمہ جہت شخصیت، علامہ ارشد القادری ایک ہمہ جہت شخصیت، لفظ بریلوی علم وفکر کے تناظر میں، کیا اہل سنت وجماعت کو

بریلوی کہنا نادانی ہے، صدر العلماء اور علم حدیث وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ آپ کی کچھ کتابیں جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ حقیقت یا صرف افسانہ، خنجر حق، ماہ طیبہ، مولانا حسن بریلوی شخصیت اور شاعری، مجرم تم نہ کہ ہم آفتاب وماہتاب، مسلک والسلوک ترجمہ، وغیرہ وغیرہ۔ (سلک السلوک، ص:۴،۵)

صاحب کتاب اہل فکر وفن کی نظر میں: حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی علم کے حوالے سے اہل فکر وفن میں متعارف ہیں، درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور تحریر وتقریر ان کے محبوب مشاغل ہیں۔ اور ہر فن میں اپنی جداگانہ شان رکھتے ہیں۔ اہل علم وفن ان کے مقالات اور قلمی سرمائے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، رضویاتی ادب کے فروغ میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، ان کی ہر تحریر دلائل وبراہین سے مزین ہوتی ہے، ان کے قارئین میں علما اور مفکرین کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت کے تعلق سے اہل زبان وقلم کے تاثرات ملتے ہیں ذیل میں جماعت اہل سنت کی چند اہم شخصیات کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی امریکہ:

مفتی شمشاد حسین رضوی سے میری دو چند ملاقاتیں رہی ہیں۔ ان کو میں نے گہری بصیرتوں کا حامل پایا، گفتگو میں بڑی سنجیدگی اور حقانیت پائی جاتی ہے، ہند وپاک کے موقر رسائل وجرائد میں اکثر چھپتے رہتے ہیں۔ ان کے مقالات بڑے جامع اور وقیع ہوتے ہیں، اپنی تحریروں میں وہ دلائل کی زبان استعمال کرتے ہیں، ان کا قاری کسی بھی منزل میں الجھنوں کا شکار نہیں ہوتا، ایسے ہی لوگوں سے جماعت اہل سنت کا بھرم قائم ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری:

برصغیر ہند وپاک میں رضویاتی ادب کو فروغ دینے والوں میں کچھ نام بہت نمایاں ہیں ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کئی اعتبار سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ فکر

رضا کے خلاف جب بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو موصوف دفاعی آواز کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت تک میدان میں ڈٹے رہتے ہیں جب تک مخالف اپنی شکست تسلیم نہیں کرلیتا، انہیں زبان و بیان پہ قدرت حاصل ہے۔اپنی باتوں کو دلائل سے مزین کرنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ان سے اہل سنت کو بہت ساری امیدیں ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل انہیں عمر طویلی سے ہمکنار فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ، نائب قاضی ادارۂ شرعیہ پٹنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وابستگی بہت بڑی سعادت ونیک بختی ہے۔اعلیٰ حضرت سے جو وابستہ ہوتا ہے اگر ذرہ ہے تو آفتاب ہوجاتا ہے، اگر قطرہ ہے تو سمندر ہوجاتا ہے، تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا پورا وجود اعلیٰ حضرت کی محبت سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔اخبار ورسائل کے ذریعہ انہیں بہت دنوں سے پڑھتا آرہا ہوں، انہوں نے فکر رضا کی ترویج کو اپنا ترجیحی عمل بنالیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر چرچے میں رہتے ہیں بدایوں شریف کی سرزمین پر رہتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی شناخت کو میلا ہونے نہیں دیا۔وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب عمل بھی، ان کے زبان و بیان میں بھی بڑی نفاست ہے۔رب کائنات انہیں دارین میں عافیت عطا فرمائے آمین۔

حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی ایم اے۔

میری زندگی کا بیشتر حصہ علماء کے درمیان گزرا ہے، علماء کے احترام کا جذبہ مجھے ورثے میں ملا ہے۔حضور مفسر اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی عظیم ذات میرے غریب خانہ کو مہینوں اپنے قدموں کی برکتوں سے شادکام فرمایا کرتی تھی میں نے بہت ساری شخصیات کی خدمت بھی کی ہے اور انہیں قریب سے دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جماعت کی کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں دلچسپی سے پڑھا بھی ہے اور قریب سے دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہے، انہیں

میں ایک ذات حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی کی بھی ہے۔موصوف کی ذات بہت ساری خوبیوں کی حامل ہے، موصوف فکر رضا کی ترویج وتشہیر کا بڑا پر خلوص جذبہ رکھتے ہیں۔ادھر کئی سالوں سے ان لوگوں کا بڑا سنجیدہ تعاقب کر رہے ہیں جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلاف محاذ آرا ہیں۔مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان ہے۔اس حوالے سے مفتی صاحب کے کئی تحقیقی مقالات نگاہ سے گزرے ہیں۔ان مقالات کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ بھی ہوا اور قلب ونگاہ کو سکون بھی ملا۔یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہ مقالات اب کتابی شکل میں ''مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر'' کے نام سے اشاعت کے لیے تیار ہیں۔مولائے کریم اس کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ عطا فرمائے اور موصوف کو اس طرح کے کام کی مزید توفیق بخشے، آمین۔

جام نور کی نشاۃ ثانیہ کا بنیادی مقصد:

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ماہنامہ جام نور دہلی کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، جام نور کی نشاۃ ثانیہ کا واحد مقصد صلح کلیت کو فروغ دینا تھا، اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف کے جلائے ہوئے چراغ تھے، یہ تین چیزیں جماعت اہل سنت کے لیے قیمتی اثاثہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ماہنامہ جام نور نے ان تین چیزوں کو تدریجاً نشانہ بنانا شروع کیا۔ابتداً اس نے اشارے کنایے کی زبان استعمال کی جب اس نے یہ محسوس کرلیا کہ سمندر موج سے خالی ہو چکا ہے تو اس نے کھل کر اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور میراث اسلاف کو نشانہ بنانا شروع کیا، پہلے پہل اس نے لفظ بریلوی کو مشق ستم بنایا جب اس نے دیکھا کہ اس سے بھی سمندر میں کوئی اچھال نہیں آیا تو اس کے حوصلے کو مزید توانائی ملی اور اس نے مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا، اگر کوئی شخص اس کے تفصیلی شواہد دیکھنا چاہتا ہے تو راقم کی ترتیب امتیاز اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کرے۔

جام نور اکتوبر ۲۰۰۷ء میں ذیشان احمد مصباحی کا مضمون دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟ دو قسطوں میں شائع ہوا۔ مضمون کا کوئی حرف جماعتی روایات سے میل نہیں کھاتا، مضمون میں دوسرے بے بنیاد دعووں میں ایک دعویٰ یہ بھی کیا گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہے، مضمون جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بعض اساتذہ کی سرپرستی میں لکھا گیا، جب کہ جامعہ اشرفیہ کے دستور اساسی میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل ہے۔ اگر مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہوتا تو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اسے اشرفیہ کے دستور میں قطعی شامل نہ کرتے، مضمون نگار اور اس کے ہمنواؤں کی جہالت اور نادانی کا اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن افسوس اور بے پناہ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت آج تک اس مضمون سے اپنی برأت کا اعلان نہ کر سکی ہے۔

مضمون کی اشاعت کے بعد پورے ملک میں جام نور اور جامعہ اشرفیہ کے خلاف بیزاری کی شدید لہر پھیل گئی۔ چونکہ یہ حملہ صرف حضور حافظ ملت کی ذات پہ نہیں تھا بلکہ اسلاف کی سو سالہ میراث پر بھی تھا۔ اسلاف نے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ فکر امام کی ترویج وتشہیر میں اسلاف کی بے پناہ قربانیاں ہیں۔ اسلاف کی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہمارا جماعتی تشخص محفوظ ہے۔

ماہنامہ جام نور کے اٹھائے گئے فتنوں کا سر کچلنے کے لیے اہلِ زبان وقلم، ذی علم خطبا و واعظین اور سنجیدہ افراد کی ایک بہت بڑی جماعت میدان میں اتری۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے ثبوت میں مضامین لکھے گئے، ان مضامین پر مشتمل مختلف اخبار ورسائل کے ضخیم نمبرات شائع ہوئے، بنام تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت پورے ملک میں ہزار سے زائد جلسے ہوئے، کانفرنسیں ہوئیں، سنجیدہ افراد کی طرف سے احتجاجی تحریکیں چلائی گئیں اور مختلف شکلوں میں احتجاج کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ زیر نظر کتاب ''مسلکِ اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج'' اسی احتجاج کا ایک خوب صورت حصہ ہے۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج

اس کتاب میں کل ۲۲؍ابواب ہیں۔ ہر باب کی معنویت جدا اور کشش الگ ہے۔ اسی طرح اس کی تاثیری کیفیت میں بھی بڑا فرق ہے۔ جس طرح ''مسلکِ اعلیٰ حضرت منظر پس منظر'' اپنے موضوع کے اعتبار سے کامیاب کتاب تھی، ٹھیک اسی طرح ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے امید ہے کہ زیر نظر کتاب ''مسلکِ اعلیٰ حضرت، تعارف، حقیقت اور چیلنج'' بھی کامیاب ثابت ہوگی۔ ذیل میں ہر باب کا مختصر انداز میں تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلا باب ....گزشتہ سے پیوستہ ......اسباب میں ماضی، حال اور مستقبل کا تعارف، معنویت، جمالیات اور دوسرے بعض گوشوں پر عمومی انداز سے بحث کی گئی ہے۔ اور بحث کو ذہن و دل میں اُتارنے کے لیے استعاراتی اور تشبیہاتی لب و لہجے استعمال کیے گئے ہیں۔

دوسرا باب .... ماضی ایک خوشگوار پہلو ......اس باب کے تحت، آل انڈیا سنّی کانفرنس، اہمیت، افادیت اور تاریخی پس منظر، صدرالافاضل حیات وخدمات، دستور اساسی اور مسلک اعلی حضرت، سُنّی کی تعریف اور دورِ حاضر میں سُنّی کون ہے، نیز مسلک اعلیٰ حضرت کی جامعیت جیسے سلگتے ہوئے مسائل سے بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب ......کیا مہکا کہ مہکتا ہی چلا گیا؟ .... یہ باب بہت ہی زیادہ پُرکشش اور پُرتاثیر ہے اس باب میں ،، مسلک اعلی حضرت کے جمالیاتی پہلو، سواد اعظم مفہوم و مصداق اور اس کے عملی انطباق سے بحث کی گئی ہے

چوتھا باب ......مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف ......اس میں مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف، تجزیاتی، تشریحی مطالعہ اور اعلیٰ حضرت کا سوانحی خاکہ، تعلیم وتربیت اور بعض اہلِ خاندان کی سوانح بیان کی گئی ہے۔

پانچواں باب ......نسبت کا کمال ...... یہ باب بھی بہت اہم ہے۔ اس میں باب

جو مباحث آئے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ نسبت کا کمال، لفظوں کا مزاج اور نسبت میں کمی کیا ہے؟ پھر اس نسبت کے نتائج اور اثرات بتائے گئے ہیں۔

چھٹا باب ...... مسلک اعلیٰ حضرت کی حقیقت........ حقیقت کی توضیح و تشریح، حقیقت اور مصداق، پہلی حیثیت، دوسری حیثیت، مسلک اعلیٰ حضرت اور فرقۂ ناجیہ کے عقائد و مسائل..... اور حالاتِ حاضرہ پر بحث کی گئی ہے۔

ساتواں باب ..... تاریخی پسِ منظر...... اس باب میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے اس کے تاریخی پس منظر اور عہد رضا سے بحث کی گئی ہے اسی طرح اس میں کچھ تمہیدی گفتگو بھی آئی ہے، تاکہ مضامین کی اہمیت میں اضافہ ہو اور اسے قارئین کا ذہن آسانی سے قبول کرے۔

آٹھواں باب ..... پیکر قیادت ..... قیادت کیا ہے؟ عہدِ حاضر میں کس طرح کی قیادت کی ضرورت ہے؟ قائدین کیسے ہوں؟ قیادت کی آبرو کس نے بچائی اور پیکر قیادت کون ہے؟

نواں باب..... حقائق و بصائر.... مسلک اعلیٰ حضرت کی حقیقت کیا ہے؟

دسواں باب...... حسام الحرمین کا تجزیاتی مطالعہ...... جہاں تک ہماری معلومات ہے یہ مطالعہ پہلی بار پیش کیا گیا ہے اور مطالعہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کے مضامین سے قارئین پورے طور پر واقف ہو جائیں۔

گیارہواں باب ..... اثرات مابعد التکفیر سے موسوم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس باب میں ماقبل تکفیر کے حالات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کوئی بھی انسان بحیثیت انسان یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو کافر کہا جائے۔ ہاں خوشی اس بات میں ہوتی ہے کہ ایمان سب کا سلامت رہے۔ مگر کچھ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اور ایک مسلمان اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شریعت کے مسئلہ کو واضح کر دیا جائے ورنہ اوروں کے ایمان جانے کا

خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور پھر اس کا ذمے دار وہ عالم ہوتا ہے جو سب میں افضل ہوتا ہے اور جن کی ذمے داری مسئلۂ شریعت کو واضح کرنا ہوتا ہے، وہ ذمے داری اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے مقدس ہاتھوں میں تھی۔ اس لیے انہوں نے کسی کی پرواہ کیے بغیر اس شرعی کام کو انجام دیا..... اس سے مخالف افراد کو سبق لینا چاہیے اور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اپنا خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہیے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

بارہواں باب....... تقاریظ اور تصدیقات کا ہے مصدقین نے کن لفظوں سے اس مبارک فتویٰ کی تصدیق کی ہے۔ اس کی وضاحت کی گئی ہے...... اس باب کا ایک تتمہ بھی ہے جس میں تصدیق کرنے والے علمائے عرب اور شیوخ اسلام کے مختصر تذکرے بیان کیے گئے ہیں۔

تیرہواں باب...... بارہواں باب کا تتمہ اور تذکرہ ہے۔

چودہواں باب...... بھی ایک اہم باب ہے۔ اس باب میں عشق و ایمان کی باتیں پیش کی گئیں ہیں اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس مسئلہ تکفیر کو بھی عشق کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ جن لوگوں نے اس نظر سے دیکھا انہیں اپنی منزل مل گئی اور جو اس کے خلاف چلا وہ راہوں میں بھٹکتا ہی رہ گیا۔ اس کے علاوہ اس باب میں ایمان کی تعریف اور اہلِ قبلہ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اور کچھ لوگ ڈوبتے وقت تنکوں کا سہارا کس طرح لیا کرتے ہیں؟ اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

پندرہواں باب .... اس کا تعلق بدلتے حالات اور تغیر پذیر آثار و عکوس سے ہے یعنی اس باب میں صلح کلیت کو ایک فتنے کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدا ندوہ سے بتائی گئی ہے۔ اس کا ایک اور روپ بھی ہے اور وہ روپ علامتوں کو مٹا دینا اور اس کے تشخصات کو ختم کر دینا ہے...... یہ کس قدر خطرناک اور مہلک ہے؟ اسے جاننے کے لئے اس باب کا مطالعہ مفید ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ دعوت اسلامی اور ادارہ منہاج القرآن کے تعلق سے

اُصولی انداز میں بحث کی گئی ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

سولھواں باب.......اس خواب سے تعلق رکھتا ہے جو پورا نہ ہوسکا اور آئندہ بھی اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اور وہ خواب مجدد بننے کا خواب ہے۔ یہ خواب کس نے دیکھا؟ جس نے یہ خواب اسے کو تعبیر ملی یا نہیں؟ ان تمام پہلوؤں پر اس باب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

سترہواں باب ....مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف ہے۔ یہ اختلاف کیسا اختلاف ہے؟ اور اس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ محمود ہے یا مذموم ہے؟ اس باب میں مذکورہ پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ اختلاف کے تعلق سے اس میں کچھ نئے مباحث بھی آئے ہیں۔

اٹھارہواں باب ...... میں نظریاتی اور عملیاتی اختلافات سے بحث کی گئی ہے۔ تصویر کیا ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ تصویر حقیقی کیا ہے؟ جاسوسی کیمرے اور اس کے ذریعے نظر آنے والی تصویر کا کیا حکم ہے؟ اور اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

انیسواں باب.....اس کا تعلق ''موضوع روایات'' سے ہے۔ ماضی میں ''موضوع روایات'' کا سانحہ صرف اس لئے پیش آیا کہ یارانِ نکتہ داں نے مسلک اعلیٰ حضرت میں پیش کی گئیں معلومات کو نظرانداز کردیا۔ اگر وہ ان کو سامنے رکھتے تو شاید یہ سانحہ پیش نہ آتا۔

بیسواں باب......جماعتی انتشار کا ذمے دار کون ہے؟ اس باب میں یہ بات دلائل سے ثابت کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس وقت قیادت کا مستحق کون ہے؟

اکیسواں باب.....جلوہ گاہِ حسن و ناز ہے۔ اس باب کا مطالعہ قارئین کے لیے انتہائی مفید ہوگا۔

بائیسواں باب...... جماعت اہلِ سُنّت اس وقت جس انتشار میں مبتلا ہے۔ اس کا سدِّ باب کیسے ہو؟ اور اس کے لئے کیا اقدامات کیے جائیں۔ انہیں تمام پہلوؤں پر اس باب میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے ...... یہ مقالہ الٰہ آباد کے سیمینار کے لئے لکھا گیا تھا مگر کچھ

مجبوریوں کے تحت اس پر بحث نہ ہوسکی......

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا شمار جماعت اہل سنت کی ذی علم، متحرک اور فعال شخصیات میں ہوتا ہے۔ ان میں فقہی، درس گاہی اور خانقاہی تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ پل پل بدلتے ہوئے جماعتی حالات پہ ان کی گہری نظر ہے، انہوں نے جماعت مخالف تحریکات کو کچلنے میں جو مجاہدانہ، سرفروشانہ اور قائدانہ رول ادا کیا ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حق کی ترویج میں ان کی ذات مصلحت کی کبھی شکار نہیں ہوئی، بڑے بڑے درسگاہی اور خانقاہی چہرے ان کے سامنے آئے لیکن کوئی بھی بڑا چہرہ انہیں خوف زدہ نہیں کرسکا، بلکہ انہوں نے اپنے قلم کی نوک سے سب کو لہولہان کردیا، ان کی تحریروں میں بڑی جامعیت اور مقناطیسیت پائی جاتی ہے، وہ ہمیشہ تحقیقاتی اور استدلالی گفتگو کرتے ہیں ان کی انفرادی خصوصیات کا ان کے مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں۔ انہوں نے جماعتی و مسلکی مخالفین کو ہمیشہ کھلے میدان میں آنے کی دعوت دی ہے۔ ان کی تحریروں کے حرف حرف سے ان کا مذہبی اور مسلکی درد جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو کبھی بے قابو ہونے نہیں دیتے، وہ مخالف کی ہر تحریر کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اتنی ہی سنجیدگی سے اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

''مسلک اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج'' ان کے وفورِ علمی، جذبات دینی اور ان کی اعلیٰ جرأت وہمت کا بے غبار آئینہ ہے، اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور میراث اسلاف کے حوالے سے ملک میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے جذبات وخیالات اور درد کی اٹھتی ہوئی لہروں کو اپنے دلوں میں دبائے بیٹھے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری آواز صحراؤں میں بھٹک بھٹک کر دم توڑ دے گی، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا خیال اس کے برعکس ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر آج جماعت کا ذی علم، ذی شعور اور ذی فہم طبقہ ہماری آواز کو قابل توجہ نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے مگر آنے والی نسلوں کے لیے ہماری آواز یقیناً چراغ راہ کا

کام دے گی۔ پھر یہ کہ فکر امام ایک ایسا دائرہ ہے کہ سب کو ایک نہ اک دن اسی دائرے کے اندر آنا ہے، اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا ہے

مرکزیت ہے بریلی کو نصیب
نقطۂ پرکار ہیں احمد رضا

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں دلائل کی روشنی میں کہتے ہیں۔ ہواؤں میں انہوں نے تیر چلانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت آج تک صرف اور صرف ہواؤں میں تیر چلا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدم قدم پر انہیں ندامت کی آگ میں جلنا پڑ رہا ہے، ندامت کی آگ نے ان کے چہروں کو اس طرح جھلسا دیا ہے کہ وہ اپنوں کے سامنے آنے سے بھی جھجکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی کتاب ''مسلک اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج'' میں جو گفتگو کا انداز اختیار کیا ہے، اس میں بڑی نفاست ہے، جاذبیت ہے اور درد ہے۔ ذیل میں کچھ نمونۂ تحریر ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

(۱) اب آیئے ہم اپنے مطلب کی بات کرتے ہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' بھی ''گزشتہ سے پیوستہ'' کا آئینہ دار ہے اور ''بریلویت'' اسی کا مترادف ہے...... یہ اصطلاحیں کوئی آج کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ برسوں سے ان کا استعمال ہو رہا ہے ان کے حال پر نظر ڈالتے ہیں تو مجھے بہت زیادہ خوشی اور مسرت و شادمانی کا احساس ہوتا ہے کہ ان اصطلاحوں کے بولنے والے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں ان میں عوام بھی شامل ہیں اور خواص بھی اور وہ افراد ذی وقار بھی ہیں جن کا فرمایا ہوا مستند ہوا کرتا ہے ان میں ادارے بھی ہیں اور تنظیمیں بھی.....جب ان کا حال اس طرح خوبصورت ہے اور ان

میں ایسی دلکشی جاذبیت اور رعنائی و شگفتگی پائی جاتی ہے کہ آدمی نہ چاہتے ہوئے بھی دلوں کا میلان و رجحان ان کی جانب ہو جاتا ہے اس قبولیت کو کیا کہا جائے؟ کیا یہ ہماری یا آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے یا اس کے پیچھے کسی خزانے کا کرشمہ ہے؟ ہمارا یہ سوال ہر اس فرد سے ہے جو سنجیدہ دماغ ہے اور چشم بصیرت بھی رکھتا ہے ..... ہماری یا کسی کی انفرادی کوششوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ کہ ہم کسی کو شہرت کے آسمانوں تک پہنچا دیں اگر اس طرح کی کوششیں کامیاب ہوتیں تو نہ معلوم کتنے شہرت یافتہ ہو جاتے؟ اور ان کا بسیرا آسمانوں میں ہو جاتا.....چلئے، یہ تو غنیمت ہے کہ اس طرح کی کوششوں سے کچھ نہیں ہوتا ہے اب رہی بات خزانہ کی .....تو میں اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم غریبوں کے پاس نہ تو روپے ہیں اور نہ پیسے ہیں.....خزانہ کی بات تو بہت دور کی ہے اس لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح کو آگے بڑھانے والا کوئی اور ہی ہے یہ تو صرف اس کے کرم کی بات ہے کہ وہ اپنے بندے کو نواز رہا ہے.....نعمت پہ نعمت عطا کر رہا ہے اور ان کے چرچے کو گھر گھر پہنچا رہا ہے اور دلوں میں بسا رہا ہے .....یہ تو اس کے حال کی بات ہے جس کے حال کا یہ عالم ہو تو پھر اس کے ماضی کا باب کس قدر سنہرا ہوگا؟ کیون کہ حال کی بہتری ماضی کی بہتری پر دلالت کرتی ہے بلکہ میں یہ مانتا ہوں کہ ماضی حال سے کئی گنا بہتر ہوا کرتا ہے ...... ماضی کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا ہے ماضی اگر چہ کھنڈرات کی صورت میں دکھائی دیتا ہے اس کے باوجود ان کھنڈرات میں کتنے لعل و گوہر پوشیدہ ہیں۔

(۲) تعارف ''معرفت'' سے بنا ہے اور معرفت کا مطلب کسی شئی کو جاننا یا کسی چیز کے تعلق سے علم حاصل کرنا۔علم اجمالی بھی ہوتا ہے اور تفصیلی بھی ہوتا ہے۔گزشتہ ابواب میں آپ اجمالی طور پر جان ہی گئے ہوں گے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اگر آپ نے میری کتاب ''مسلک اعلیٰ حضرت منظر، پسِ منظر'' کا مطالعہ کرلیا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ آپ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' سے کسی حد تک متعارف ہو گئے ہوں گے ....اس کے باوجود ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ آپ کے سامنے اس کا تفصیلی جائزہ پیش کر دیا جائے تا کہ آپ اس سے خاطر خواہ واقفیت حاصل کرلیں ....یہ ضرورت اس لئے محسوس کی جارہی ہے کہ یہ زمانہ پل پل بدل رہا ہے اور اہل زمانہ بھی اس کی اتباع میں کروٹیں بدل رہے ہیں کبھی ماشہ تو کبھی تولہ.......اور کبھی تولہ تو کبھی ماشہ ہوتے جارہے ہیں....اس زمانہ کا بھی عجیب مزاج ہے.....کہ دور حاضر میں غیروں نے قرآن وسنت کے خلاف رویوں اور نظریوں سے،،فرقۂ ناجیہ،،کوشکوک وشبہات کے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اسے،،مبہم،،سا بنا دیا ہے اسے غیروں سے ممتاز کرنے کے لئے کسی علامت کی ضرورت ہے......کسی شناخت کی حاجت ہے......ہمارے بزرگوں کا کرم دیکھو! کہ انہوں نے اس کا بھی انتظام فرما دیا ہے......ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں .....مگر افسوس اس بات پر ہے کہ وہ علامت خود ان کے پاس موجود ہے ان کی جانکاری میں ہے کہ اس کی علامت کیا ہے؟ اس کے باوجود یہ دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں......

(۳) حقیقت وہ ہوتی ہے جس سے کسی ''شئ'' کا وجود اور تحقق ہوا کرتا ہے شئ اور اس کی حقیقت کا رشتہ بہت زیادہ گہرا ہوتا ہے اٹوٹ اور ان مٹ ہوتا ہے اگر شئی ہے تو اس کی حقیقت بھی ہوگی اور جب کوئی ''شئ'' ہی نہیں تو پھر حقیقت کہاں سے ہوگی؟ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں ان میں سے کسی ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو لازم اور دوسرے کی نفی سے پہلے کی نفی لازم.....یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف اہلِ علم کا ہر ایک طبقہ کرتا ہے علم وفن کی دنیا میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کا انکار کرتا ہو انکار تو بڑی بات ہے اس بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے ......اس باب میں موضوع بحث ''مسلک اعلیٰ حضرت'' اور اس کی حقیقت ہے ....مگر اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا استعمال کسی عام آدمی کا کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس دانشور طبقے کا استعمال کیا ہوا ہے جس طبقہ سے تعلق رکھنے والے سبھی افراد اپنے اپنے دور کے درخشاں ستارے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی جماعت میں ''نیر تاباں،، کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی کوئی نہ کوئی حقیقت بھی ہوگی یہ اور بات ہے کہ ابھی تک کسی نے بھی اس کا تعین نہیں کیا ہے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے اس کی حقیقت کا تعین کیا جاتا پھر اسے بحث کی میز پر لایا جاتا اور اس کے تعلق سے جو فیصلہ ہوتا اسے قبول کیا جاتا.....اس کے باوجود اس کے تقاضے کا خیال نہیں رکھا گیا اور براہ راست مسلک اعلیٰ حضرت کا انکار کر دیا گیا....اس طرح کا فیصلہ کسی پر تھوپنا یقینی طور پر زور زبردستی ہے.....خیر یہ اس کا ذوقِ عمل ہے وہ جانے ہمیں تو اثباتی انداز

میں چل کر اپنے مدعا کو ثابت کرنا ہے اس طرح کے رویے سے مختلف فائدے حاصل ہوتے ہیں .... وہ فائدے کیا ہیں ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں اس امید کے ساتھ کہیں دلوں میں بات اتر جائے اور بگڑے ہوئے مزاجوں میں کسی بھی پہلو سے شگفتگی پیدا ہو جائے۔

ارباب فکر و دانش، اصحاب تجربہ کا محاورہ ہے۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، یہ ایک ایسا محاورہ ہے جس پر تمام افراد کا اتفاق ہے۔ عوام بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں اور خواص بھی، بلکہ وہ افراد بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں جو اخص الخواص کے درجہ پر فائز ہیں۔ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک اور بریلویت پر یہ محاورہ پورے طور پر صادق آتا ہے کہ یہ کل بھی زبانِ خلق پر تھا آج بھی ہے تو پھر اسے زبان خلق کو نقارۂ خدا کیوں نہیں سمجھا جارہا ہے اور اسے حق و صداقت سے کیوں نہیں تعبیر کیا جارہا ہے؟ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو اس اعتراف حق میں مانع ہو رہا ہے؟ اس کی وضاحت کی جائے۔

فقہ کا ضابطہ ہے جسے لوگ اچھا تصور کریں وہ اچھا ہے اور جسے انسانوں کا جم غفیر برا تصور کرے وہ برا ہے۔ یہ ایک مسلم ضابطہ ہے، فقہ کے بہت سے مسائل اسی ضابطہ سے حل کیے جاتے ہیں یہ ضابطہ بھی مذکورہ اصطلاحوں پر صادق آتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ یقین کرتا ہے کہ دورِ حاضر میں مسلک اہل سنت و جماعت کی علامت اور نمائندہ اگر کوئی ہے تو وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکار و نظریات ہیں اور ان کی کتابوں میں مذکور عقائد و رسومات ہیں یعنی مسلک اعلیٰ حضرت

اور بریلوی مسلک ہے اس کے باوجود اس کے علامتی نشان ہونے کو آج چیلنج کیوں کیا جارہا ہے اور اسے کس بنیاد پر مجروح کیا جارہا ہے؟

مفتی صاحب دوسری جگہ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت کو ان کی کوتاہ فہمی اور غلط بیانی کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لفظ بریلوی علامتی نشان ہونے کے سبب اب اس کا معنی محدود نہیں بلکہ غیر محدود، نہایت ہی وسیع اور اہل سنت و جماعت کا مترادف بن گیا۔ شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی اس وسیع معنی کے اعتبار سے بریلوی ہیں مگر جام نور کے توسط سے یاران نکتہ داں نے لفظ بریلوی کے معنی و مفہوم میں جدید فرقہ کا معنی شامل کر دیا اور اسی بنیاد پر ترک استعمال کا مشورہ بھی قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ مشورہ سرے سے غلط ہے کیونکہ لفظ بریلوی سے کسی بھی صورت میں جدید فرقہ کا معنی متبادر نہیں ہوتا تو پھر اسے بنیاد بنا کر ترک استعمال کا مشورہ دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ مگر انھیں تو ذہنوں میں تکدر اور فکر و شعور میں مسموم فضا قائم کرنا تھا اور انھوں نے کر دکھایا مگر ہماری ہی جماعت کے کچھ دانشوروں، مفکروں نے حقائق کا سراغ لگائے بغیر اپنے تائیدی کلمات عطا کر کے کاروانِ جام نور میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ روش کیا انقلاب لائے گی؟ یہ وقت اور حالات بتائیں گے۔

مفتی صاحب ایک اور جگہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو جماعت اہل سنت کا علامتی نشان بتاتے ہوئے مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت سے عوام اہل سنت کو ہوشیار رہنے کی اس انداز میں دعوت دیتے ہیں:

> امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جماعت اہل سنت کے تحفظ اور ناموسِ

رسالت کی صیانت کے لیے جو کوششیں کی اور جس جرأت مندانہ انداز میں دین و مذہب، علم و ادراک، فکر و تدبر اور فقہ و تفسیر کے فروغ و ارتقاء میں حصہ لیا۔ وہ تاریخ کا انمٹ حصہ ہے۔ کسی بھی دور میں اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنجیدہ دماغ رکھنے والا کوئی مؤرخ اسے مٹا سکتا ہے مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جس جماعتی سرمایہ کو ہمارے سپرد کیا ہم اس کی حفاظت نہیں کر پا رہے ہیں بلکہ اسے مختلف خانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ ایسے افراد نمود پا رہے ہیں جو ہماری جماعت میں گھس کر امام احمد رضا کی خدمات کو مشکوک کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، مسلک اعلیٰ حضرت، مذہب اہل سنت کا علامتی نشان بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تہذیبی سرمایہ بھی ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا رہ کر اہلِ سنت ہونے کا دعویٰ کرنا ایک کھوکھلا دعویٰ ہے، صرف زبانی نعرہ ہے۔ ایسے دعوؤں اور نعروں سے چوکنا رہیے کہ یہی وقت کی آواز ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا بھی۔ کاروانِ جام نور اور نئے قلمکار اس مزاج و سرشت پر کہاں تک کھرے اُترتے ہیں؟ یہ وقت اور حالات ہی بتا سکتے ہیں۔

''مسلک اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج'' کا مرکزی کردار اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور لفظ بریلوی ہے۔ لفظ بریلوی حقیقت میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ہی ہم معنی ہے۔ بلکہ لفظ مسلک اعلیٰ حضرت سے لفظ بریلوی زیادہ شہرت و مقبولیت رکھتا ہے۔ اور عام بول چال میں بھی اس لفظ کا بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ برصغیر

ہندو پاک میں یہ لفظ اہل حق کے لیے علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ لیکن مخالفین کو یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی ہے چونکہ مخالفین کا مقصد لفظ بریلوی کی مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ اس لفظ کے سہارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات کو متنازع بنانا اور ان کی عظمتوں کی پھیلتی ہوئی خوشبو کو روکنا ہے۔ کتاب میں اس طرح کی گندی ذہنیت رکھنے والوں کا خوب اچھا محاسبہ کیا گیا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت تعارف، حقیقت اور چیلنج بڑی معلوماتی کتاب ہے۔ اس کے منظر عام پر آنے کا بھی یہی صحیح وقت ہے۔ بعض عاقبت نا اندیش لوگ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف کے تقدس کو میلا کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کا سنجیدہ احتساب ضروری ہے۔ خوابِ غفلت کی عمر دراز ہوئی تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی اس کتاب کے حوالے سے پوری جماعت کی طرف سے قابل مبارکباد ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا سنجیدہ مطالعہ کریں اور اپنی رائے ہمیں لکھ بھیجیں۔ جو آرا ہمیں موصول ہوں گی آنے والے دوسرے ایڈیشن میں انہیں شامل اشاعت کیا جائے گا۔ کتاب میں کہیں کوئی شرعی یا لفظی خامی نظر آئے تو اطلاع دیں، رضا نوازی ہوگی۔

☆☆☆

بابِ اوّل

گزشتہ سے پیوستہ

☆ ....گزشتہ سے پیوستہ معنی ومفہوم

☆ ....گزشتہ سے پیوستہ اوراس کا جمالیاتی تصور

☆ ....حیات انسانی اوراس کا انطباق

☆ ....مسلک اعلی حضرت پر بھی گزشتہ سے پیوستہ ہونے کا انطباق

☆ ....مسلک اعلی حضرت کا ماضی بھی شاندار ہے

گزشتہ سے پیوستہ

گزشتہ سے پیوستہ،، اور اس کا معنی ومفہوم

گزشتہ سے پیوستہ،، ہونا فردِ واحد کا فطری اور طبعی تقاضا ہے۔ اسے جس شعبۂ زندگی میں رکھ کر دیکھئے، آپ یہی محسوس کریں گے کہ،، گزشتہ سے پیوستہ،، ہونا ضروری ہے اور یہ ایک ایسا امر ناگزیر ہے جس کے بغیر کوئی بھی کام یا کوئی بھی شئی وجود پذیر نہیں ہوسکتی ہے جسے جو کچھ بھی ملا ہے،، گزشتہ،، سے ملا ہے وجود، انسانیت، تربیت، اخلاق، محبت، سیرت، کمال، کردار، عمل، علم، فکر، شعور، ادراک، تہذیب، تمدن وغیرہ وغیرہ یہ تمام چیزیں،، گزشتہ،، کی رہین منت ہیں۔۔ اسی کے احساں تلے دبی ہوئی ہیں۔ ماضی کا سہارا لئے بغیر ہم کوئی بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتے ہیں جو ہوتا ہے یہیں سے ہوتا ہے جو یہاں نہیں ہوتا ہے وہ کہیں نہیں چل پاتا ہے، جو سکہ یہاں ڈھلتا ہے وہ ہر بازار میں چلتا ہے، دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ اسے ماضی سے کوئی تعلق نہیں اگر کہیں کوئی مثال ہے تو اُسے پیش کیا جائے تا کہ اس کے ہر ایک زاویہ کا مختلف حیثیات سے مطالعہ کیا جائے اور پھر یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس کا ماضی سے کوئی تعلق ہے یا نہیں ہے؟ جو فرد بھی اس طرح کی مثال کو سامنے لائیگا ہم نہ صرف اس کے شکر گزار ہونگے بلکہ اس کے تئیں ہمارے دل میں جو حسین جذبے ہونگے اس کا ہم برملا اظہار کریں گے اور پوری زندگی ہم اس کے رہین منت رہیں

گے......ہمارے خیال میں ایسی کسی مثال کا ملنا بہت مشکل ہے........بہر حال بغیر کسی تردد کے اس بارے میں ہمارا موقف یہی ہے کہ ماضی ہماری بنیاد ہے اسی پر حال کی بلند عمارت قائم ہے.....اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ،، گزشتہ سے پیوستہ،، کی بڑی افادیت اور اہمیت ہے اور یہ ہماری ضرورت بھی ہے یہ ایسی ضرورت ہے جس کی چھاپ ہر جگہ نظر آتی ہے فکر وشعور میں بھی اس کی اہمیت ہے اور تہذیب وتمدن میں بھی۔۔ اور علمی نظریئے بھی اس کی تائید میں ہیں......آیئے اس پر تھوڑی تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں تا کہ اس کی پوری حقیقت نکھر کر ہمارے سامنے آجائے

گزشتہ سے پیوستہ اور اس کا جمالیاتی تصور

گزشتہ سے پیوستہ،، یہ ایک ایسا تصور ہے جس میں فطری کشش پائی جاتی ہے اس کا ہر ایک پہلو ہمیں جمالیات کی طرف لے جاتا ہے جمالیات کے دائرے میں وہ سبھی زاویئے شامل ہوجاتے ہیں جو دلوں میں سکوں اور ذہنوں میں طمانیت پیدا کردے اور فکر وشعور کو انجلائی کیفیت سے دوچار کردے ہم نے ہزاروں کو دیکھا ہے کہ جب وہ ماضی کے کھنڈرات میں قدم رکھتے ہیں تو ان کی جبینوں پر ابدی سعادت مندی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور ان کے لبوں پر مسکان پھیل جاتا ہے، انسان حال کے گھروندے میں رہتے رہتے تھک جاتا ہے مگر جب کبھی وہ ماضی کے تصور میں کھو جاتا ہے تو اسکی محفل کا رنگ اور بھی زیادہ خوشنما ہو جاتا ہے....جمالیات بھی ایک ایسا ہی فلسفہ ہے اس لئے ہمیں،، گزشتہ سے پیوستہ،، کو فکری اور منطقی انداز میں لینا چاہئے.......سب سے پہلے ہم اس پر فکری نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں ہماری فکر کیا کہتی ہے؟ اور ہمارے شعور کا کیا فیصلہ ہے؟......زمانہ تین طرح کا ہوتا ہے.....ماضی.....حال.....اور مستقبل...اس پر دانشوروں کا اتفاق ہے اپنے دانشوروں کا بھی یہی خیال ہے اور دوسری قوموں کے افراد نے بھی اسی پر اتفاق کیا ہے....یہ کوئی افسانہ نہیں اور نہ ہی کوئی طلسماتی کہانی ہے جسے نظر انداز کردیا جائے بلکہ یہ وہ زمینی حقیقت ہے

جسے دو دو چار کی طرح ماننا ہے اور اسے تسلیم کرنا ہے.....گزرے ہوئے زمانے کو فارسی میں ،،گزشتہ،، کہا جاتا ہے اور عربی میں اس کا نام ماضی ہے جو زمانہ گزر جاتا ہے اسی کو ماضی اور گزشتہ کہا جاتا ہے حال کو موجود اور مستقبل کو آئندہ کہا جاتا ہے زمانہ مختلف ،،انات،، کا نام ہے اِنہیں ،،انات،، میں سے جو ،،ان،، گزر جاتا ہے وہ ماضی ہے جو موجود ہوتا ہے اسے حال کہتے ہیں اس کے بعد مستقبل آتا ہے ماضی مقدم ہوتا ہے اور اس سے حال متأخر ہوتا ہے اس کے بعد مستقبل کا نمبر آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ماضی کو حال اور مستقبل دونوں پر تقدم ذاتی حاصل ہے میں سمجھتا ہوں ماضی کے بغیر نہ حال ہوتا ہے اور نہ مستقبل.....یہ تقدم زمانہ تک محدود نہیں رہتا ہے اور نہ ہی مکان تک بلکہ یہ تقدم ان تمام چیزوں کا احاطہ کرتا ہے جو زمانہ یا مکان میں پایا جاتا ہے خواہ ان چیزوں کا تعلق افراد ورجال سے ہو یا علوم وفنون سے یا پھر اس کا تعلق تہذیب وتمدن سے ہو.....جس طرح حال ماضی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح مستقبل حال کا محتاج ہوتا ہے.....بعینہ اسی طرح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارے اسلاف ہیں ہم ان کے محتاج ہیں اور جو افراد ہمارے بعد آئیں گے،، ہمارے محتاج ہونگے،، احتیاج وضرورت کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا کسی بھی دور میں اس طرح کے تسلسل کا ختم ہوجانا علمی، فکری، روحانی اور تہذیبی وراثت سے محروم ہونے کی دلیل وعلامت ہے....

گزشتہ سے پیوستہ ہونے کا نظریہ بدیہی بھی ہے اور نظری بھی.... بدیہی اس لئے ہے کہ ہر انسان جانتا ہے کوئی پہلے ہوتا ہے اور کوئی بعد میں آتا ہے جو بعد میں آتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے جو یہاں پہلے آچکا ہوتا ہے خود انسان اگر اپنے آپ پر غور کرے تو وہ خود ،،گزشتہ سے پیوستہ،، ہونے کا آئینہ دار ہوجائے پہلے شیر خوارگی کی منزل آتی ہے اس کے بعد طفولیت پھر شباب کی حالت ہوتی ہے اس کے بعد کہولیت کی منزل آتی ہے ان میں سے ہر بعد والی منزل پہلی والی منزل کی محتاج ہوتی ہے اور اس بات کو سبھی جانتے ہیں کوئی بھی فرد اس سے غافل نہیں.....اسی لئے میں اسے ،، بداہت،، سے تعبیر کررہا ہوں......اور یہ ،،نظریہ

،،فکر واستدلال پر مبنی ہے کیونکہ،، پیوستہ،، گزشتہ،، کا محتاج ہوتا ہے اس احتیاج کی کیا نوعیت ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس حیثیت کا تعین فکر واستدلال پر مبنی ہوتا ہے یہیں سے اس کے نظری ہونے کا پتہ چلتا ہے

حیاتِ انسانی اور اس کا انطباق

،،گزشتہ سے پیوستہ،، یہ اپنے اندر ایک ایسا مفہوم رکھتا ہے جو انسانی حیات سے نہ صرف قریب ہے بلکہ اس کی رگوں میں خوں بن کر جاری ہے اور پورے جسم میں دوڑ رہا ہے، حیات کا ہر ایک گوشہ اس سے روشن ہے، انفرادی زندگی میں بھی اس کی بہار پائی جاتی ہے اور انسان کی اجتماعی زندگی میں اس کی شوخیاں پائی جاتی ہیں، تعلیمی میدان میں اسے کافی اہمیت حاصل رہی ہے اور دانشوروں نے اس کی افادیت کو جانا اور سمجھا ہے میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کوئی بھی ماہر تعلیم اس وقت تک اپنی مذہبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ ،،گزشتہ سے پیوستہ،، پر عمل پیرا نہ ہو کیوں؟ اس لئے کہ جس قدر بھی علمی ذخائر ہیں وہ سب گزشتہ کی حیثیت رکھتے ہیں، مدرسین اور معلمین مثل حال ہیں اور پڑھنے والے طلباء مستقبل ہیں، اس وضاحت کے بعد بات کسی حد تک سمجھ میں آگئی ہوگی کہ ہمارے اساتذہ ماضی سے لیتے ہیں اور مستقبل کو دیتے ہیں.....تعلیم کا کام کیا ہوتا ہے؟ یہ سوال آپ جس انساں سے کریں گے وہی اس کا جواب دے دیگا... کسی کو بھی اس سوال کا جواب دینے میں دقت یا دشواری پیش نہیں آئیگی......تعلیم کا کام یہی تو ہے کہ بچوں میں جو صلاحیتیں پائی جاتی ہیں انہیں کرید کرید کر نمایاں کیا جائے......مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک طالب علم میں انجینئر بننے کی صلاحیت ہے تو تعلیم وتربیت اس کی اسی صلاحیت کو نمایاں کرتی ہے اور اسے ،،صلاحیت،، کے دائرہ سے نکال کر ،،فعلیت،، کی صورت میں پیش کردیتی ہے اس کے سوا تعلیم کا اور کیا کام ہے؟ اب یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچوں میں صلاحیت کہاں سے آتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں میں یہ صلاحیت صرف اور صرف ماضی سے

آتی ہے....... ماہرین نفسیات اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ بچوں میں جو صلاحیت پائی جاتی ہے وہ اسے وراثت میں ملتی ہے، یہ وراثت کیا ہوتی ہے؟ یہ ماضی ہی تو ہے یہ گزشتہ ہی تو ہے اس کے سوا اور کیا ہے؟ لہٰذا دلیل و برہان سے ثابت ہو چکا کہ ساری کہانی ماضی کی ہے اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے ماضی سے بیر نہیں رکھ سکتے ہیں اب اگر کسی کے دل میں ماضی سے بیر ہے بغض اور کدورت ہے اور اگر وہ اسی کدورت کے نتیجے میں ماضی پر تنقید کرتا ہے یا اس کا انکار کرتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے ماضی کی کوئی حیثیت نہیں ہے تو یہ اس کا وہم ہے جس کا کوئی بھی علاج نہیں ہے،، افلاطون اس کے علاج میں سرگرداں ہو کر مر گیا پھر بھی اس کی دوا نہ پا سکا .....تو اب اس دنیا میں کون ہے؟ جو اس کی دوا کرے گا.......اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ اس کی خود اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنے مرض کی تشخیص کرے اور اس کا علاج بھی کرے.....

مسلک اعلی حضرت اور اس کا انطباق

اب آیئے ہم اپنے مطلب کی بات کرتے ہیں کہ،، مسلک اعلی حضرت،، بھی گزشتہ سے پیوستہ،، کا آئینہ دار ہے اور،، بریلویت،، اسی کا مترادف ہے...... یہ اصطلاحیں کوئی آج کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ برسوں سے ان کا استعمال ہو رہا ہے ان کے حال پر نظر ڈالتے ہیں تو مجھے بہت زیادہ خوشی اور مسرت و شادمانی کا احساس ہوتا ہے کہ ان اصطلاحوں کے بولنے والے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں ان میں عوام بھی شامل ہیں اور خواص بھی وہ افراد ذی وقار بھی ہیں جن کا فرمایا ہوا مستند ہوا کرتا ہے ان میں ادارے بھی ہیں اور تنظیمیں بھی.....جب ان کا حال اس طرح خوبصورت ہے اور ان میں ایسی دلکشی جاذبیت اور رعنائی و شگفتگی پائی جاتی ہے کہ آدمی نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے دلوں کا میلان و رجحان ان کی جانب ہو جاتا ہے اس قبولیت کو کیا کہا جائے؟ کیا یہ ہماری یا آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے یا اس کے پیچھے کسی خزانے کا کرشمہ ہے؟ ہمارا یہ سوال ہر اس فرد سے ہے جو سنجیدہ دماغ

رکھتا ہے اور چشم کشا نظر.....ظاہر ہے ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے ہماری یا کسی کی انفرادی کوششوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ کہ ہم کسی کو شہرت کے آسمانوں تک پہونچا دیں اگر اس طرح کی کوششیں کامیاب ہوتیں تو نہ معلوم کتنے شہرت یافتہ ہو جاتے؟ اور ان کا بسیرا آسمانوں میں ہو جاتا.....چلئے، یہ تو غنیمت ہے کہ اس طرح کی کوششوں سے کچھ نہیں ہوتا ہے اب رہی بات خزانہ کی.....تو میں اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم غریبوں کے پاس نہ تو روپے ہیں اور نہ پیسے ہیں......خزانہ کی بات تو بہت دور کی ہے اس لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ،، مسلک اعلیحضرت،، کی اصطلاح کو آگے بڑھانے والا کوئی اور ہی ہے یہ تو صرف اس کے کرم کی بات ہے کہ وہ اپنے بندے کو نواز رہا ہے......نعمت پہ نعمت عطا کر رہا ہے اور اان کے چرچے کو گھر گھر پہونچا رہا ہے اور دلوں میں بسا رہا ہے.....یہ تو اس کے حال کی بات ہے جس کے حال کا یہ عالم ہو تو پھر اس کے ماضی کا باب کس قدر سنہرا ہوگا؟ کیون کہ حال کی بہتری ماضی کی بہتری پر دلالت کرتی ہے بلکہ میں یہ مانتا ہوں کہ ماضی حال سے کئی گنا بہتر ہوا کرتا ہے......ماضی کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا ہے ماضی اگر چہ کھنڈرات کی صورت میں دکھائی دیتا ہے اس کے باوجود ان کھنڈرات میں کتنے لعل و گوہر پوشیدہ ہیں اس بارے میں ہم اور آپ کیا بتا سکتے ہیں اس موقع پر مجھے غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ

سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی، کہ پنہاں ہوگئیں

غالب کا یہ شعر خوبصورت اور بہت ہی زیادہ خوبصورت ہے اس میں اس نے جہاں جمالیات سے کام لیا ہے وہیں اس نے فکر و استدلال سے بھی کام لیا ہے اور اس نے اپنے فکری عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ حال کے توسط سے ماضی کا اندازہ لگایا جاتا ہے......اس کی خوبصورتی سے ماضی کی خوبصورتی اور دلکشی و رعنائی کی طرف ذہنی سفر کیا جا سکتا ہے، غالب نے لالہ وگل کو دیکھا......اپنے ماتھے کی آنکھوں سے اس کے جمال و رعنائی، لطافت و نزاکت

اور پاکیزگی دیکھی اور اس کے سہارے ماضی کے صحراؤں میں قدم رکھا اور نہایت ہی گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ وہ حسین اور خوبصورت چہرے جو صحراؤں میں پنہاں ہیں انہیں میں سے کچھ چہرے،، لالہ وگل،، کی صورت میں نمایاں ہو گئے ہیں وہ کیسے چہرے ہیں جو خاک میں پنہاں ہو گئے ہیں .....فکر و استدلال کے اس زاویہ کو کہیں بھی سمایا جا سکتا ہے اس سے کہیں بھی کام لیا جا سکتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ حال سے ماضی کی طرف سفر،، فکر و استدلال،، کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا ہے.....

اس وقت ہمارا موضوع ''مسلک اعلی حضرت'' ہے اس کا حال کتنا خوبصورت ہے ؟ کس قدر جاذبِ نظر ہے؟ اس بارے میں بہت کچھ بتا دیا گیا ہے اور کچھ خوشگوار حالات کا آپ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں پھر بھی معلومات میں مزید اضافہ کے لئے عرض ہے کہ مسلک اعلی حضرت کے حوالہ سے،، ملت اسلامیہ،، کو بہت کچھ ملا ہے...... میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج ہمارا ایمان سلامت ہے ہم عشق ووفا کی داستاں سے آشنا ہیں اس کی وارفتگی کا ہم احساس کر رہے ہیں اور شوق دید میں مچل رہے ہیں اپنے دلوں میں جو جذب و کشش ہے ذہنوں میں جو طمانیت اور سکوں پایا جا رہا ہے یہ سب کس کی بدولت ہے؟ اگر مسلک اعلی حضرت ہمارے درمیاں نہ ہوتا تو آج ہم کھنڈرات اور صحراؤں میں زندگی بسر کر رہے ہوتے... ہم اپنے اندر روحانیت کی تازگی بھی محسوس کرتے ہیں معرفت ربانی سے ہمارے سینے مثل آئینہ صاف شفاف دکھائی دے رہے ہیں...... یہ بھی مسلک اعلی حضرت کا صدقہ ہے.....علم وفن فکر وشعور احساس وادراک کے میداں میں بھی ہم کسی سے کم نہیں ہیں وہ کیا چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے......تمام علوم وفنون کے خزینے ہم لئے بیٹھے ہیں علم تفسیر بھی ہمارے پاس ہے اور علم حدیث بھی، اسماء الرجال کے علم سے نہ صرف ہم آشنا ہیں بلکہ ہم اس میں درک تام بھی رکھتے ہیں اور فقہ واصول فقہ کے میدان میں تو ہمارا جواب نہیں اور ملکوں میں جن کاموں کو بڑے بڑے لوگ انجام دیتے ہیں ہمارے یہاں انہیں کاموں کو

وہ انجام دیتے ہیں جو ہمارے یہاں چھوٹے ہوتے ہیں ہمارے یہاں فقیہ ملت کی کمی نہیں ہے اور نہ ہی فتوی لکھنے والوں کی قلت ہے...... میں کہتا ہوں یہ بھی فیض ہے مسلکِ اعلی حضرت کا ......دوسرے علوم وفنون میں بھی ہمارے علماء کرام کی خدمات اور کارناموں کا جواب نہیں ہے...... ہر میدان میں کام ہو رہا ہے...... ہر صنف اور ہر نوع میں کام ہو رہا ہے...... نہ صرف کام ہو رہا ہے بلکہ اعلیٰ پیمانہ پر کام ہو رہا ہے......مسلک اعلی حضرت کے حوالہ سے جو تحقیقات ہو رہی ہیں جو ریسرچ ہو رہا ہے اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے خواہ یہ شاعری کے حوالہ سے ہو یا نثری ادب کے حوالہ سے ہو......سیرت کے حوالہ سے ہو یا فقہی خدمات کے حوالہ سے ہو......علم حدیث کے حوالہ سے ہو یا تفسیر قرآں کے حوالہ سے ہو...... بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ،، مسلک اعلی حضرت،، کے حوالہ سے ہو رہا ہے اس سے ثابت ہوا کہ،، مسلک اعلی حضرت،، کے وسیع دامن میں نہ صرف مسائل پائے جاتے ہیں بلکہ افراد ورجال بھی اس کے دامن میں سمائے ہوئے ہیں......ادارے اور تحریکات بھی اس کے دامن سے جڑے ہوئے ہیں .....انصاف سے کام لیجئے اور صحیح فیصلہ لینے کی عادت ڈالئے کہ ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کے فیوض و برکات کہاں نہیں ہیں ماضی میں،، اکابر اہلسنت،، کو جو القابات عطا کئے گئے یہ بھی تو،، مسلک اعلی حضرت،، کی دین ہیں...... بہت سی ایسی شخصیتیں بھی ہیں جو،، مسلک اعلی حضرت،، کی بدولت ہمارے دلوں میں بسی ہوئی ہیں اور اپنی خوشبوؤں سے ہمارے ذہنوں کو مہکا رہی ہیں آپ زیادہ دور مت جایئے اسی ملک ہندوستان میں،، دار العلوم اشرفیہ مبارک پور ہی کو لے لیجئے......کہ آج اس ادارہ کے فارغین ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر میدان میں پیش پیش ہیں ان کی علمی تاب و توانائی کا ایک زمانہ معترف ہے......ان حضرات نے اپنی تحریر وتقریر سے نہ جانے کتنے دلوں کو روشن کیا ہوگا نہ معلوم کتنے ذہنوں میں اپنے فکر وشعور کی چھاپ چھوڑے ہونگے ......مگر یہاں سوچنے کی بات یہ ہے انہیں یہ کرشماتی انداز کس سے ملا....؟ آسماں سے یا زمیں

سے یا پھر کہیں اور سے ....؟ انصاف کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ کرشماتی انداز بھی ،،مسلک اعلی حضرت،، کی راہ سے ملا ہے اگر اس کا وجود نہ ہوا ہوتا تو ان کی شخصیت بھی صحراؤں کی مانند سائیں سائیں کر رہی ہوتی اور کسی لطیف رخِ زیبا کے حسیں جلوؤں سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی ! تو دلوں میں شوقِ دید کی انگڑائی ....اور ذہنوں کی انگنائی میں لطیف احساسات و جذبات اور اس کے جمالیات کے رقص سے سابقہ نہ پڑا ہوتا......یہ وہ حقیقت ہے جسے ذہول ونسیاں کے بستہ میں نہیں ڈالا جاسکتا ہے کہ ایسا کرنا احسان فرموشی ہے فطرت کا تقاضہ ہے احسان کو احسان کی حیثیت سے دیکھا جائے......اس حیثیت کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا ہلاکت اور تباہی ہے اب آپ خود ہی سوچیں ،،مسلک اعلی حضرت،، کے جب ایک گوشہ کا یہ حال ہے تو پھر ان جیسے ہزاروں گوشوں کا کیا حال ہوگا ؟اس کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کرنا،، جوئے شیر،، جاری کرنے کے مترادف ہے......جن لوگوں نے ،،مسلک اعلی حضرت منظر پسِ منظر،، کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اس بات سے واقف ہونگے کہ دور حاضر میں اس وقت ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں ہزاروں ادارے ایسے ہیں جو،،مسلک اعلی حضرت،، سے منسلک ہیں بلکہ ان اداروں کے نام میں ،،مسلک اعلی حضرت،، کا نام جڑا ہوا ہے......جس سے ،،مسلک اعلی حضرت،، کی وسعت و پہنائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ......آپ کے سامنے ،،مسلک اعلی حضرت،، کے حوالہ سے جو تصویر پیش کی گئی یہ وہ تصویر ہے جو حقیقت سے تعلق رکھتی ہے اس کے خدوخال بھی نمایاں ہیں اس کے ذریعہ آپ اس کے پسِ منظر میں جاسکتے ہیں اور اس کے ماضی کی داستاں اور اس کے زندہ و تابندہ کرداروں کو دیکھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا ماضی کس قدر اچھا اور شاندار ہے اس کا بانکپن کیسا ہے ؟اب آیئے اور لگے ہاتھ اس کے ماضی کی طرف اپنا دھیان مبذول کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں کتنی معتبر آوازیں شامل ہیں

مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ماضی پر کچھ تحریر کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس

کے مبلغین کی فہرست میں ماضی کی ایسی شخصیات شامل رہی ہیں جن کے کردار و عمل خوب سے خوب تر رہے ہیں ان کے فکر و شعور اس قدر صاف شفاف رہے ہیں کہ ان پر چاند کی چاندنی ستاروں کے اجالے اور پھولوں کی لطافت بھی اپنی جاں چھڑکتے ہیں

مسلک اعلی حضرت....اور اس کا ماضی

مسلکِ اعلی حضرت میں شامل تمام آوازیں بڑی ہی معتبر اور مستند رہی ہیں ذیل میں انہیں آوازوں کی دلکشی واضح کی جارہی ہے

پہلی آواز حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کچھو چھہ شریف

میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے جس پر آج حنفیت ،شافعیت ،مالکیت ،اور حنبلیت ،قادریت ،چشتیت ، نقشبندیت ،مجددیت اور برکاتیت وغیر ہم سب سمندروں کا سنگم ہے

دوسری آواز مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

میں مسلک اعلی حضرت پر زندہ رہا اور مسلک اہلسنت وہی ہے جو مسلک اعلی حضرت ہے ،اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے الحمد للہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمد للہ ! آخری وقت اسی مسلک اعلیٰ حضرت،، پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ کے قدموں میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے

تیسری آواز فقیہ اعظم ہند مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی

بشیر مجھ سے مصافحہ کرلو اب میں جانے والا ہوں اور میری تمہارے لئے دعا ہے دیکھو! تمہارے والد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور تمہارے تایا حضرت مولانا عبد اللہ قادری رضوی اور میں عمر بھر اعلیٰ حضرت بریلی شریف والے کے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے تم بھی اسی (مسلک اعلی حضرت) پر قائم رہنا اللہ تمہاری مدد فرمائیگا

چوتھی آواز امام العلماء مولانا امام الدین کوٹلوی پاکستان

میں تمام مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں ۔کہ بریلی شریف کے تاجدار اعلیٰ حضرت امام

اہلسنت علامہ فقیہ مفتی محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو مسلک ہے مسلمانوں اسی مسلک کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ اور اسی پر قائم رہنا

پانچویں آواز حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت

جو ان کا مسلک وہی میرا مسلک ہے جو شخص ان کا نہیں وہ میرا نہیں

چھٹی آواز حضرت شاہ جی میاں محمد شیر خاں نقشبندی

مذہب حقہ مذہب اہلسنت جس کا معیار اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کی تصانیف ہیں یہی مسلک میرے قبلۂ عالم کا تھا اور یہی مسلک حضرات پیرانِ عظامِ سلسلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور اسی کا میں پابند ہوں

ساتویں آواز سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف

امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہیں ان کا مسلک مذہب اہل سنت وجماعت ہے

آٹھویں آواز محدث اعظم پاکستان حضرت محمد سردار احمد

تعجب ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا فتویٰ ہوتے ہوئے فقیر سے استفسار کیا جارہا ہے فقیر اور فقیر کے آباؤ اجداد کا وہی مسلک ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے

نویں آواز غزالئ دوراں حضرت علامہ سید شاہ احمد سعید کاظمی امروہوی

مسلک اعلیٰ حضرت واقعۃً مسلک اہل سنت وجماعت کا نام ہے اور اس دور میں مذہب حق واہل حق کی پہچان ہے

یہ آوازیں ان افراد ذی وقار کی ہیں جو سچ بولتے تھے...... سچ کر کے دکھاتے تھے اور سچی باتیں ہی سنا کرتے تھے اور نہ ہی کسی بڑے چہرے سے ڈرتے تھے...... کسی کے علم وفن سے

مرعوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا حالانکہ اب اس دنیا میں یہ افراد نہیں ہیں بلکہ ماضی کا ایک حصہ بن چکے ہیں مگر ان کی آوازیں آج بھی چراغ راہ کا کام دے رہی ہیں......انہیں آوازوں نے اپنے اپنے دور میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ ہدایت دکھائی اور ان کے لئے حیات کی صحیح سمتوں کا تعین کیا......اس دور میں جہاں بھی اضطراب ہوا کرتا تھا زیست کے جس گوشے میں بھی غیر طبعی حالات نمایاں ہوا کرتے تھے اور ذہن وفکر میں جب بھی بے قراری کی کیفیت نمود پاتی تھی تو یہی آوازیں ان کے مضطرب دلوں پر مرہم تسکین رکھا کرتی تھیں اس لئے ان کی یہ آواز ان کے عہد کی ترجمان ثابت ہوئی ہیں...... ماضی کی یہی نمائندہ آوازیں حال اور مستقبل میں رہِ حیات کے خطوط متعین کرتی ہیں..... میری یہ بات کوئی افسانہ نہیں جسے بآسانی نظر انداز کر دی جائے اور نہ ہی ،،مافوق الفطرت،، کوئی شئی ہے جو لائق التفات نہ ہو بلکہ یہ ایک زمینی حقیقت ہے جسے نظر انداز کرنا ،،دانشوری کی روایت،، سے کوسوں دور ہے کیا دور حاضر میں ان کی یہ آواز لائق التفات ہے یا نہیں ہے ؟ اس بارے میں، میں کیا بتاؤں؟ اس کا فیصلہ آپ اپنے دل سے کیجئے

ماضی بہر حال ماضی ہے اس میں پائے جانے والے خطوط کل بھی تابندہ تھے اور آج بھی درخشاں ہیں ان سے نور وضیا کا اکتساب کرنا اور بے آب وگیاہ صحراؤں سے پھولوں کا چننا سب کے بس کی بات نہیں ہے یہ قوت بھی ہر ایک کو نہیں ملی ہے یہ اسی کو ملتی ہے جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے اور اس کے محبوب بندوں کی عنایات ہوتی ہیں سائنس کی کرشمہ سازیوں میں جو افراد محبوس ہیں اور جدید ادوار کی ،،بھول بھلیوں،، میں گھرے پڑے ہیں......ان کی نظر ماضی پر کب ہوتی ہے؟ وہ تو کہیں اور دیکھا کرتے ہیں ان کی سوچیں کہیں اور گم ہوا کرتی ہیں؟ حا ل کے دلدل میں بھی اگر کوئی ہماری نمائندگی کرتا ہے تو کوئی اور نہیں بلکہ وہی نمائندگی کرتا ہے جس نے سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی روایات کے احیاء میں ہماری رہنمائی کی ہے امام اہل سنت وجماعت سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں کہ

ان کے غلاموں کا نقش قدم ہے راہِ حیات
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ماضی میں پائے جانے والی آوازوں کو،،راہِ نجات،، سے تعبیر کی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان آوازوں کو کسی بھی صورت میں نظر انداز کرنا اور ان آوازوں سے رخ پھیر لینا حیات کی صاف شفاف شاہراہ سے بھٹک جانے کے مترادف ہے......خواہ اس حیات کا تعلق سیاست سے ہو یا سماجیات سے...... معاشیات سے ہو یا اقتصادیات سے......تہذیبیات سے ہو یا مذہبیات سے......غرض کہ حال میں زندگی بسر کرنے والے سبھی افراد خواہ اس کا تعلق کسی بھی گوشۂ حیات سے ہو انہیں ماضی اور اس کی پہنائیوں میں پائی جانے والی قوس وقزح کی رنگینیوں ،اس کی لطافتوں اور نزاکتوں سے ہر حال میں استفادہ کرنا چاہئیے کہ کامیاب زندگی کا راز اسی میں مضمر ہے اس باب میں میں نے،،گزشتہ سے پیوستہ،، کی بات کہی ہے اور اس باب کے تعلق سے میں نے جو گفتگو کی ہے وہ اصولی انداز کی گفتگو ہے......ضرورت ہے کہ اس کا مطالعہ نہایت ہی غور وفکر سے کیا جائے متانت ،دیانت اور سنجیدگی کے ماحول میں کیا جائے تا کہ اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جاسکے اور گزشتہ سے پیوستہ کی ضرورت وحاجت سمجھ میں آسکے......اس میں کیا افادیت ہے؟ اس کے اثرات کس قدر خوبصورت اور بہتر ومناسب ہوتے ہیں؟ اس کی جانکاری بآسانی ہو سکے ......اس باب سے رخصت لینے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ماضی کا ایک اور خوشگوار پہلو ہے جس کی جلوہ نمائی سے ذہن وفکر،شعور ادراک اور دوسری قسم کے امور بھی درخشاں ہو جاتے ہیں

.اللہ پاک آپ کو فیصلہ کرنے کی طاقت وتوانائی عطا کرے

بابِ دوم

ماضی کا ایک خوشگوار پہلو

☆..........آل انڈیا سنی کانفرنس

☆..........اہمیت وافادیت اور تاریخی پسِ منظر

☆..........صدرالافاضل کا تاریخی کارنامہ

☆..........دستوراساسی آل انڈیا سنی کانفرنس اور مسلک اعلی حضرت

☆..........سنی کی تعریف

☆..........دور حاضر میں سنی کی تعریف

☆..........مسلک اعلی حضرت کی جامعیت

آل انڈیا سنی کانفرنس

آل انڈیا سنی کانفرنس..... یہ ایک تنظیم اور تحریک تھی یہ وجود میں کیوں آئی اور اس تنظیم کے بنانے کا کیا مقصد تھا ؟ اس کی ضرورت کس لئے محسوس ہوئی ؟ ان تمام سوالوں کے جوابات تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوجاتے ہیں اگر اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی جائے تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے اور یہ اس کا موقعہ نہیں اس بارے میں ،،حضرت مولانا جلال الدین صاحب قادری،، کی ایک مستقل کتاب بنام ،،تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس،، موجود ہے جو ۱۹۹۹ء میں لکھی گئی ہے...... تفصیلی معلومات کے لئے اسی کتاب کا مطالعہ فرمائیں اس مقام پر مجھے اس تنظیم سے متعلق چند پہلوؤں پر گفتگو کرنی ہے

اہمیت وافادیت اور تاریخی پس منظر

اس سے قبل کہ میں ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے متعلق کچھ تحریر کروں یہ بتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ کب قائم ہوئی اور اس کا بانی کون ہے؟ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا وصال شریف سن ۱۹۲۱ء میں ہوا اور ۱۹۲۵ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور اس کے قائم کرنے والے

ہماری جماعت اہل سنت و جماعت کی عظیم شخصیت حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ کی شخصیت ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت تھی اور انفرادی حیثیت کی مالک تھی ہماری جماعت میں آپ کا تشخص ،،صدرالافاضل،، کے لقب سے کیا جاتا ہے آپ ایک مردِ مجاہد اور بطل جلیل تھے دین اسلام اور مذہب اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے آپ نے ہر ممکن کوشش کی ایک ایسے دور میں جب اسلام وسنیت پر چاروں طرف سے خطرات کے بادل منڈلا رہے تھے اور دین اسلام کے دشمن مسلمانوں کو سرزمین ہند سے مٹا دینے کے درپے تھے اور تحریک شدھی چلا کر مسلمانوں کا شدھی کرن کر رہے تھے اس وقت آپ نے اور آپ کے رفقائے کار نے ،،جماعت رضائے مصطفیٰ،، کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے ہر اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں آپ کی ضرورت پڑی.... اس سلسلے میں آپ نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں.... خطروں سے نبرد آزما ہوئے ..... تیروسناں کا بھی مقابلہ کیا اور زادراہ کی قطعی فکر نہ کی...... صحافت کے میدان میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے علمی، فنی، تہذیبی خدمات انجام دیئے ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،، کا قیام بھی آپ کی شخصیت کا روشن باب ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ اہل سنت وجماعت کے علماء اور مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر لانا چاہتے تھے اور آپس میں اتحاد واتفاق کی فضا ہموار کرنا چاہتے تھے اس اتحاد واتفاق کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ

الف ..... تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک عدم تعاون نیز غیروں کی مداخلت کے سبب ہماری جماعت کے بہت سے علماء اور دانشور حضرات نظریاتی طور پر انتشار کے شکار ہوگئے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف تحریر اور تقریر بھی کر رہے تھے...... اس طرح سے ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہوچکا تھا...... غیروں نے بھی آگ لگائی ایسی کہ ہم دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے اور دشمن کو دوست..... اس لئے ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،، کی ضرورت محسوس ہوئی

(ب)..... ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے پورے ہندوستان میں باطل فرقوں کے

ساتھ دوستی ،مصالحت ،اورموالات کی راہ ہموار کی جارہی تھی اور سیدھے سادے مسلمانوں کو ان سے قریب لانے کے لئے زبردست کوششیں کی جارہی تھیں......جس کے نتیجے میں ،،صلح کلیت ،،فروغ پارہی تھی اوراسلامی تہذیب وتمدن کے رگ وپے میں وہ جرثومہ سرایت کررہا تھا جورفتہ رفتہ جسم وجاں کو ہلکان کردیتا ہے...... بایں سبب اس کا تدارک ایک امرضروری ہو گیا تھا کہ اگراسے اسی حال پر چھوڑ دیا جاتا تو نہ جانے حالات کہاں سے کہاں پہونچ جاتے ؟اورسماج ومعاشرہ کس طرح کے اضطراب کا شکار ہوجاتا ؟اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے...... بادسموم کے یہ جھونکے ہرطرف پہونچے خواص بھی اس سے جھلس گئے اورعوام بھی اہل خانقاہ بھی بھٹک گئے اورارباب ذوق وشوق بھی......جب کہیں درد ہوتا ہے ٹیس اٹھتی ہے تو اس کے مداوا کے لئے اورعلاج ومعالجہ کے لئے کوئی نہ کوئی کمر بستہ ضرور ہوتا ہے

(ج)......مذکورہ دونوں قسم کے حالات میں ملت کی شیرازہ بندی کا بکھر جانا ایک لازمی امر تھا اوردلوں میں پھوٹ پڑ جانا اسی کا لازمہ تھا ایسی حالت میں کون کس کے ساتھ ہے ؟کس کے دل میں کیا ہے؟ کس کا ذہن کس طرف چل رہا ہے کس کی سوچ کیا ہے؟ یہ تمام چیزیں مضمرات میں سے تھیں اورسربستہ راز تھیں کوئی کھل کرسامنے نہیں آرہا تھا ایسے بگڑتے ماحول اورسونامی لہروں میں ڈولتے ہوئے اورڈوبتے ہوئے سفینوں کو جو سنبھال لے اسی کو قائد کہا جاتا ہے......وہی قوم وملت کا مسیحا ہوتا ہے اوردل دریا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو قائد کہے یا کہلوائے وہ قائد نہیں ہوتا ہے صحیح معنی میں قائد وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو قائد نہیں بلکہ قوم کا خادم تصور کرتا ہے اس طرح کے جھوٹے دعوے وہی کرتا ہے جو قیادت کے مفہوم سے واقف نہیں ہوتا ہے......اس پسِ منظر کو اپنے پیشِ نظر رکھیں اورغور کریں کہ ان حالات میں ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،،کے قیام کی کتنی ضرورت واہمیت تھی؟اورکس قدر اس کی افادیت تھی؟

حضرت صدرالافاضل حیات وخدمات

لوگ کہتے ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قوم وملت اور جماعت

اہلسنت کو زبردست علمی ذخائر دیئے ،کتابیں ،رسائل اورفتاوی عطا کئے......مخالفین اورباطل فرقوں سے لڑنے کے لئے قیمتی اثاثوں سے نوازا،مگر افراداوررجال نہیں دیئے میداں میں اتر کردشمنوں سے مقابلہ کرنے کیلئے سپاہی نہیں دیئے......یہ بات کسی غیر نے نہیں بلکہ اپنوں نے کہی ہے......ہمیں ان کے اس طرح کے کہنے پر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے یہ بات کس بنیاد کہی ہے......؟اس میں کوئی سچائی نہیں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف افراد دیئے ہیں بلکہ افراد کے ساتھ ساتھ افراد سازی کے اصول بھی دیئے ہیں حضرت ،،صدرالافاضل،،اس عظیم شخصیت کا نام ہے جو اپنے دور میں منفرد اور یگانہ تھے......اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے وصال کے بعد اس جماعت کی قیادت اوررہنمائی کی بات تھی کہ اس کی باگ وڈور کس کے ہاتھ ہوگی؟اوراسے ایک پلیٹ فارم پر کون جمع کرے گا ؟اس ضرورت کو اگر کسی نے پورا کیا!تو وہ کوئی اور نہ تھا......بلکہ اسی عظیم شخصیت کا نام حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین ہے جو،،فخرالاماثل،،بھی ہے اور،،صدرالافاضل،،بھی ہے......اس بات میں کسی کو کوئی تردد نہیں ہے کہ آپ کی حیات ایک روشن حیات تھی آپ کی زندگی صاف ستھری اورباوقار وباکمال تھی زہد واتقا اورصبر وقناعت نیز اپنی ذاتی منفعت سے اوپر اٹھ کر کام کرنے کا حوصلہ آپ کی ذات وشخصیت میں پایا جاتا تھا......علم وفن اورفکر وشعور نیز عقلیات سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا جہاں جس چیز کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے اسے انجام دیا آپ نے کتابیں بھی لکھیں ،مناظرے بھی کئے......باطل فرقوں کے رد میں مضامین اور مقالات بھی تحریر کئے......سیاست وتدبر کے میدان میں آئے تو آپ نے اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا......ترجمہ کنزالایمان پر آج بھی آپ کی تفسیر،،خزائن العرفان،،کے نام سے شائع ہے یہ تفسیر مختصر سہی مگر بہت ہی زیادہ جامع اور مانع ہے اس کے مطالعہ سے دلوں کو سیری نصیب ہوتی ہے اختصار میں جو جامعیت یہاں دیکھنے کو ملتی ہے اس کی دوسری مثال آنکھوں نے اب تک نہیں دیکھا ہے......یہ ایک بہت بڑا کمال ہے کہ موقع ومحل کے اعتبار سے سیر

حاصل گفتگو کی جائے ...... یہ خوبی ہر کسی کو نہیں ملتی ہے...... ہاں! مگر ہاں! یہ خوبی حضرت صدرالافاضل کی شخصیت میں پائی جاتی تھی...... یوں تو آپ کی حیات اور علمی خدمات کے کارنامے شرح وبسط کا اقتضا کرتے ہیں....لیکن اس مقام پر ہم تفصیل سے بات نہیں کر سکتے ہیں اس لئے چند باتیں ضمنی طور پر پیش کر دی گئی ہیں ......اس وقت مجھے صرف اور صرف ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے تعلق سے بات کرنی ہے حضرت صدرالافاضل کا یہ بھی ایک ایسا انوکھا کارنامہ ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی افادیت برقرار رہے گی اور اس جماعت حقہ سے تعلق رکھنے والے ان کی شخصیت کو سلام کرتے رہیں گے اور ان کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے ......حضور صدرالافاضل نے اس کی داغ بیل ڈال کر اپنی جس علمی فکری، ملی، سیاسی، اور تہذیبی بصیرت وقیادت کا اشارہ دیا ہے......اس پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں اس پر حیرت ہوتی ہے اور ہم بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپ کی کیسی ذات وشخصیت تھی کہ اب آپ جیسی شخصیت کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ترستی ہیں.....وہ ایسے امیر کارواں تھے کہ آج بھی ان کی قیادت مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے انہوں نے ہمارے مستقبل کی تابناکی کے لئے بہت کچھ کیا ہے.....دعا ہے پروردگار عالم ان کی قبر انور پر رحمتوں کے پھول برسائے.....آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دستواساسی اور مسلک اعلیٰ حضرت

آل انڈیا سنی کانفرنس،، کا قیام عمل میں آچکا ہے اب اس کے ڈھانچے کو پروان چڑھانے کی بات ہے......اسے کس طرح آگے بڑھایا جائے؟ اس کے لئے کون سی صورت اپنائی جائے جس سے تنظیمی ڈھانچے کو فائدہ پہونچے اور پورے غیر منقسم ہندوستان میں پھیلے ہوئے علماء ومشائخ کو کسی ایک ،،نقطہ،، پر متحد کیا جائے .....اس کے لئے اگر کسی چیز کی ضرورت تھی؟ تو وہ ،،دستور اساسی،، کی ضرورت تھی جب ،،دستور اسای،، کی تشکیل کرنے والے جذباتی اور ادھ پکی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا

دستور کیسا ہوتا ہوگا؟ یہ بتانے کی نہیں بلکہ محسوس کرنے کی بات ہے قربان جایئے حضرت صدرالافاضل کی گہری بصیرت پر اور ان کی گہری قیادت پر کہ انہوں نے سب سے پہلے ،،سنی،، کی تعریف کی اور قوم وملت کو بتایا کہ صحیح سنی کون ہے؟

سنی کی تعریف

آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے دستور اساسی میں سنی کی تعریف یوں کی گئی ہے

> سنی وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین خلفائے اسلام اور مسلم مشائخ طریقت، اور متأخرین علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء، سند الفضلاء، بحر العلماء صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی، واعلیٰ حضرت مولانا فضل رسول بدایونی حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین رامپوری واعلی حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدست اسرارہم کے مسلک پر ہو۔ (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس)

حضرت صدرالافاضل کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ،، سنی وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی پر عمل پیرا ہو چونکہ ہندوستان میں جس قدر باطل فرقے ہیں ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ،، ما انا علیہ واصحابی،، پر صرف اور صرف وہی ہے اس لئے اس کے اس،، دعوی،، کو خارج کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ یہ قید لگائی جائے کہ،، یہ وہ لوگ ہیں جو متأخرین علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء حضرت مولانا فضل حق ومولانا فضل رسول ومولانا ارشاد حسین اور مولانا شاہ احمد رضا خاں کے مسلک پر ہو،، ان کے مسلک سے جو بھی ہٹا ہوا ہے وہ سنی نہیں ہے اس بات میں کسی شک وتردد کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت صدرالافاضل نے جو فرمایا وہ حق اور درست ہے نہایت ہی جامع اور مانع ہے......سنی کی اس سے بہتر تعریف اور کوئی تعریف نہیں ہوسکتی ہے......اس تعریف سے اس بات کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے کہ

اس تعریف میں جن علماء کرام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی جانب ،،مسلک،، کی نسبت ان کے دور میں ،،اہل سنت و جماعت،، کی شناخت اور پہچان تھی اور اس دور کے ارباب فکر کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ غیروں سے خود کو ممتاز کرنے کیلئے ،،مسلک فرنگ محلی،،مسلک فضل حق،،مسلک فضلِ رسول،،مسلک ارشاد حسین اور مسلک اعلی حضرت ،،کہہ سکتے ہیں اور اس تعریف سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ ،،سنی،، کی تعریف میں ،،ما انا علیہ واصحابی،،جنس،، کی حیثیت رکھتا ہے اور متأخرین علمائے دین کی طرف مسلک کی نسبت ،،فصل،، کی حیثیت رکھتی ہے اور جس تعریف میں ،،جنس و فصل،، پائے جائیں وہ تعریف جامع بھی ہوتی ہے اور مانع بھی ہوتی ہے......اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کوئی بھی تعریف صرف ایک جنس اور ایک فصل سے مکمل ہو جاتی ہے اور جب کئی ،،فصول،، لائے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک فصل امتیاز کے لئے کافی نہیں ہے اسی لئے دوسری فصل کی ضرورت محسوس ہوئی دوسری بھی کافی نہیں تو تیسری فصل کی ضرورت پڑی اور تیسری بھی کافی نہ ہو تو ،،فصل چہارم،، کی حاجت ہوگی اور اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دور میں ،،فصل اول،، کافی ہے اور دوسرے دور میں ،،فصل دوم،، کافی ہے اور تیسرے دور میں ،،تیسری فصل،، کافی ہے جو افراد فکر و دانش سے ادنی سا بھی تعلق رکھتے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں کہ جب کسی تعریف میں ،،سلسلہ وار فصول،، لائی جاتی ہیں تو ان میں سے ہر ایک ،،فصل،، میں ماسبق فصل کی تمام تر امتیازی قوت پائی جاتی ہے ایسی صورت میں غیروں سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے اس دور کی ہی ،،فصل،، کافی ہے.........آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے پلیٹ فارم سے ،،سنی،، ہونے کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی منشاء اور مقتضی بھی یہی ہے اس کے باوجود حضرت صدرالافاضل نے امام اہل سنت کے مسلک کے علاوہ حضرت ملک العلماء /حضرت فضل حق /حضرت سیف اللہ المسلول اور حضرت مفتی ارشاد حسین کے مسالیک کا ذکر کرکے اس کی جوازی حیثیت کا تعین فرمادیا.....میں کہتا ہوں

کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک میں مذکورہ بزرگوں کے تمام مسالک، مضامین اور اس کے آثار وعکوس پائے جاتے ہیں اس بنیاد پر اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک کا ذکر کرنا بعینہ ان کے مسالک کا ذکر کرنا ہے کہ ان کا مسلک ایک مہاساگر ہے جس سے بہت سے ساگر ملتے ہیں اسی لئے حضور علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ ،،ان کا مسلک سب سمندروں کا سنگم ہے،، سنی کی یہ تعریف فی نفسہ درست اور صداقت پر مبنی ہے اس تعریف کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کم سے کم الفاظ لائے جائیں کہ تعریف کو اختصار سے طبعی مناسبت ہوتی ہے...... دور حاضر میں کچھ لوگ ،،مسلک اعلی حضرت کا انکار کررہے ہیں اس سے ان کا منشاء یہ ہے کہ حضرت صدرالافاضل نے سنی کی جو تعریف کی ہے اسے غلط قرار دے دیا جائے اسی لئے انہوں نے مسلک اعلی حضرت کا انکار کیا......

دور حاضر میں ،،سنی،، کی تعریف

حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے سنی کی جو تعریف کی ہے اس کے مطالعہ کرنے اور اس کے تمام مضمرات پر فکری اور تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد، میں اس منزل پر پہونچا کہ اس دور میں ''سنی'' کی تعریف اس طرح کی جائے کہ ''سنی'' وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی پر ہو۔۔ دور حاضر میں یہ وہ لوگ ہیں جو اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک پر عمل پیرا ہو.....سنی کی تعریف میں امام احمد رضا کے مسلک کا ذکر کرنا واجبی حیثیت رکھتا ہے بس اسی تعریف سے ہم اہل سنت دوسرے تمام باطل فرقوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں غیروں سے امتیاز کرنے کے لئے اب کسی اور کے مسلک کا ذکر کرنا کوئی ضروری نہیں ...... ہاں! اگر کوئی ذکر کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کے ذکر کا جواز حاصل ہے ہم کسی کو اس کے ذکر کرنے سے منع نہیں کرتے ہیں ......۱۹۲۵ء سے اب تک جس قدر علماء مشائخ اور ارباب فکر گزرے ہیں ان تمامی حضرات کی تحریروں اور تأثرات سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ وہ حضرات بھی ،،سنی،، کی

تعریف میں ،،مسلک اعلی حضرت،،کو،،جامع الفصول،،مانتے ہیں تو پھر اس کے ہوتے ہوئے کسی اور فصل کی ضرورت نہیں اس کے باوجود حضرت صدرالافاضل نے مذکور بالا اکابر اور مشائخ کا ذکر کیا ہے......تو ظاہر ہے یہ ذکر صرف اور صرف بیان جواز کے لئے ہے اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں تھا...... یہ تحریر کرتے وقت مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اس سے بہترے افراد کی پیشانیاں شکن آلود ہونگی اور کتنے ایسے بھی ہونگے کہ اسے پڑھ کر ان کے تیور بدل جائیں گے ایسے ہی افراد سے میری گزارش ہے تیوری چڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی غصہ کی حالت میں اپنی آنکھوں سے شعلے برسانے سے کچھ حاصل ہوگا......فائدہ صرف اس بات میں ہے کہ آپ آئیں اور متانت وسنجیدگی سے مطالعہ کریں اس کے مضمرات پر غور کریں اگر اس میں کسی طرح کی کوئی خامی نظر آتی ہے تو آپ مجھے اس کی اطلاع دیں اور اپنے زریں مشوروں سے نوازیں ہم تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہونگے ......میں ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی سستی کاہلی اور کسی سے مرعوب ہوکر اپنی شاہراہ حیات بدل دیتے ہیں اور پھر للچائی ہوئی نظروں سے کسی اور طرف دیکھتے ہیں .....میں کسی کو چیلنج کرنے کا عادی نہیں اور نہ میرا یہ شیوہ ہے کہ میں ایسی تنقید کروں جس سے کسی کی شخصیت مجروح ہو جائے...... اگر آپ کے پاس انصاف ہے فکر و دانش ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے تو پھر مجھے یہی امید ہے کہ آپ وہی سوچیں گے جو اصل حقیقت پر مبنی ہے ..... مسلک اعلی حضرت کے حوالہ سے میں نے سنی کی جو تعریف کی ہے اس میں اور صدرالافاضل کی تعریف میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ ہی یہ تعریف صدرالافاضل کی تعریف کی مخالف ہے یہ ایک ضمنی بات تھی جسے میں نے آپ کے روبرو پیش کردی ہے اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے ......اب دیکھنا یہ ہے کہ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،،کی تحریک میں کتنے افراد عالی وقار شامل تھے اور یہ کیسے کیسے عظیم افراد تھے؟ سبحان اللہ، ماشاءاللہ! میں اس بارے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ وہ افراد تھے جن کے پاؤں کی ٹھوکر سے کتنوں کا نصیبہ بیدار ہو جاتا تھا اور ان

کی سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھتی تھی......اس سے کتنے اور کیسے افراد جڑے ہوئے تھے ان کا پتہ لگانا بھی ضروری ہے تاکہ ان کی یہ آواز معتبر آواز ثابت ہو جائے......آیئے ایک بار پھر ہم ان کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں یعنی جہاں سے چلے تھے پھر وہیں آتے ہیں اگر اس مضمون میں شان زیبائی کے خلاف کوئی لفظ استعمال ہو جائے تو اسے دامن عفو میں جگہ عطا فرمائیں یہ آپ کا کرم اور نوازش ہوگی.....

مسلک اعلی حضرت کی جامعیت

آل انڈیا سنی کانفرنس....کے پلیٹ فارم سے،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کے روپ میں جو آواز بلند ہوئی اگرچہ یہ آواز اجمالی طور پر بلند ہوئی مگر یہ کسی شخص واحد کی آواز نہ تھی بلکہ پوری ایک جماعت کی آواز تھی جس میں غیر منقسم ہندوستان کے ایسے افراد شامل تھے جو خود اپنی جگہ ایک انجمن تھے اور ایک جماعت کی حیثیت رکھتے تھے......ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ ایک فرد واحد کی آواز تھی یعنی صرف حضرت صدرالافاضل کی آواز تھی میں اس بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو آواز،،دستور اساسی میں شامل ہو ہم اس آواز کو ایک فرد کی آواز نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کہنا دن کے اجالے اور چڑھتے سورج کا انکار کرنا ہوگا اس تنظیم میں کیسے افراد شامل تھے؟ اب آیئے اسے دیکھتے ہیں

> آل انڈیا سنی کانفرنس میں کون لوگ شامل تھے اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے،،یہ تاریخ کا تسلسل ہے کہ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،،کے علماء مشائخ رہنما اور کارکن وغیرہ امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ، مریدین، متعلقین، اور متوسلین میں شامل ہیں اس طرح ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،،راسخ العقیدہ سنی مسلمانوں کی تنظیم بنی ۱۹۲۵ء میں مرادآباد میں ،،آل انڈیا سنی کانفرنس،،کا پہلا اجلاس ہوا ...... ۱۹۴۵ء تک ملک بھر میں اس کے چند ہی مرکزی سطح پر اجلاس ہوئے

یوں کہہ لیجئے کہ اس عرصہ میں،،سنی کانفرنس،، کے رہنما حضرات نے
جمہوری مسلمان کی تعلیم، معاشیات، معیشت، روحانیت اور پیش آنے
والے، سیاسی معاملات، میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں
(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۱۵/۱۹۹۹ء)

اس سے بآسانی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس تنظیم میں کیسی کیسی عظیم شخصیتیں شامل تھیں؟ ان کی سیرت پاکیزہ، ان کی شخصیت پاکیزہ، ان کے فکر وفن پاکیزہ، ان کی تحریر بھی پاکیزہ تھی اور تقریر بھی..... یہ ایسے لوگ تھے جن کی شخصیت جامع تھی اور گوناگوں کمالات اور خوبیوں کی مالک تھی آل انڈیا سنی کانفرنس کے رکن کی حیثیت سے اس کے دستور اساسی پر انہیں پورا یقین اور اعتماد تھا...... اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ،،مسلک اعلی حضرت،، میں ان کی بھی آوازیں شامل تھیں اور ان کا پسندیدہ مسلک بھی یہی،،مسلک اعلی حضرت،، تھا اس مسلک پر خود انہوں نے بھی عمل کیا اور اپنے اپنے حلقۂ ارادت میں بھی اسے رائج کیا اپنے مریدین و متوسلین کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی..... یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی تنظیم خلوص و للٰہیت، نیک اور حسین جذبوں کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے تو وہ فروغ پاتی ہے ارتقائی منزلوں سے ہم کنار ہوتی ہے خوشبوؤں کی مانند ہر چہار جانب اس کی شہرت پھیل جاتی ہے اس کے بعد ہی تائیدات کا ایک طومار بندھ جاتا ہے اور پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے کارواں بنتا گیا

اس سلسلے میں، میں،،امتیاز اہلسنت،، سے ایک اقتباس پیش کر دینا چاہتا ہوں اس درخواست کے ساتھ کہ اس کا مطالعہ کریں اور نہایت ہی سنجیدگی سے اس پر غور کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ،،مسلک اعلی حضرت،، میں کس قدر کشش پائی جاتی ہے؟ کہ لوگ اس کی جانب کشاں کشاں آتے چلے گئے ملاحظہ کیجئے حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

تحریر کرتے ہیں

مذکورہ شواہد سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۹۲۵ء ہی میں مسلک اعلی حضرت کو غیر منقسم ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ کے اتفاق سے دستوری حیثیت دے دی گئی تھی.... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے سے پہلے اس کے دستور سے اتفاق کرنا ہوتا ہے حاصل شدہ رجسٹر کے حساب سے،،آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے ممبران علماء مشائخ کی تعداد ۲۲/ ہزار بتائی گئی ہے... اس سلسلے میں، ہفت روزہ سکندری رامپور،، کی ذیل میں ایک رپورٹ مطالعہ کریں ہمالہ سے راس کماری تک اور آسام سے سرحد تک بائس ہزار سے زائد علمائے دین، مشائخ، اور سجادہ نشیں حضرات،، آل انڈیا سنی کانفرنس،، کے سبز گنبد والے نورانی پرچم کے نیچے جمع ہو کر اس جماعت کے رکن بن چکے ہیں اور ملک کے سارے برادران اہلسنت رضا کارانہ طور پر کثیر تعداد میں شریک ہو چکے ہیں اور اس کی، صوبائی، ضلعی، وقصباتی ہزاروں کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں چونکہ، ملت اسلامیہ، کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی اور تنظیم اہلسنت اس کا مقصد تام ہے اس لئے ہم نہایت مسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ تمام ہند میں اس آفتاب عالم تاب کی شعائیں پھیل گئیں ہیں اور ہر جگہ اس کا انعقاد ہونے لگا ہے اخبارات ہمیں بتاتے ہیں کہ جس سرعت سے اس جمعیت عالیہ نے مسلمانوں کو اپنے دامن میں لے لیا وہ حقانیت کی دلیل بین ہے

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص۱۰۴/)

ان شواہد کو پڑھیئے اور غور کیجئیے کہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک کسی بھی تنظیم میں ۲۲ر ہزار علماء و مشائخ کی شرکت اور اسکے دستور اساسی پر اتفاق کرنا کسی ،، قسری قوت ،، اور کسی جبر و داب کے سبب نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ ،، پڑھائے پتر دربار نہیں جاتے ،، بلکہ اس کے پیچھے کچھ اچھے اور خوشگوار جذبات ہیں یا پھر کچھ ایسی جمالیاتی کشش ہے جس کی وجہ سے ہر خطہ کے علماء و مشائخ اور ارباب فکر و دانش اس کے دستور اساسی پر تسبیح کے دانوں کی مانند جڑے ہوئے ہیں یہ دستور اساسی کیا ہے؟ اس کا آپ خود ہی تعین فرمالیں تو زیادہ بہتر ہوگا...... میں اگر اس کی وضاحت کروں تو ہوسکتا ہے آپ کے ذہن میں کچھ شکوک وشبہات نمود پا جائیں اس کی وجہ یہ ہے اس دور کے مزاج سے ہم آہنگ بعض لوگ سچائی ، حقانیت اور واقعیت کا خیال کرنے کے بجائے کچھ اس طرح عصبیت کے شکار ہو چکے ہیں کہ اس کی کوئی نظر بھی سیدھی نہیں پڑتی ہے بلکہ وہ موسم کے مزاج کی مانند پل پل بدلتے رہتے ہیں.....

بہر حال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ،، مسلک اعلی حضرت ،، کل جماعتی آواز ہے اور کثیر افراد کے دلوں کی پکار ہے...... یہ ایسی آواز ہے جو دلوں کو بھاتی ہے اور روحوں کو گرماتی ہے اور اپنی جمالیاتی کشش سے ہر ایک کو متأثر کرتی ہے جہاں یہ آواز ہوتی ہے فرحت و انبساط کو لاتی ہے اور ذوق لطیف سے سب کو آشنا کرتی ہے...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ہم بھی اسے فراموش کر دیں؟ طاق نسیاں کی نذر کر دیں یا پھر ہم اسے اپنا کر خود کسی یاد جاناں کو اپنی بیش بہا حیات کا سرمایہ بنالیں..... مسلک اعلی حضرت کے تعلق سے تاریخ کا یہ تسلسل واقعیت کی دلیل ہے...... سچائی کا آئینہ ہے...... ایک عہد اور ایک تہذیب کا ترجمان ہے ...... زمانہ گزر گیا صبح وشام بدل گئے...... ہزاروں انقلابات اُٹھے...... ذہن وفکر میں تغیرات رونما ہوئے...... ہر ایک شئ میں بدلاؤ آیا...... مگر ایک ایسی بھی سچائی ہے...... ایک ایسی بھی حقیقت ہے جس کی تابانیوں میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا ہے...... وہ جو پہلے تھا...... وہی اب بھی ہے...... میں سمجھتا ہوں کہ اس میں یہ تابانیاں اور درخشانیاں صرف اس لئے در آئیں

کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جو بھی کیا جو خدمت انجام دی انہوں نے اسے اپنے لئے انجام نہیں دیا ہے بلکہ اس لئے انجام دیا ہے کہ اسی میں ان کے محبوب کی رضا شامل ہے یہ ان کا خلوص تھا جو سورج کی کرنوں کی مانند چمک اور دمک رہا ہے ان کا یہ کارنامہ خود اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کی شخصیت ان کی حیات کا ایک ایک گوشہ بڑا قیمتی اور انتہائی مربوط ہے وہ اگر روتا ہے تو اپنے لئے نہیں بلکہ اس ،، جان جاناں ،، کی یاد میں روتا ہے جس پر خود حسن و جمال ناز کرتے ہیں اور لطائف مسکراتے نظر آتے ہیں.... اے اللہ! یہ کیسا ماجرا ہے ؟ تو نے انہیں کیا بنایا ہے؟ طرحدار کیا ہے! یہ ۱۹۴۵ء تک کا تذکرہ ہے......

اس کے بعد والے زمانہ میں جو افراد اپنے عہد کے ترجمان بنے انہوں نے بھی اپنے بزرگوں کی روش کو اپنایا اور اسی مشن پر چلے جس میں ان کا خون جگر شامل ہوا تھا.... یہ دور بھی بہت ہی شاندار دور تھا...... یہ عہد بھی عہد زریں تھا..... دارالافتاء سے بھی ،، مسلک اعلی حضرت ،، کی ترجمانی ہو رہی تھی خطباء اپنے خطبات میں ...... مقررین اپنی تقریروں میں ...... شعراء اپنی شاعری میں اسی مسلک کی جھلک پیش کر رہے تھے..... میں نے ابھی آپ کے سامنے جس عہد کی بات کہی ہے اس کا مطالعہ کیجئے اور چشم کشا انداز میں غور وفکر کر کے بتائیں یہ کس قدر اچھی پیش رفت ہے کہ اس دور میں جو مدرسے قائم کئے گئے اس کے دستور میں ،، مسلک اعلی حضرت ،، کی اشاعت وتبلیغ کو جگہ دی گئی...... ہمارے علمائے دین نے بھی ،، مسلک اعلی حضرت ،، کو اپنائے رکھا...... خود بھی اس پر چلے اور لوگوں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین فرمائی ..... ہمارے سماج میں اب بھی ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے وہ خوش نما مناظر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ ،، مولوی انتخاب قدیری ،، کیا تھا؟ اور اس کی حیثیت کیا تھی؟ وہ خاک کا ایک تودہ تھا کوئی انہیں جانتا نہ تھا ،، مسلک اعلی حضرت ،، کے سہارے جھریا ضلع دھنباد بہار کے ایک مناظرہ سے اُبھرا تو ابھرتا چلا گیا پھیلا تو پھلتا چلا گیا اور اس مقام تک جا پہونچا کہ ان کے قدموں کے نیچے قالین ہوا کرتی تھی یا پھولوں کا سیج

...اور جب ،،مسلک اعلی حضرت،، سے پھرا......تو زمانہ اس سے پھر گیا......اب اس کے لئے پھولوں کا سیج نہیں بلکہ اس کی زندگی میں کانٹے ہی کانٹے نکل آئے.....ذلت،رسوائی، حرماں نصیبی،حسرت و ناکامی ان کی حیات کا لازمہ بن گئی ...... مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے جس شاخ کو پکڑا اسی نے اس کے ساتھ بے وفائی کی جس سایہ میں پناہ لینے کی کوشش کی اسی سایہ نے اسے کہیں کا نہ رکھا.....تعزیہ داری جائز.....ڈھول تاشے جائز اور نہ جانے کیا کیا چیزیں جائز....یہی شاخ اور سایہ تھے جس نے مولوی انتخاب قدیری کو دھوکہ دیا اور اسے کہیں کا نہیں رکھا۔کیا یہ حقیقت نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے!اور ایسا اسلئے ہوا کہ جب جسد عنصری سے روح پرواز کر جاتی ہے تو حقیقی موت واقع ہوتی ہے اور جب جسم و جاں سے ،،مسلک اعلی حضرت،، کا جمالیاتی رو کھینچ لیا جاتا ہے تو اس سے حکمی موت واقع ہو جاتی ہے اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کوئی مسلک اعلی حضرت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور کھلے عام اس کی مخالفت کر کے چین و سکوں سے زندگی بسر کرے ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے.....

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ میں کبھی کبھی تنہائی میں سوچتا ہوں کہ،،مسلک اعلی حضرت ،،کے رگ و پے میں ایسی کیا کشش ہے؟ کہ اس کے سہارے زندگی میں بہار آ جاتی ہے اور ہر سمت سے جلوؤں کی برسات ہونے لگتی ہے فکر و فن میں نکھار آ جاتا ہے شعور و ادراک مسکرانے لگتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ انہوں نے اسکے سجانے میں اپنے دل کا خلوص اور اپنی پاکیزہ شخصیت نچوڑ کر صرف کر دی ہے ایسی شخصیت جس کے بارے میں انہوں نے اپنا یہ خیال پیش کر دیا ہے

کانٹا میرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

انہیں کے مسلک ،اصول و نظریات اور تعلیمات کی بہاروں کو دیکھ کر حضرت اشرف مارہروی نے کہا ہے

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئیے وہ علاقہ رضا کا ہے

مسلک اعلی حضرت کے تعلق سے ماضی کے حالات اور تاریخی کوائف آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ،،مسلک اعلی حضرت،، کسی ایک دل کی آواز نہیں ہے بلکہ یہ ہزاروں دلوں کی آواز ہے ایک سے خطا ہو سکتی ہے دو سے ہو سکتی ہے مگر ہزاروں سے خطا ہو ایسا ہو نہیں سکتا ہے اگر پوری جماعت ہی سے خطا ہو جائے تو پھر کسے امان نصیب ہوگا؟ اور کون اس خطا سے بچ پائیگا....؟ یہ ہمارے اور آپ کیلئے ایک لمحہ فکر یہ ہے اگر کوئی اس سے عبرت حاصل نہیں کر پاتا ہے تو کسی اور سے دریافت کرے اگر اس کی بھی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تیسرے کی بارگاہ میں حاضری دینی چاہئے نصیحت اگر دیوار سے ملے تو اسے بھی لے لینی چاہئے .....بہر حال سنورنے کے بجائے اگر کوئی دلدل ہی میں دھنستا چلا جائے اور پھر یہ کہے کہ ہم عقل کل رکھتے ہیں کہاں تک یہ انصاف کی بات ہو سکتی ہے؟ ہاں یہ ،،جہل مرکب،، ہے جب اسے علم کا نام دیا جائے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے......سائنس کے اس دور میں بھی حقیقت سے نظریں چرائی جا رہی ہیں اور غیر واقعی صورت حال کو حقیقت کا روپ دیا جا رہا ہے......اس سے تو اچھا ماضی کا وہ دور تھا جس دور میں زندگی کے کسی شعبہ کی فضا گرد آلود نہ تھی ...... بلکہ دل میں اطمینان تھا......ذہن میں سکون کا ماحول تھا ایسی صورت میں فضائیں سرگوشی کرتی تھیں اور ہوائیں خوشیوں کا پیغام لایا کرتی تھیں یہ کیف اور مستی کا عالم تھا جو کہا جاتا تھا وہی کیا جاتا تھا اور جو کیا جاتا تھا وہی کہا جاتا تھا...... کہنے اور کرنے میں کسی قسم کا کوئی بھی فرق و امتیاز نہ تھا......اس کی وجہ یہ تھی کہ ماضی میں کسی بھی حالت میں کوئی بھی انسان مصلحت کوشی سے کام نہ لیتا تھا مگر یہ دور جس دور سے ہم اور آپ گزر رہے ہیں اس میں ہر آدمی مصلحت سے کام لیتا ہے ہر کام کے پیچھے ان کی اپنی منفعت ہوتی ہے ان کی اپنی غرض شامل حال ہوتی ہے اس لئے اس دور کا ہر انسان کچے پکے اثرات سے بہت جلد متأثر

ہوجاتا ہےاور جب ایک بار کوئی رنگ چڑھ جاتا ہےتو پھر چڑھتا ہی چلا جاتا ہےاور جب کوئی رنگ چڑھ جاتا ہےتو اس کا اترنا بہت زیادہ مشکل ہو جاتا ہےاور اس وقت تو اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب انسان کی صحبت اور اس کا تعلق پاکیزہ دلوں سےٹوٹ جاتا ہے،ہم ان سے کیا امید وفا رکھیں؟ جن کا نشیمن مرغزاروں میں نہ ہو کر سنسنان بیابانوں اور ٹوٹی پھوٹی اور خزاں رسیدہ شاخوں پر بنا ہو......اس لئے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ہمیں بھی ان کی فکر نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہمیں اس بات کی فکر ہےاور ہونی بھی چاہئے جن کے ذہنوں تک ان کے اثرات نہ پہونچے ہوں ان ذہنوں کی پاسبانی کریں اور پاکیزہ دلوں کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں......ہماری اس تحریر کا مقصد بھی ایسے ہی لوگوں کا تحفظ ہےاور انہیں لوگوں کے ایمان وعقیدے اور روحانیت کی صیانت کرنا ہے اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے میں اپنے قارئین سے بھی اسی بات کی اپیل کرتا ہوں کہ اسی تناظر میں اس کا مطالعہ کریں ممکن ہے اس اعتبار سے کچھ اچھے اور خوشگوار جذبے ان کے دلوں میں نمایاں ہو جائیں خلوص دل کا یہ نذرانہ آپ کے سامنے پیش ہے

گر قبول افتد زہے عز وشرف

تیسرا باب

کیا مہکا؟ کہ مہکتا ہی چلا گیا

☆.........مسلک اعلیٰ حضرت اور جمالیاتی افکار

☆..........مسلک اعلیٰ حضرت اور سواد اعظم

☆...........سواد اعظم مفہوم اور مصداق

سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

مسلک اعلیٰ حضرت اور جمالیاتی افکار

زیرِ نظر باب کا یہ،،عنوان،، کہ،،سب اسی زلف کے اسیر ہوئے،،بظاہر کتاب کے موضوع سے ہٹا ہوا محسوس ہوتا ہے......مگر حقیقت میں یہ اس سے ہٹا ہوا نہیں ہے بلکہ اسی مو ضوع کا یہ کنائی انداز ہے بس، ہمارے اور آپ کے سمجھنے کی بات ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو میں نے ''زلف'' کہا اور اس کے ماننے والوں کو، ''اسیر ہونے'' سے تعبیر کیا ہے......کیا یہ تعبیر غلط ہے؟ نہیں! بلکہ صحیح اور بالکل درست ہے جو جمالیات اور حسن و بانکپن اس میں پایا جاتا ہے اس کی دوسری مثال ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤ گے؟ مل نہیں سکتی ہے اسی جمالیاتی اندازِ فکر کے سبب یہ تعبیری رویہ میرے روبرو ہے اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، میں وہ تمام خوبیاں اور کمالات پائے جاتے ہیں جن کی اتباع اور پیروی کر کے کوئی بھی انسان اپنے آپ کو جمالیات سے آشنا کر سکتا ہے اور رحمتِ الٰہی سے وافر حصہ پا سکتا ہے......اس پہلو سے،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کا مطالعہ کیجئے تو آپ بھی محسوس کریں گے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تمام خدمات خواہ اس کا

اعتقادیات سے تعلق ہو یا معاملات سے سماجیات سے ہو یا معاشیات سے ....سب کے سب جمالیات کے دائرہ میں آتے ہیں اسی لئے اہل علم اور صاحب فکر و ادراک نے اسے ماضی میں ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور آج بھی لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں ان کے عہد سے اب تک ہر دور اور ہر زمانہ میں جس قدر ان کے ماننے والے رہے ہیں اتنے کسی اور کے ماننے والے نہیں رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ ان کا عہد اہل علم سے خالی رہا ہے بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا عہد اہل علم کا عہد تھا ارباب ذوق وشوق کا عہد تھا......ایسے عہدِ زریں میں بہت سے اہل علم، صاحب فکر و بصیرت رہے ہونگے ......اپنوں میں بھی اور غیروں میں بھی......ان حضرات نے بھی اپنے طور پر علمی خدمات انجام دیئے ہونگے مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی خدمات میں جو کشش مقناطیسیت اور جاذبیت پائی جاتی ہے کسی اور کے یہاں اس کا فقدان دکھائی دیتا ہے اسی لئے ہمارے امام کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی......قبولیت کا تعلق بندوں کے اکتساب سے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ اللہ کا فضل ہوتا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے یہ اس کا ابر کرم ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات و شخصیت پر برستا رہا ہے اور آج بھی برس رہا ہے......جس عہد سے امام احمد رضا کا تعلق تھا وہ نہایت ہی فرسودہ عہد تھا مسلمانان ہند اس عہد میں حسرت و ناکامی کے شکار ہو رہے تھے قنوطیت ان کی سرشت میں سما رہی تھی دلوں کا چین اور ذہنوں کا سکون ختم ہو رہا تھا......ایسے خزاں رسید عہد میں کون کہاں جاتا ؟ کوئی جائے پناہ بھی نہ تھی اور کوئی پرسان حال بھی نہ تھا......بلکہ قدم قدم پر آنکھوں میں دھول جھونکنے والے افراد تھے جو اچھوں کے بھیس میں دلوں کا چین چھین رہے تھے آنکھوں کی نیند اڑا رہے تھے اور حیات و زیست کے خزانوں پر نقب زنی کر رہے تھے.....جو صورت حال ہم نے بیان کی، واقعی یہی صورت حال تھی، اس میں سوئی کی نوک کے برابر بھی آپ فرق محسوس نہ کریں گے...... ہاں اس کے لئے یہ کرنا پڑے گا کہ آپ کو اسی عہد میں جانا

پڑے گا جس عہد سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا تعلق تھا جس کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا گیا ہے اور پھر یہ کہ آپ نے بہت سی کتابوں اور مقالوں میں اس عہد کے بارے میں آپ نے پڑھا بھی ہوگا اور اس کے بارے میں غور وفکر بھی کیا ہوگا......اس فکری اور تجزیاتی عمل کے دوران جہاں آپ کے ذہن وادراک میں بہت سے خوبصورت جلوے بسے ہونگے وہیں ایک خوبصورت اور خوشگوار جلوہ یہ بھی سامنے آیا ہوگا کہ ،،مسلک اعلی حضرت ،، جماعت اہل سنت کا وہ علامتی اور امتیازی نشان ہے جس پر پوری جماعت متفق ہے...... ہر انسان کا ضمیر اس سے اتفاق کرتا ہے......کوئی اس سے بدکتا نظر نہیں آتا ہے ...... یہ وہ نقطۂ اتحاد ہے جسے ارباب فکر ودانش نے دل وجاں سے چاہا ہے اور اسے اپنی جاں سے زیادہ عزیز رکھا ہے......حتی المقدور انہوں نے ہر دور میں اس کی حفاظت کی ہے اور اس کی صیانت کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے وصال سے اب تک ،، مسلک اعلیٰ حضرت ،، کی معنویت اور اس کی گہرائی اور گیرائی میں زبردست اضافہ ہی ہورہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ صداقت وسچائی اور واقعیت سے لبریز ہے......اس میں بادۂ توحید اور شراب عشق کی مستی پائی جاتی ہے......اسی لئے ،،مسلکِ اعلیٰ حضرت ،، سے کاروان عشق ووفا جوق در جوق جڑتے چلے گئے اور کشاں کشاں اس کے ساتھ ہوتے چلے گئے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

،،مسلک اعلیٰ حضرت ،، واقعی طور پر اس شعر کا مصداق ہے آج جس طرف بھی دیکھئے اسی مسلک کی دھوم ہے اسی کے چرچے ہیں ہر ایک کی زباں پر اسی کا نام ہے نام لینے والوں میں عوام بھی ہیں اور خواص بھی......اس میں اچھے طبقے سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں اور وہ افراد بھی ہیں جو متوسط اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں......غرض کہ سب اسی کی دھوم میں

لگے رہتے ہیں ......یہ ان افراد کی کہانی ہے جن کے مزاج میں جماعت سے ہم آہنگی پائی جاتی تھی اور یہ ،، ہم آہنگی ،، ابھی تک صلاحیت اور قوت کے روپ میں تھی ......مگر رفتہ رفتہ اس میں ارتقا ہوتا رہا اور ،، ہم آہنگی ،، پروان چڑھتی رہی...... ایک دور وہ بھی آیا کہ یہ صلاحیت ،، عملیت ،، کے دائرہ میں داخل ہوگئی اور ،، مسلک اعلی حضرت میں ،، جماعتی مزاج ،، پیدا ہوگیا اسی جماعتی مزاج نے ایسی نشو ونما پائی اور پھر ارتقاء کی ایسی منزل پر پہونچ گیا کہ ،، مسلک اعلی حضرت ،، سے خوشبوئیں آنے لگیں ،، مسلک اعلی حضرت ،، کیا مہکا کہ دلوں کی کلیاں مسکرانے لگیں اور ذہنوں کے بند دریچے وا ہونے لگے......،،مسلک اعلی حضرت ،، ہر ایک دل میں بسنے لگا اور خوشبو بن کر پورے جسم وجاں میں سما جانے لگا۔،،

مسلک اعلی حضرت اور سواد اعظم

،، مسلک اعلیٰ حضرت ،، ایک ایسا مسلک ہے جس نے اسے چھوا وہ بھی مہکنے لگا...... میں نہایت ہی وثوق سے یہ بات کہنے جا رہا ہوں کہ اللہ تبارک تعالی نے ،، مسلک اعلیٰ حضرت ،، میں ارتقاء کی ایسی کیفیت عطا کردی ہے کہ اس کا ،، جماعتی مزاج ،، ارتقائی مرحلوں سے ہوتا ہوا ،، سواد اعظم ،، سے ہم آہنگ ہوگیا ہے...... اسی لئے ہم نے ،، مسلک اعلیٰ حضرت ،، کو ،، جماعتی مزاج ،، سے تعبیر کیا ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسی ،، جماعتی مزاج ،، کا نام ،، جماعت اہلسنت ،، ہے اور ،، سوادِ اعظم ،، ہے...... کچھ لوگ ،، سواد اعظم ،، کی بات تو کرتے ہیں اور اس کے افراد بھی گناتے ہیں مگر انہیں یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جماعتی مزاج ،، کی وضاحت بھی کردیں......آج لوگ ،، اسلاف شناسی ،، کی بات کررہے ہیں کاش ماضی کی ظلمتوں ، تاریکیوں کے ماحول میں ،، اسلاف شناسی ،، کی یہ تحریک ایک ہلکی سی کرن بن کر پہلے ہی نمود پاجاتی تو آج ان کی شخصیتیں ،، اسلاف بیزاری ،، کے جراثیم سے کھوکھلی نہ ہوئی ہوتیں...کل دل کی بات زباں پر تھی یا آج دل کی بات زباں پر ہے؟ یہ بات انہیں صاف کرنی ہوگی ورنہ یہی سمجھا جائیگا کہ جو کیفیت ان کی کل تھی وہی کیفیت آج ہے اور

اسلاف شناسی کی یہ تحریکیں صرف،،بغض معاویہ،،کا اشارہ ہے؟یا پھر یہ سمجھا جائے گا کہ بھٹکا ہوا آہو پھر سوئے حرم چلا....خدا کرے یہ حسن ظن برقرار رہے اور ایسا ہی ہو جیسا کہ میرے دل نے کہا اور میری زباں سے نکلا......اگر یہ تحریک خلوص پر مبنی ہے تو یقینی طور پر اس میں کامیابی نصیب ہوگی اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ہے جیسا کہ ان کے ظاہری حالات سے اندازہ ہوتا ہے تو خدا خیر کرے اور صحیح سمت کی ہدایت عطا فرمائے.......

سوادِ اعظم مفہوم و مصداق

سواد اعظم،،بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے۔۔جس میں افراد بھی کثرت سے پائے جاتے ہوں اور اس کے ماننے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہو...بڑی جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد اور نصرت شامل حال رہتی ہے ایسی جماعت کسی بھی صورت میں ضلالت،عصیان،اور خطا پر جمع نہیں ہوتی ہے اور اگر جماعت میں کبھی کسی طرح کا کوئی اختلاف نمایاں ہوجاتا ہے تو اللہ پاک اس کے حل کیلئے کوئی نہ کوئی معتدل صورت ضرور نکال دیتا ہے ....مسلک اعلیٰ حضرت،،کے علامت اور امتیازی نشان ہونے پر اہل علم وفن کا اجماع ہو چکا ہے......اس لئے حق ان کے ساتھ ہے تائید ایزدی بھی انہیں کی طرف ہے ہم اس،،اجماع،،کو کسی بھی صورت میں غلط ثابت نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے مقدس افراد کے دامن تقدس پر کسی طرح کا کوئی الزام عائد کر سکتے ہیں......اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،،سواد اعظم،،کی اتباع کرو ان کی پیروی کرو کہ انہیں کی اتباع میں فائدہ ہے پورا پورا نفع ہے کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہے نہ خسران ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے یہ اجماع بھی کسی ایرے غیرے کا اجماع نہیں ہے بلکہ یہ ان کا اجماع ہے جو ہر اعتبار سے قابل اطاعت لائق اتباع تھے......پھر یہ کہ اس اجماع کو بھی نہ معلوم کتنے سال ہوگئے؟برسوں گزر گئے اس دوران نہ جانے کتنی صبحیں گزریں؟اور نہ معلوم کتنی شامیں ہوگئیں اس کے باوجود کچھ افراد اس کا انکار کر رہے ہیں ....حیرت ہے؟ کیا.ان کا یہ انکار کسی جواز پر مبنی ہے

؟نہیں ہرگز نہیں !اور نہ ہی اس کے پس پردہ کوئی واقعی صورت ہے !.....تو پھر یہ افراد کس بوتے پر اس کا انکار کر رہے ہیں؟ان کے پاس انکار پر کوئی دلیل ہے؟......کوئی حجت ہے اور کوئی برہان ہے؟ بتایئے! ظاہر ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے!اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں.... ہاں!اس کے پیچھے اگر عصبیت ہے؟اور کوئی جذبہ انتقام ہے؟تو اس بارے میں خود ان کا دل جانتا ہوگا اس بابت ہم یا آپ کیا بتا سکتے ہیں؟......،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کو اس کے،،انعقاد اجماع،،کے تناظر میں دیکھئے.....ہوسکتا ہے کسی نہ کسی پہلو اور کسی نہ کسی زاویہ سے اس کا صحیح ہونا ثابت ہوجائے مگر اس دور کا انساں بھی کیسا انساں ہے جو حقائق و بصائر سے نظریں چراتا ہے اور دلدل میں اُترنے کا حوصلہ رکھتا ہے .... یہ کیسی دانشوری ہے؟اور کیسی عقلمندی ہے؟ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس پر سوچئے....کوئی بھی قدم اٹھائیں تو سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھائیں بغیر سوچے کوئی قدم اٹھانا خطاؤں کو دعوت دینا ہے...

☆☆☆☆

چوتھا باب

مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف

☆.....تعارف کیا ہے؟

☆.......مسلک کا تشریحی مطالعہ

☆.......اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات

☆........خاندانی حالات

☆......تعلیم وتربیت

☆........اعلیٰ حضرت کا مفہوم

☆........علوم وفنون

مسلک اعلیٰ حضرت کا تعارف

تعارف کیا ہے؟

تعارف ’’معرفت‘‘ سے بنا ہے اور معرفت کا مطلب کسی شئی کو جاننا ہے یا کسی چیز کے تعلق سے علم حاصل کرنا ہے علم اجمالی بھی ہوتا ہے اور تفصیلی بھی ہوتا ہے گزشتہ ابواب میں آپ اجمالی طور پر جان ہی گئے ہونگے کہ مسلک اعلی حضرت کیا ہے؟ اور اسکا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اگر آپ نے میری کتاب،، مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پسِ منظر،، کا مطالعہ کرلیا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ آپ،، مسلک اعلی حضرت،، سے کسی حد تک متعارف ہو گئے ہونگے....اس کے باوجود ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ آپ کے سامنے اس کا تفصیلی جائزہ پیش کردیا جائے تا کہ آپ اس سے خاطر خواہ واقفیت حاصل کرلیں....یہ ضرورت اس لئے محسوس کی جارہی ہے کہ یہ زمانہ پل پل بدل رہا ہے اور اہل زمانہ بھی اس کی اتباع میں کروٹیں بدل رہے ہیں کبھی ماشہ تو کبھی تولہ......اور کبھی تولہ تو کبھی ماشہ ہوتے جارہے ہیں....اس زمانہ کا بھی عجیب مزاج ہے.....کہ دور حاضر میں غیروں نے قرآن وسنت کے خلاف رویوں اور نظریوں سے،، فرقئہ ناجیہ،، کو شکوک وشبہات کے گھیرے میں لے رکھا ہے اور اسے،، مبہم،، سا بنا دیا ہے اسے غیروں سے ممتاز کرنے کے لئے کسی علامت کی ضرورت ہے......کسی شناخت کی حاجت ہے...... ہمارے بزرگوں کا کرم دیکھو! کہ انہوں نے اس کا بھی انتظام

فرمادیا ہے......ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں.....مگر افسوس اس بات پر ہے کہ وہ علامت خود ان کے پاس موجود ہے ان کی جانکاری میں ہے کہ اس کی علامت کیا ہے؟ اس کے باوجود یہ دردر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں......اگر یہ علامت کو علامت نہ سمجھیں تو ان کے تعلق سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی مثال اس تیلن جیسی ہے جو اپنی جھولی میں ’’پارس پتھر‘‘ رکھنے کے باوجود تیل فروخت کرتی ہوئی نظر آرہی ہے تیلن کے اس رویہ کو دیکھتے ہوئے ’’زیب النساء‘‘ نے کہا تھا

پڑھے فارسی بیچے تیل، یہ دیکھو قدرت کا کھیل

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ بھی ایک پارس ہے جسے یہ چھو لیتا ہے وہ دور حاضر میں،، سونا،، بن جاتا ہے اور جو اس سے نظریں پھیر لیتا ہے اہل زمانہ اس سے نگاہیں پھیر لیتے ہیں......اس میدان میں بڑے بڑے شہسواروں کو گرتے ہوئے دیکھا ہے ٹوٹتے ہوئے محسوس کیا ہے جو اپنی ضعف وناتوانی کے سبب آنکھیں بھی نہیں کھول سکتے ’’مسلک اعلیٰ حضرت،، اس کی رگوں میں،، حرارت غریزی،، پیدا کردیتا ہے اور اسے بازار میں چلنے کے لائق بنا دیتا ہے...... یہ حقیقت ہے اور برسوں کا مشاہدہ اور تجربہ ہے......جن کی آنکھوں میں تاریخ کے اوراق اجالے بن کر چمک رہے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں...... کچھ سفید پوشوں کے دامن پر کچھ سیاہ دھبے آئے یعنی بہت سی خانقاہوں میں خلاف شریعت امور انجام دیئے جانے لگے تو جن نظریوں نے اس کی اصلاح کی....اسی کا نام ’’مسلک اعلیٰ حضرت،، ہے.....کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ کہ بہت سے باطل فرقوں کے افراد خود کو اہلسنّت کے زمرہ میں شامل کررہے ہیں اور خود کو ’’سنی حنفی‘‘ سے موسوم کررہے ہیں ایسے افراد کو اپنی جماعت سے نکالنے کیلئے ہمارے پاس کیا ہے؟ گزشتہ ادوار میں ہمارے پاس کچھ علامتیں تھیں.....مثلاً...کبھی ہم نے اپنے آپ کو ’’فضیلت شیخین،، سے ممتاز کیا......اور کبھی ضرورت پڑی تو ہم نے اپنے آپ کو ’’حب ختنین،، سے ممتاز کیا........ بات یہیں

آ کر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک دور وہ بھی آتا ہے جب ہم اپنے آپ کو غیروں سے جدا نہ کر پائے تو ہم نے کبھی اپنے آپ کو،،اشعری سے تعبیر کیا......اور کبھی ماتریدی.سے......تقلید بھی ہماری علامت ہے مگر یہ ساری علامتیں دور حاضر میں ہمیں غیروں سے ممتاز نہیں کر پا رہی ہیں حالانکہ ان علامتوں نے اپنے اپنے ادوار میں فرقہ ناجیہ کو ممتاز کیا تھا اور اس طرح کیا تھا کہ یہ ناجی فرقہ باطل فرقوں سے ممتاز ہو گیا تھا......مگر اس دور میں یہ علامتیں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں اور اگر مان لیا جائے کہ ان علامتوں نے بھی ہمیں دور حاضر میں ممتاز کیا ہے مگر یہ امتیاز،،امتیازِ کلی،،نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت،،امتیاز جزئی،،کی ہے جیسے لفظ،،سنی،،ہمیں شیعہ سے ممتاز کرتا ہے ماتریدی / اشعری ہمیں معتزلی سے ممتاز کرتا ہے اور تقلید وہابیت سے ..... مسلک فضل حق / مسلک فضل رسول / مسلک مفتی ارشاد حسین کو کسی بھی دور میں غیروں سے امتیاز کیلئے کسی نے بھی استعمال نہیں کیا ہے اسے نہ انفرادی طور پر استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی اجتماعی طور پر۔ تاریخ میں اس طرح کے استعمال کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے......حالانکہ اس میں امتیاز کی صلاحیت موجود ہے مگر یہ امتیاز دور حاضر میں کارگر نہیں اب رہی بات،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی تو میں اس بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس میں،،امتیاز کلی،،کی صلاحیت پائی جاتی ہے یہ ہمیں وہابیت سے بھی ممتاز کرتا ہے اور دیوبندیت سے بھی......اسی طرح قادیانیت،نیچریت،مودودی جماعت،تبلیغی جماعت،ندویت اور صلح کلیت سے بھی ممتاز کرتا ہے......حد تو یہ ہے کہ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،ہمیں،،کف لسانیت،،سے بھی ممتاز کرتا ہے اس کے رگ و پے میں امتیاز کی حرارت پائی جاتی ہے...... یہ مسلک مائل بہ کرم ہے اس سے کون فائدہ اٹھاتا ہے؟ یہ اس کی قسمت ہے اور اس کا نصیب ہے......مسلک اعلیٰ حضرت،،کو کسی فرد واحد نے نہیں بلکہ پورے سواد اعظم نے غیروں سے امتیاز کے لئے استعمال کیا ہے۔ہم اس کے تعلق سے کس کس پہلو کو جھٹلائیں......وہ تو چڑھتے سورج کی مانند چمک رہا ہے،دمک رہا ہے،اس کے انگ انگ میں اجالا ہے،نورافشانی ہے،کسی بھی زاویہ سے اس

میں اندھیرے کا شائبہ تک نہیں۔ اسے جھٹلانا چڑھتے سورج کو جھٹلانا ہے.....اس تحریر سے ،،مسلک اعلیٰحضرت،،کا تعارف ہو رہا ہے مگر تعارف کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب ہم ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،اور اس کے عہد کا تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیں.....ورنہ یہ تعارف ادھورا رہ جائیگا۔

مسلک کا تشریحی مطالعہ

مسلک عربی زبان کا لفظ ہے اور اسم مکان ہے اس کا مصدر،،سلوک،،آتا ہے سلوک کا معنی،،چلنا،،ہے لغت میں،،راستہ،،کو مسلک کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نظریہ و موقف کو بھی مسلک کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی اس سے معنی محسوس مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے معنی معقول مراد لیا جاتا ہے۔ یہ مراد لینا اس کے استعمال پر مبنی ہوتا ہے اگر استعمال،معنی محسوس کی جانب مشعر ہے تو اس سے محسوس معنی مراد لیا جائیگا اور اگر استعمال،معقول کی جانب اشارہ کرتا ہے تو پھر وہی معنی مراد لیا جائیگا......جو افراد لفظوں کو فلسفیانہ انداز میں دیکھتے ہیں اور اسی انداز میں اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ الفاظ کے ذخیروں میں بہت سے ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن میں ابہام فطری طور پر پایا جاتا ہے یہ ابہام خارجی عوامل کے سبب نہیں ہوتا ہے بلکہ خود اس کی ذات میں ہوتا ہے اس لئے اس کے ازالہ کے لئے اس کی اضافت کسی نہ کسی کی جانب ضرور کی جاتی ہے یا پھر اس کا کوئی وصف بیان کرنا لازم ہو جاتا ہے......بہر حال جہاں جیسی ضرورت ہوتی ہے وہاں ویسا ہی عمل کیا جاتا ہے اگر وصف سے ابہام دور ہو جاتا ہے تو اس کے لئے وصف کا اظہار کیا جاتا ہے اور اگر اضافت کرنا ضروری ہوتا ہے تو پھر اسی طرح کی اضافت سے اس کے ابہام کا ازالہ کیا جاتا ہے ایسے ہی لفظوں میں،،مسلک،،بھی آتا ہے نظریہ اور موقف بھی آتا ہے،،امت اور دین،،کا شمار بھی ایسے ہی لفظوں میں آتا ہے نمونے کے طور پر یہ چند الفاظ شمار کر دیئے گئے ہیں لغات کی چھان بین کرنے پر اس سے بھی کہیں زیادہ الفاظ مل سکتے ہیں حوصلہ بلند ہو تو

ایسے لفظوں کی ایک لمبی فہرست تیار ہوسکتی ہے لفظوں کے اس ابہام ذاتی اور غیر عارضی کو دور کرنے کیلئے کبھی اس کی اضافت عظیم شخصیت کی طرف کردی جاتی ہے

الف .... عام طور پر بولا جاتا ہے .... دینِ ابراھیم ..... امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم..... مسلک امام اعظم ... مسلک امام شافعی .... مسلک امام احمد بن حنبل اور مسلک امام مالک وغیرہ ان جملوں میں جس قدر مضاف یعنی دین،، امت،، اور مسلک،، میں نہایت ہی شدید قسم کا ابہام پایا جاتا ہے اسی لئے اضافت کے ذریعہ اس کے ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے،، امت محمد،، کے تعلق سے،، مرقات شرح مشکوٰۃ. میں ہے -- **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع امتی او قال امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ضلالة** اور مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں ہے **قیل قوله او قال امة محمد شک من الراوی ولعل ھٰذا اظهر فی الدرایة منها لدلالته علیٰ ان یکون المنسوب الیه من اسمه محمد یقتضی ھٰذہ الفضیلة التی امتازت بها امته عن سائر الامم**

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص۲۰۵)

اس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے -- حضرت ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ پاک جمع نہیں فرماتا میری امت / امت محمد کو کسی گمراہی پر اور مشکوۃ کی شرح مرقات میں ہے کہ حضرت ابن عمر کا یہ فرمانا کہ امتی یا امت محمد راوی کی طرف سے شک ہے یہ ترکیب یعنی لفظ امت کی اضافت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ،، مضاف یعنی امت ان کے نام پاک کی طرف نسبت کے سبب بقیہ تمام امتوں سے ممتاز ہورہی ہے اور یہ ترکیب اس فضیلت کا اقتضا کرتی ہے باعتبار درایت یہ توجیہ اس سے کہیں زیادہ اظہر ہے جو تراکیب دوسری کتابوں میں پائے جاتے ہیں....

ب.... اور کبھی ایسے لفظوں کی نسبت مکان / مقام کی طرف کردی جاتی ہے اس

طرح کی اضافت زبان وادب میں کثرت سے پائی جاتی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ایسا نہیں ہے کہ یہ اضافت ونسبت صرف اسی دور کی زبان وادب میں پائی جاتی ہے بلکہ ماضی میں بھی اس کی روایت ملتی ہے بخاری شریف جلد اول ص ۴۶ میں ہے **حدثتنی معاذة ان امرأة قالت لعائشة اتجزی احدانا صلاتها اذا اطهرت فقالت احروریة انتِ قد کنا تحیض مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یأمر نا به او قالت فلا نفعله** .... حضرت معاذہ نے بیان کیا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عرض کیا کیا ہم میں سے کوئی عورت اپنی نمازیں قضا کریں گی جب وہ حیض سے پاکی حاصل کرے تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تو ،، حروریہ،، ہے اس کے بعد حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ہم لوگوں کو،، حیض،، آتا تھا مگر سرکار ہمیں نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیتے تھے یا انہوں نے یہ فرمایا ہم ایسا نہیں کرتے تھے اس حدیث پاک میں زیر بحث کیا تو،، حروریہ؟،، ہے حروریہ مقام ،، حرورا،، کی طرف منسوب ہے اس کے تعلق سے،، عمدۃ القاری،، میں ہے **ھی نسبة الی حروراء قریة بقرب الکوفه و کان اول اجتماع الخوارج فیها وقال الهروی تعاقدو ا فی ھٰذہ القریة فنسبوا الیها فمعنی کلام عائشة ھٰذا اخار جیة انت لان طائفة من الخوارج یوجبون علی الحائض قضاء الصلاة الفائتة فی زمن الحیض و هو خلاف الاجماع** (ج ۳ ص ۱۵۹)

ترجمہ..... حرورا،، کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے ،، حروریہ،، کہا گیا ہے کوفہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے جہاں پہلی بار فرقہ خارجیہ کے لوگ جمع ہوئے تھے اسی مقام پر رہ کر انہوں نے اپنی نظریات کی تشکیل کی اور پھر اپنے آپ کو اسی کی طرف منسوب کردیا اس توجیہ کے پیش نظر،، کلام عائشہ،، کا مطلب یہ ہوا کہ کیا تو ،، خارجیہ،، ہے اس لئے کہ خارجیوں نے ہی دوران حیض فوت شدہ نمازوں کو قضا کرنے کو واجب قرار دیا ہے جو اجماع کے خلاف

ہے.....اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی ،،نظریہ وموقف،،کو کسی بھی گاؤں رمقام کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے اسی بنیاد پر ،،ماتریدیہ،اشعریہ وغیرہ کہا جاتا ہے اگر کسی زاویہ سے یہ غلط ہوتا تو یہ ترکیب واستعمال جائز نہیں ہوتا اور نہ ہی اہل علم اس طرح کے استعمال کو اپنی ادبی روایتوں میں لاتے ...یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے اسے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں

الف اور ب میں بیان کردہ مضامین کو پڑھیئے اور پھر غور کر کے بتائیے کہ جب ،،امت اور نظریہ کو کسی شخصیت کی طرف اور مقام کی طرف نسبت روا ہے تو پھر جب ہم مسلک کی نسبت کرتے ہوئے ،،مسلک اعلی حضرت اور بریلوی مسلک یا بریلوی کہتے ہیں تو اس میں قباحت کہاں سے آگئی؟ یہ تھی مسلک کی توجیہ جو آپ کے سامنے پیش کر دی گئی اب اس کے دوسرے جز ،،اعلی حضرت،، کے تعلق سے بھی چند باتیں پیش کی جارہی ہیں

اعلیٰ حضرت اور اس کا مفہوم

لفظ اعلی حضرت یہ ایک تعظیمی کلمہ ہے جو لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور لقب بھی ایک طرح کا علم ہوتا ہے جس کے اطلاق سے فوری طور پر ذہن کے پردہ پر اس ذات گرامی کا تصور ابھر آتا ہے جس کا یہ لقب ہوتا ہے جہاں ایسی صورت پیدا ہوتی ہے صحیح معنی میں وہ ذات اور شخصیت اس لقب کا مستحق ہو جاتی ہے جو لقب عوامی سطح پر قبولیت کے اس درجہ پر فائز نہیں ہوتا ہے اس میں علمیت کی بو کا احساس تک نہیں ہوتا ہے لفظ اعلی حضرت ایک ایسا لقب ہے جس سے اس دور کے ماہرین اور دوسرے افراد ذی وقار کے مابین صاحب لقب امام احمد رضا کی عظمت واہمیت اور فضیلت وفوقیت کا احساس ہوتا ہے وہ کیسے تھے؟ اور ان کی قابلیت کیسی تھی؟ اس کا تبادر کس جانب کو ہوتا ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے؟ اعلی حضرت ہر فن میں کمال رکھتے تھے اور انہیں ہر فن میں انتہائی درجہ کا عبور حاصل تھا....اعلیٰ حضرت ایک ایسا لفظ ہے جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ لفظ پہلی بار کسی کے لئے

استعمال ہوا ہو بلکہ یہ لفظ گزشتہ زمانوں میں ،بادشاہوں ،نوابوں ،اور راجاؤں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے تاریخ کے اوراق اس پر شاہد عدل ہیں کہ اس لفظ کا استعمال ان کے لئے ہوتا ہے جو اپنے زمانے میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ معیار فضیلت بدلا بدلا سا ہوتا ہے، کسی زمانہ میں کچھ معیار ہوتا ہے اور کسی زمانہ میں کچھ اور معیار ہوتا ہے مگر ہر زمانہ کا معیار در بارہ فضیلت مشترک ہوتا ہے، امام احمد رضا کو ،،اعلیٰ حضرت،، کہنے کا معیار نہ دولت ہے اور نہ ثروت ہے نہ نوابیت ہے اور نہ ہی سلطنت ہے بلکہ ان کے دور میں یہ معیار علم وفن ،فکر وشعور، دراک طبیعت ،فکر رسا ذہانت ،نباض فطرت شخصی کمالات اور ذاتی تفردات قرار پائے ہیں اس معیار کو جب سامنے رکھ کر انکے علوم وفنوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی شخصیت علوم وفنون میں ایک وسیع جہان نظر آتی ہے انکے علوم وفنون کی تعداد جمہور علماء کے نزدیک ۶۲ ر بتائی گئی ہے اس بابت نہایت ہی اختصار کے ساتھ ان کی حیات وخدمات کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے محض اس مقصد کے تحت کہ ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کا تفصیلی تعارف آپ کے سامنے آجائے......

اعلیٰ حضرت حیات وخدمات

آپ کا پیدائشی نام ،،محمد،،تاریخی نام،،المختار،،جد مکرم حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں کا دیا ہوا محبت بھرا نام ،،احمد رضا ،،اور بذات خود اضافہ کیا ہوا تحریری نام ،،عبد المصطفیٰ،، پورے عالم اسلام میں آپ ،،اعلی حضرت،،فاضل بریلوی،،مجدد مائتہ حاضرہ اور شیخ الاسلام سے مشہور ومعروف ہیں .....صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر،،بریلی،، میں ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء ہفتہ کے دن ظہر کے وقت پیدا ہوئے وقت بھی کتنا سہانا کہ آفتاب ،،منزل غفر،، میں تھا اہل نجوم اس منزل میں آفتاب کے ہونے کو سعادت سے تعبیر کرتے ہیں ۔گویا یہ ایک ،،اشارۂ غیبی،،تھا کہ یہ مبارک بچہ آگے چل کر ،،نیر درخشاں،،بن کر چمکے گا۔اور لوگ اس سے استفادۂ علم وفکر کیا کریں گے خود اعلیٰ حضرت

فاضل بریلوی نے اپنی سنِ ولادت اس آیتِ پاک سے نکالی،، اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه... ترجمہ،، یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے (کنزالایمان) آیت پاک سے سن ولادت کا استخراج نہ صرف حسن اتفاق ہے بلکہ اس کی روشنی میں اپنی زندگی کے نصب العین اور اغراض و مقاصد کو واضح طور پر پیش کرنا ہے...... آنے والی تحریر میں آپ محسوس کریں گے کہ ان کی زندگی کا کوئی ایک لمحہ بھی آیت مقدسہ سے منحرف نہیں۔ یہ تعین بہت زیادہ مشکل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی؟ ہاں اس موقعہ پر ایک ایسا عجیب واقعہ درپیش ہوا جس کی وجہ سے،، بسم اللہ خوانی،، کی تقریب تاریخ کے اوراق کی زینت بن گئی اور اس سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت انتہائی درجہ کے ذہین وفطین تھے استاذ محترم نے،، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،، پڑھانے کے بعد،، الف، با، تا، ثا جیم، حا، خا،، پڑھایا،، اعلیٰ حضرت،، پڑھتے چلے گئے جب استاذ محترم نے پڑھایا،، لام الف،، تو اعلیٰ حضرت خاموش رہے یہ خاموشی بلا وجہ نہ تھی بلکہ اس کے پس منظر میں کچھ ذہنی الجھنیں اور اضطرابی کیفیات تھیں جنہیں دور کئے بغیر آگے پڑھنا مناسب نہ تھا استاذ گرامی نے فرمایا میاں صاحبزادے کہو،، لام الف،، عرض کیا میں لام بھی پڑھ چکا ہوں اور الف بھی پھر دوبارہ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس تقریب میں جد مکرم حضرت علامہ مولانا محمد رضا علی خاں بھی موجود تھے انہوں نے فرمایا بیٹا استاذ جو پڑھا رہے ہیں پڑھو! اور ان کا کہا مان لو! یہ نہ صرف تلقین تھی بلکہ اس میں ایک قسم کی نصیحت بھی تھی اعلیٰ حضرت نے پڑھ تو لیا مگر چہرہ پر استفسار کی کیفیت نمایاں تھی جد مکرم نے اپنی ایمانی فراست سے بھانپ لیا کہ میرے عظیم پوتے کا ذہنی اضطراب کیا ہے؟ اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا ....اے بیٹے! تم نے پہلے،، الف،، پڑھا ضرور ہے مگر وہ،، الف،، نہیں بلکہ،، ہمزہ،، ہے اب جو،، لام الف،، میں،، الف،، پڑھ رہے ہو صحیح معنی میں،، الف،، یہی

ہے چونکہ،، الف،، اصولی طور پر ساکن ہوا کرتا ہے اور کسی،، حرف ساکن،، کا تلفظ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ متحرک نہ ہوجائے یا پھر اس سے قبل کسی حرف کو داخل نہ کیا جائے اسے متحرک کرنے کی صورت میں،، ہمزہ،، سے التباس کا اندیشہ تھا اس لئے،، الف،، کو حرکت نہ دے کر اس سے قبل لام کا اضافہ کردیا تاکہ،، الف،، کی ادائیگی میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے

اعلیٰ حضرت نے عرض کیا.....جد مکرم ایہ کام،، لام،، کے علاوہ کسی بھی حرف سے ہوسکتا تھا،، لام،، ہی کی تخصیص کیوں؟ جد مکرم نے ارشاد فرمایا ہاں یہ کام کسی بھی حرف سے ہوسکتا تھا مگر لام کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ لام اور الف میں مناسبت دو طرح کی پائی جاتی ہے صورت کے اعتبار سے بھی اور سیرت کے اعتبار سے بھی صورت وشکل میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کی صورت ملتی جلتی ہے مثلاً اسے یوں تحریر کرتے ہیں،، لا،، اس میں پہلا حرف لام ہے اور دوسرا حرف الف ہے اور دونوں کی شکلیں ایک جیسی ہیں.....سیرت میں مناسبت یہ ہے کہ،، ل،، کو لفظوں میں اس طرح لکھتے ہیں لام،، اس میں درمیانی حرف الف ہے اور الف میں درمیانی حرف لام ہے اسی لئے کہا جاتا ہے لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے اسی مناسبت کے سبب،، ل،، کو ادا کرنے کے لئے لام کے بعد الف کا اانتخاب کیا گیا ہے اس وضاحتی بیان سے الجھنوں کا ازالہ تو ہوگیا عمر کی اس ناپختگی کے عالم میں یہ شعوری سوال؟ کس قدر معنی خیز ہے؟ اہل فکر اسے خوب جانتے ہیں کہ یہ شعوری کوشش کسی کدوکاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ انہوں نے اس میں اپنی ان صلاحیتوں اور ذہنی استعدادوں کا اظہار کیا ہے جو بچوں کو اپنے آباؤ واجداد سے ورثہ میں ملا کرتی ہیں اور حدیث شریف میں بھی اس کی نشاندہی ملتی ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں،، الولد سر لابیہ،، کہ بیٹا اپنے باپ کا سربستہ راز اور پوشیدہ بھید ہوتا ہے اور یہ سربستہ راز یہی ذہنی فکری صلاحتیں ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنے خاندان اور اپنے آباؤ واجداد کی روایتوں کے امین اور تہذیبوں اور ثقافتوں کے پاسبان بن کر آئے تھے اس لئے کہ امام احمد رضا کسی

غیر معمولی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان کے خاندان میں کیسے کیسے نامور اور عالی وقار افراد تھے اس بات کا اندازہ ان کے خاندانی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد لگایا جا سکتا ہے

خاندانی حالات

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا خاندان اعلیٰ اور بہت سی خوبیوں والا تھا آپ کے آباء و اجداد شریف نفس اور پاکیزہ سیرت والے تھے شجاعت، بہادری، حسن انتظام، علم و فن، فکر و شعور، اور زہد و اتقاء آپ کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا بیخوفی، بیباکی، جرأت و ہمت، اور ولولہ و جوش اس خاندان کے تمام افراد میں پائے جاتے تھے آپ کا تعلق ،،قندھار،، کے باوقار قبیلہ،، بڑھیچ،، سے تھا اور آپ نسلاً پیٹھان تھے آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی

ابن

عمدۃ المحققین حضرت مولانا نقی علی خاں

ابن

حضرت علامہ مولانا رضا علی خاں

ابن

حضرت مولانا کاظم علی خاں

ابن

حضرت محمد اعظم خاں

ابن

حضرت محمد سعادت یار خاں

ابن

حضرت محمد سعید اللہ خاں

(۱) حضرت محمد سعید اللہ خاں.....آپ قندھار کے پیٹھان تھے حکومت مغلیہ کے دور میں لاہور تشریف لائے اور معزز عہدوں پر فائز رہے لاہور کا شیش محل انہیں کی جاگیر تھا پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے اس وقت منصب،، شش ہزاری،، پر فائز تھے

(۲) حضرت سعادت یار خاں.....آپ ایک جنگی مہم سر کرنے کیلئے علاقہ ،، روہیلکھنڈ،، آئے اور فتحیابی حاصل کی اس فتحیابی کے بعد فرمان شاہی آیا کہ آپ کو اس علاقہ کا صوبہ دار بنایا گیا ہے مگر اس وقت آپ بستر وصال پر تھے۔

(۳) حضرت مولانا محمد اعظم خاں.....آپ بریلی تشریف لائے کچھ دن عہدۂ وزارت پر فائز رہے پھر امور سلطنت سے الگ ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے اور ترکِ دنیا اختیار کر کے بریلی محلّہ ،، معماران،، میں سکونت اختیار کر لی۔

(۴) حضرت حافظ کاظم علی خاں....آپ بدایوں کے تحصیلدار تھے

(۵) حضرت مولانا رضا علی خاں.....اپنے زمانے کے مشہور عالم دین اور ولی صفت انسان تھے آپ ہی کی ذات سے اس خاندان میں فقر و استغنا اور دنیا سے بیزاری کے رنگ کی ابتدا ہوتی ہے زہد و تقویٰ، سلوک و تصوف، معرفت اور توکل جیسے اہم اوصاف آپ کی شخصیت میں جمع تھے۔

(۶) حضرت علامہ نقی علی خاں.....آپ اپنے دور کے محقق، مفکر، اور مصلح قوم و ملت تھے دقتِ نظر، گہری فکر آپ کا وصف خاص تھا کئی کتابوں کے آپ مصنف تھے

حضرت سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسی خاندان عالی وقار میں آنکھ کھولی ظاہر ہے آپ کی شخصیت میں وہ تمام صلاحیتیں ضرور پائی جاتی تھیں جو اس خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہو رہی تھیں تقریب،، بسم اللہ خوانی،، میں نمود پذیر ہونے والے واقعہ کو اسی تناظر میں دیکھئیے آپ محسوس کریں گے کہ یہ سعادت مند بچہ یقیناً انفرادیت کا حامل ہے

تعلیم وتربیت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذہانت وفطانت کو آپ داد وتحسین سے نوازیں گے اور اسے سراہے بغیر نہیں رہیں گے کہ انہوں نے صرف ۴؍سال کی عمر میں یعنی ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں کلام پاک کا ناظرہ مکمل کرلیا عام طور پر اس عمر میں بچے خود اپنے وجود کے احساس وشعور سے نا آشنا ہوا کرتے ہیں تو پھر وہ مکتب و مدرسہ اور اسکول کے بارے میں کیا جانیں؟ اس ننھی سی عمر میں،،قرآن مجید،، کا ناظرہ کرلینا سعادت ایزدی ہے اس پر بازوؤں کا زور نہیں چلتا ہے امام احمد رضا کی یہ انفرادیت اور خصوصی امتیازی شناخت اس بات کا قوی اشارہ ہے کہ یہ ایک بیش قیمت اور گراں قدر،،ہیرا،، ہے جسے کمال ہنر سے تراشا جائے ،،اعلیٰ حضرت،، نے جن جن مقدس شخصیات سے تعلیم وتربیت پائی ان کا انداز تربیت کچھ اسی انداز کا تھا جو ان کی دراک فطرت چاہتی تھی فارسی زبان وادب کی تعلیم کے بعد،،میزان و منشعب،،اور عربی زبان وادب کی ابتدائی کتب،،حضرت مرزا غلام قادر بیگ،، سے پڑھیں اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے والد گرامی،،سند المحققین ،تاج العلماء، حضرت علامہ الشاہ محمد نقی علی خاں،، کی بارگاہ میں زانوے ادب تہہ کیا اور خدمت بابرکت میں پورے ۹؍سال رہ کر مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا اور علم جفر کے کچھ ابتدائی اصول،،سراج السالکین ،قدوۃ الواصلین، حضرت علامہ الشاہ سید ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ،، سے پڑھا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کیا سیکھا اور سکھانے والوں نے کیا سکھایا اسے مندرجہ ذیل فکری تجزیاتی تحریروں میں سمجھنے کی کوشش کریں اس کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ ان کی شخصیت کیا ہے اور ان کی ذات میں کیا کیا خوبیاں پائی جاتی ہیں؟

الف....استاذ کی نفسیات اور فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انہیں ایسا شاگرد ملے جو فطری طور پر ذہین اور فطین ہو اور حصول علم دین متین میں پوری محنت اور لگن سے کام لے دلچسپی دکھائے اپنا وقت کسی بھی صورت میں ضائع نہ کرے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی

ذات وشخصیت میں یہ تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں پڑھنے لکھنے اور سبق یاد کرنے میں انہوں نے کبھی بھی تساہلی سے کام نہ لیا استاد کو انسے کبھی بھی اس قسم کی شکایت نہ رہی بلکہ استاذ ان کی قوت حافظہ پر دنگ رہا کرتے تھے اس بارے میں بہت سے واقعات ان کی سوانح میں موجود ہیں۔

ب......جب استاد اپنے شاگرد کو اپنی فطرت ونفسیات کے عین مطابق پاتا ہے تو وہ بھی علم وشعور فکر وادب زبان و بیان اور معرفت وآگاہی کے فراہم کرنے میں بڑا فیاض ثابت ہوتا ہے اور ان کی فیاضی کسی برسنے والے بادل اور روشنیوں کے بانٹنے والے،،نیر درخشاں،، سے کم نہیں ہوتی ہے، شاگرد کے تئیں استاذ کی اس شفقت ومہربانی اور لطف وکرم کی پیائش کیلئے ہمارے پاس کیا پیانہ ہے؟ اول تو میرے پاس پیانہ نہیں! دوسری بات یہ کہ یہ پیائش کے دائرہ میں آتا ہی کب ہے؟

ج.....اس پہلو پر قدرے توجہ کی ضرورت ہے جب کسی استاد کو اپنے شاگرد کی ذہانت ،نفسیات ،اخاذ طبیعت، ذوق وشوق اور دلچسپی کا اندازہ ہوجاتا ہے تو استاد کے انداز تربیت میں ایک قسم کا انقلاب آجاتا ہے اس مقام پر تعلیم یا تربیت رسم کے طور پر نہیں دی جاتی ہے بلکہ اس میں خلوص پیار اور بے لوث جذبوں کا امتزاج ہوجاتا ہے یہی وہ اضافی حیثیت ہوتی ہے جس سے شاگرد کی شخصیت اور ان کی علمی اور فکری صلاحیتوں میں نکھار اور بانکپن پیدا ہوجاتا ہے اور یہاں تعلیم کا ہر حصہ سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیم وتربیت میں یہی چوکھا پن پایا جاتا ہے ....حضرت علامہ الشاہ محمد نقی علی خاں نے اپنے اس گراں قدر،،ہیرے،،کو کس کس زاویئے سے تراشا ہوگا؟ کس کمال ہنر سے نوازا ہوگا؟ اسے ناپنے کا کوئی بھی معیار فکر وشعور کی دنیا میں نہیں ہے جو سنورتا ہے وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ یا پھر وہ جانتا ہے جنہوں نے اسے سنوارا ہے مقام حیرت ہے کہ امام احمد رضا نے صرف ۹؍سال یعنی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں سند فراغت حاصل کرلی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف صرف ۱۳؍سال

۱۰/ماہ اور ۵/دن کی تھی۔۔

علوم وفنون

جب ہم امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت اور اس کی گہرائیوں میں اتر کر جائزہ لیتے ہیں اور شخصیت کی جس تہہ سے گزرتے ہیں تو ہمیں کیا؟ بلکہ جو بھی فکری رویے سے کام لے گا انہیں ہر مقام پر حیرت ہی ہوگی اور کشمش کی ایک وسیع دنیا اس کے سامنے آئیگی اس کی وجہ یہ ہے ان کی شخصیت سے جو علم بھی مس ہو گیا وہ کہیں سے کہیں پہونچ گیا اور اسے وہ بلندی نصیب ہوئی جس طرح کی بلندی اوج ثریا کو حاصل ہے ان کی شخصیت میں علوم وفنون کی عمومی تعداد نہیں بلکہ ان کی شخصیت میں اس عمومیت سے ہٹ کر نہایت ہی منفرد اور خصوصی تعداد پائی جاتی ہے اجماعی طور پر آپ ۶۱/علوم میں مہارت رکھتے تھے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے آپ کی کتابوں سے جو علوم تشکیل پاتے ہیں ان کی تعداد لگ بھگ ۱۰۵/ ہیں کسی بھی شخصیت میں وسعت وکشادگی کے لئے کسی بھی ایک علم اور ایک فن کے تمام زاویئے کا پایا جانا ہی کافی ہوتا ہے اور یہاں تو ۶۱/۱۰۵/علوم وفنون اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں تو پھر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کی شخصیت میں وسعت وکشادگی کا کیا عالم رہا ہوگا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے آپ کی شخصیت ایک نگارخانہ نظر آتی ہے اور حیرت و استعجاب کا آئینہ خانہ دکھائی پڑتی ہے انصاف و دیانت کو بروئے کار لاتے ہوئے دیکھیئے تو ایسی شخصیت،، حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ،، کے بعد سے ۲۰۱۳ء تک کوئی نظر نہیں آتی ہے ہم ان کی شخصیت کو کسی بھی عالم دین، مفکر اسلام کی شخصیت کے تناظر میں دیکھنا پسند نہیں کرتے اور نہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ امام احمد رضا کی ذات وشخصیت کو کسی کے تقابل میں لاتے ہوئے کسی نقطۂ منہاج پر پہونچنے کی کوشش کریں؟ یہ ہماری طبیعت نہیں! کہ اس طرح کا جذبہ کہیں بھی ہو اور کسی کے ساتھ ہو ہم اسے پسند نہیں کرتے اس لئے کوئی بھی فرد واحد،، تقابل بین الاشخاص،، کی فضا ہموار نہ کرے ہاں! جہاں اس کی ضرورت ہو

وہاں اس سے گریز بھی نہ کیا جائے کہ ایسے موقع پر گریز کرنے کی صورت میں جماعت پر بات آتی ہے بہر حال ہمیں جماعت کے تقاضوں کو سمجھنا پڑے گا اور اس کے مزاج کے اعتبار سے ہی ہمیں اقدام کرنا پڑے گا۔ ہوسکتا ہے ہماری ان باتوں سے آپ کو حیرت ہو رہی ہو کہ یہ بے موسم کا راگ کس لئے چھیڑا جا رہا ہے ابتدائی منزل میں آپ یہ ضرور محسوس کریں گے مگر جب آپ گہرائی سے موجودہ صورت میں ہندوستان کی علمی فضا پر غور کریں گے تو کسی حد تک میری باتوں پر آپ کو یقین حاصل ہو جائیگا اور پھر آپ بھی یہی محسوس کریں گے جو ہم محسوس کر رہے ہیں... ہم اپنے قارئین سے مطالبہ کریں گے کہ آپ بھی اپنی سوچ کو مثبت انداز میں لے کر چلیں کہ اسی میں فائدہ ہے اور کسی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا ہے یہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے کوئی زور زبردستی نہیں.....

امام احمد رضا نے علوم وفنون اور انفرادی صلاحیتوں سے لیس ہو کر عملی میدان میں قدم رکھا تو ہندوستان کی علمی، فکری، تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور معاشی فضا کا حال عجیب وغریب تھا اس میں اس قدر رژولیدگی، اور الجھاؤ پایا جاتا تھا کہ کوئی بھی انسان اسے دیکھ کر اپنے حوصلوں کو کھو سکتا ہے اور اپنے ولولہ وجوش کو ٹھنڈے بستہ میں رکھ سکتا تھا اور وہ یہی تصور کر بیٹھے گا کہ ایسے ماحول میں کون کیا کرسکتا ہے؟ اور اس الجھے ہوئے ڈور کو کون سلجھا سکتا ہے؟ مگر امام احمد کی شخصیت واقعی بلند شخصیت تھی کہ انہوں نے زمانے کے ہر قسم کے چیلنجز کو بسر وچشم قبول کیا اور اسی کے اعتبار سے سمتوں کا تعین فرما کر خود بھی چلے اور اپنے تیور بھی پیش کئے تیور میں صرف غیض وغضب کے شعلے اور اس کی غیر فطری حرارت ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں کچھ ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں تیور کے ساتھ ساتھ جمالیات کا بھی شعور ہوتا ہے اور جذبۂ یقیں کا کچھ ایسا ادراک ہو جاتا ہے کہ یہ تیور بھی جمالیات میں تبدیل ہو جاتے ہیں امام احمد رضا کے یہاں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف نظریات سے کام لیا بلکہ ان کے یہاں نظریات کے ساتھ ساتھ حسن عمل کی تابانی بھی پائی جاتی ہے اور اقدام کے ذوق و

شوق بھی پائے جاتے ہیں ......امام احمد رضا کا تیور بھی دیکھئے اور اس کے ساتھ ساتھ جمالیات کا شعور بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے جایئے آپ فرماتے ہیں

سن لیں اعداء میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

پہلے مصرعہ میں تیور ہے اور دوسرے میں کس قدر اعتماد ہے؟ کہ،،وہ سلامت ہیں بنانے والے،،اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تیور اور جمال ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے ہیں تو وہاں حسن و بانکپن آ ہی جاتے ہیں .....جن افراد نے اعلی حضرت فاضل بریلوی کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے یہاں ۶۱ رعلوم وفنون پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں ان کی کتابوں میں علوم وفنوں کی جو درخشانیاں پائی جاتی ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہیں ان علوم میں درک تام حاصل تھا اسی مقام سے حیرت کا باب وا ہو جاتا ہے کہ تنہا ان کی ذات ہے اور اس قدر علوم کثیرہ؟ کمپیوٹر آج کے دور کی ایجاد ہے جس کی میموری پر پوری دنیا انگشت بدنداں ہے اور یہ تصور کر رہی ہے کہ دور حاضر میں اس کے بغیر کام چل ہی نہیں سکتا ہے کہ یہ ایک وسیع سمندر ہے اس کی میموری میں ہر قسم کے معلومات پائے جاتے ہیں جب اور جس وقت چاہیں اس سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہم جھٹلا نہیں سکتے ہیں مگر میرے دوست یہ بات بھی کسی حد تک لائق اعتناء ہے کہ ۶۱ رعلوم اور اس کے اصول وکلیات اور اس کے فروع و جزئیات اور اس کے مسائل متخرجہ کو ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو اس کی گنتی کہاں تک پہونچے گی اس بات کا ہم لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کلکولیٹر بھی اس میں فیل ہو سکتا ہے اور کمپیوٹر بھی اپنی تنگدامنی کا شکوہ کر سکتا ہے.....لیکن امام احمد رضا کے دراک ذہن میں یہ تمام چیزیں مستحضر دکھائی پڑتی ہیں.....ذرا سوچیئے کیا یہ مقام حیرت نہیں؟ جن علوم کثیرہ پر آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی کسی یونیورسیٹی یا کسی جامعہ میں اتنے شعبے نہیں ہیں اس لئے

انصاف و دیانت اور فطری اعتدال کو اس اعتراف میں کوئی تردد نہیں کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی بذات خود ایک عظیم یونیورسیٹی اور جامعہ تھے ان کی تصنیفات اور رسائل نیز فتاوی اس بات پر شاہدِ عدل ہیں.... باب چہارم اب رفتہ رفتہ اپنے اختتام کو پہونچ رہا ہے کہ کسی بھی اضافی ترکیب کا تعارف تفضیلی انداز میں اس وقت تکمیل پاتا ہے جب اس کے اجزا یعنی ،،مضاف،،اور مضاف الیہ،،کا تعارف ہو جاتا ہے اور یہ تعارف یہاں ہو چکا تو اس بنیاد پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ،،مسلک اعلی حضرت،،کے تعارف سے بھی آپ آگاہ ہو چکے ہونگے اس کے لئے اب مزید کسی اور باب کی حاجت نہیں.....

☆☆☆☆

پانچواں باب

نسبت کا کمال

☆.....نسبت کا کمال

☆......لفظوں کا مزاج

☆......اس نسبت میں کمی کیا ہے؟

(نسبت کا کمال)

آپ نے ،،باب چہارم،، کا مطالعہ کر لیا ہوگا ،،مسلک،،اور ،،اعلیٰ حضرت،، سے متعارف بھی ہو گئے ہونگے ......یقیناً اس کے مطالعہ سے آپ کو علمی اور فکری بصیرت حاصل ہوئی ہوگی اور آپ کے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا .....مگر اس باب میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب کسی لفظ میں معنی کے اعتبار سے ابہام پایا جاتا ہے تو اس کے ازالہ کے لئے کبھی اس کا وصف بیان کر دیا جاتا ہے اور کبھی کسی اور کی طرف اس کی اضافت کر دی جاتی ہے مگر اس سلسلے میں وصف سے زیادہ مؤثر کسی اہم شخصیت کی طرف اس کی نسبت کر دینا ہے...... یہ نسبت اضافت کی صورت میں کارگر ثابت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ بات گشت کر رہی ہو کہ نسبت کے سبب صرف ابہام کا ازالہ ہی ہوتا ہے اس کے بعد نسبت غیر مؤثر ہو جاتی ہے یہ سوچ کسی سطحی فکر والے کی ہوسکتی ہے .....مگر وہ انسان جو سمندر کے ساحل پر کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ سمندر کی گہرائیوں میں اتر جانے کا عادی ہوتا ہے یہ نظریہ اس کا نہیں ہوسکتا ہے ....لفظ ،،مسلک،، کی نسبت ،،اعلیٰ حضرت،، کی طرف کرنے سے ایسا نہیں ہے کہ ،،مسلک،، کا صرف ابہام ہی دور ہوا ہے بلکہ ہم یہ کہتے

ہیں کہ اس ازالۂ ابہام کے ساتھ ساتھ مسلک میں وسعت و کشادگی کی راہیں بھی کھل گئیں کہ ،،مضاف الیہ جس قدر عظیم ہوتا ہے اس میں جس قدر کشادگی پائی جاتی ہے اسی کے اعتبار سے ،،مضاف،، میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے مسلک کی نسبت کسی عام انساں یعنی زید کی طرف کرنے میں اور بات ہے زید سے زیادہ اہمیت رکھنے والے خالد کی شخصیت کی جانب نسبت کرنے میں مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے اور کسی عالم دیں کی طرف نسبت کرنے میں جو شوخی اور رعنائی پائی جاتی ہے اس کا مرتبہ کچھ اور ہی ہوتا ہے اور جب اس کی نسبت امام اہل سنت کی طرف کی جائے تو اس میں جو جذب و کشش پائی جاتی ہے اس کا عالم کچھ الگ انداز کا ہوا کرتا ہے...... یوں تو آپ جس کی طرف چاہیں مسلک کی نسبت کر سکتے ہیں مگر آپ انسانوں کے جم غفیر میں سے کس عظیم شخصیت کا انتخاب کرتے ہیں یہ آپ کے ذوق و شوق پر انحصار کرتا ہے .،،مسلک،، کی نسبت کرنے میں بھی آپ کی ذہنی صلاحیتوں کا امتحان لیا جاتا ہے اور اس بارے یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپ کی فکر کی پرواز کہاں تک ہے؟ کیا آپ ،،شاہین،، بننا چاہتے ہیں یا کچھ اور چاہتے ہیں جو آپ کے من کی انگنائی میں رقص کر رہا ہو اس کے جلوؤں سے ہمیں بھی آشنا کیجئے ......آدمی لاکھ کوشش کرے بہترے ہاتھ پاؤں مارے مگر کوئی اعلیٰ حضرت نہیں بن سکتا ہے ......اسی لئے میں اس بات کا قائل ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات و شخصیت کی طرف مسلک کی نسبت کرنا ایک کرشمہ ہے ....ایک عجوبہ ہے ......اور تحیر کا ایک خوشنما باب ہے......فکر و استدلال کا ایک جہان تازہ ہے ......جس کسی نے یہ راز جان لیا وہ قسمت کا سکندر ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے عہد کا سب سے بڑا اور سب سے بہتر انسان بن جاتا ہے ..... بتایئے یہ کس کا کمال ہے؟ خوش نما لفظوں کا؟ ....نہیں!......گل بداماں تراکیب کا؟ نہیں اور ہرگز نہیں! کانوں میں رس گھولنے والے جملوں کا؟ ارے بھائی میں نے کہا نا نہیں! قطعی نہیں......جب ان سب کا کمال نہیں تو پھر کس کا کمال ہے؟ یہ کمال صرف اور صرف نسبت کا کمال ہے.....اسی نسبت کی بدولت مسلک کے انگ انگ میں خوشبوؤں کا

ایک وسیع ذخیرہ پایا جانے لگا ہے.....

لفظوں کا مزاج

جو ماہرین لفظیات ہیں وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ الفاظ اپنی فطرت کے اعتبار سے ارتقاء پذیر ہوتے ہیں اور وہ مزاج کے اعتبار سے سیال ہوتے ہیں اور جمود سے بہت دور ہوتے ہیں.... آج سے ۱۴؍سو سال پہلے حق کی آواز بلند ہوئی۔ اس میں سچائی بھی تھی شگفتگی اور رعنائی بھی اس میں حسن بھی تھا اور جذب وکشش بھی۔ اس میں لطافت بھی تھی اور جمالیات کی تابانی بھی..... یہ وہ اوصاف ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا مگر اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خوبیاں ہم تک کیسے پہنچیں؟ نہ تو کسی نے اس بارے میں ہم سے سرگوشی کی ....اور نہ ہی ہمارے دل میں کسی نے ،،القاء ہی کیا.... جہاں تک کشف کا معاملہ ہے اس بارے میں عرض ہے کہ ،،کشف،، ہمارے مزاج سے میل نہیں کھاتا اور نہ ہی ہمارا دل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ وہ کسی ،،کشف والقاء،، کا متحمل ہوسکے..... ذرا آپ ہی سوچئے کہ اس ،،آواز حق،، کے اوصاف ہم تک کیسے آئے؟ اور پھر کن راستوں سے ہمارے نہاں خانۂ دل میں روشن وتابناک ہوئے.... کسی بھی مسلک کے مطالعہ کے لئے اس طرح کا انداز بھی اپنانا چاہئے صرف سطحی سوچ سے کام لینے میں کس کی کیا بھلائی ہوگی؟

میرے دوست! الفاظ کیسے بھی ہوں؟ اور کسی بھی زبان کے ہوں وہ فطری طور پر ارتقاء پذیر ہوتے ہیں ان میں ایسی لچک ہوتی ہے کہ نہایت ہی سرعت کے ساتھ کسی بھی شخصیت کے اثرات کو قبول کرلیتے ہیں اور کسی بھی شخصیت میں پائی جانے والی تابانیوں، درخشانیوں کو اپنے اندر جذب کرلیتے ہیں۔ اسی لئے لفظوں سے خوشبوئیں آتی ہیں، ان میں ایسی تاثیری کیفیت ہوتی ہے کہ ذہنوں میں اتر جاتی ہیں اور اس کے راستوں سے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں..... ایسا ہرگز نہیں ہے کہ لفظوں کے تعلق سے اس قسم کے خیالات صرف ارباب فلسفہ ہی رکھتے ہیں بلکہ اسلامی نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ الفاظ ہی باادب ہوتے ہیں اور وہی بے ادب

ہوتے ہیں اسی لئے لفظوں پر اسلامی احکامات نافذ ہوتے ہیں...... ان کی تاثیر کیسی ہوتی ہے؟ اس بارے میں ایک بہت ہی معنیٰ خیز شعر ہے کہ

جراحات السنان لها التيام

لا يلتام ما جرح اللسان

اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ لفظوں میں وہ تاثیر ہوتی ہے جو تیر وسنان میں بھی نہیں ہوتی ہے اسی لئے نیزوں کے زخم بھر جایا کرتے ہیں مگر لفظوں سے جو زخم پہنچتے ہیں وہ کبھی نہیں بھرتے ہیں بلکہ یہ زخم اور بھی زیادہ گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظوں کی دنیا پل پل بدلتی رہتی ہے...... مگر لفظوں میں تبدیلیاں از خود نہیں ہوتی ہیں جب تک عظیم شخصیتوں سے انہیں نسبت ہوتی ہے وہ زندہ اور پائدار ہوتے ہیں اور اس میں زندگی کی رو برابر سرایت ہوکر رواں دواں رہتی ہے۔ بظاہر لفظوں کے تعلق سے یہ تصور نہایت ہی خشک دکھائی پڑتا ہے..... مگر اس پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو لفظوں کے انگ انگ سے انوار وتجلیات برستے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ اس منزل پر آکر ہم نہایت ہی وثوق اور یقین کامل کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ آواز حق کی جو خوبیاں ہم تک پہونچی ہیں وہ لفظوں کے سہارے پہنچی ہیں اور اسی کے دوش پر سوار ہوکر ہمارے ذہنوں اور دلوں میں اپنی کرنیں بکھیر رہی ہیں......

مسلک اعلیٰ حضرت میں جو ،،مسلک،، آیا ہے یہ بھی دوسرے لفظوں کی مانند ایک لفظ ہے اس میں بھی تاثیری کیفیت وہی ہے جو دوسرے لفظوں میں پائی جاتی ہے۔ ہم اسے لفظوں کے زمرے سے خارج نہیں کرسکتے......

اس نسبت میں کمی کیا ہے؟

مسلک کی نسبت کسی کی طرف بھی ہو اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس بات کو اہل علم جانتے ہیں اس میں نہ کسی طرح کی ژولیدگی ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی

کوئی کجی پائی جاتی ہے مگر یہ کیسا حسن اتفاق ہے؟ کہ جب ہم ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کہتے ہیں نہ معلوم کتنوں کی آنکھوں کا زاویہ بگڑ جاتا ہے اور بہت سے افراد کی جبینوں پر شکنیں نمودار ہوجاتی ہیں اور پھر تیوری ایسی چڑھتی ہے جیسے پھن مارتا ہوا سانپ....ارے بھئی.... ہم نے کوئی گالی تو نہیں دی....ہم نے تو نہایت ہی حسیں اور خوبصورت لفظوں کا استعمال کیا ہے......ہم ایسے ہی ناک بھوؤں چڑھانے والوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کیا،،مسلک،،کا لفظ اچھا نہیں ہے؟ یا لفظ،،اعلی حضرت،، میں کسی طرح کی کوئی کمی ہے؟ آپ کے دل میں جو بھی ہوا سے دل کھول کر بیان کر دیجئے.....جو بات حق ہو اس کے بیان کرنے میں قباحت کیا ہے؟ اسی دنیا میں اچھے بھی رہتے ہیں اور برے بھی رہتے ہیں۔اسی زمین پر،،لالہ وگل،،بھی اُگتے ہیں اور دھتورا کا پھول بھی یہاں دکھائی دیتا ہے ہم پھر دوبارہ اپنی بات دہراتے چلیں کہ بتایئے اس میں ،،مسلک،،برا ہے یا،،اعلیٰ حضرت،،یا پھر دونوں برے ہیں اس کے بیان کرنے میں شرمندگی کا احساس کیوں؟

اس میں اگر،،مسلک،،برا ہے تو پھر اس کی نسبت امام احمد رضا کی ذات کے علاوہ کسی اور کی طرف جائز کیوں؟ خواہ وہ ذات کسی کی بھی ہو...... برا تو ہر حال میں برا ہوتا ہے۔یہاں بھی اور وہاں بھی....اس کی طرف نسبت کی جائے یا اس کی طرف نسبت کی جائے۔اسے اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے اگر،،مسلک،،برا ہے تو،،اعلیٰ حضرت،،کے لئے بھی برا ہے،،غوث اعظم،،کے لئے بھی برا ہے پھر اس کی نسبت،،امام اعظم،،کی طرف کیوں کی جائے برا تو ان کیلئے بھی برا ہے.....آپ کہیں یا نہ کہیں مگر رخ تاباں کے خدوخال اس بات کی چغلی کھا رہے ہیں کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ میرے دوست اس بات سے آپ بخوبی واقف ہونگے کہ دلوں کی بات آنکھوں کے راستے سے باہر آجاتی ہے خواہ وہ عشق ہو یا عداوت ہو وفاداری ہو یا بیوفائی سب کی ایک ہی نوعیت ہوتی ہے سرِ مو اس میں فرق نہیں ہوتا ہے اس لئے لفظ،،مسلک،،میں کوئی کمی نہیں ہے.... ہاں کمی صرف ہماری سوچ میں ہے

اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ یہ ان کے سوچنے کی بات ہے جو،،اعلیٰ حضرت،،کی طرف اس کی نسبت کا انکار کرتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں لفظ،،اعلی حضرت،، میں بھی کوئی کمی نہیں ہے نہ صیغہ کے اعتبار سے اور نہ ہی معنی کے اعتبار سے صیغہ کے اعتبار سے ظاہر ہے جہاں تک معنی اور مفہوم کی بات ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ،،امام احمد رضا،،کے لئے اس لفظ،،کے استعمال سے پہلے جس کے لئے بھی اس کا استعمال ہوا ہو....اس استعمال کی جو نوعیت تھی وہی نوعیت،،امام احمد رضا ،،کے لئے اس کے استعمال میں پائی جاتی ہے ہاں! دونوں کے استعمال میں جو فرق ہے جو فاصلہ ہے وہ معیار کا فاصلہ ہے پہلے اس کے استعمال کا معیار،نوابیت،تھا اور اب اس کے استعمال کا معیار نوابیت نہیں بلکہ کمال علم وفن،خدمت دین متین،اور صفائے قلب ونظر ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ لفظ اعلی حضرت میں کوئی کمی نہیں ہے تو اصولی طور پر اب یہ بات لائق تسلیم ہوگی کہ جب مسلک بھی اپنے مقام پر صحیح ہے اور لفظ اعلیٰ حضرت بھی درست تو ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کے مابین جو نسبت و اضافت ہے اس میں بھی کوئی کمی نہیں.....کہ نسبت کا تصور مابین کے تصور پر موقوف ہوا کرتا ہے نہ صرف تصور ہی موقوف ہوتا ہے اس کا وجود بھی موقوف ہوتا ہے اب یہ نسبت مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ایک،،واسطہ اور ایک رابطہ،،ہے اسی مقام سے ترقی اور وسعت و کشادگی کی راہ ہموار ہوتی ہے یہی وہ نسبت ہے جو،،مضاف الیہ،،سے کچھ لیتی ہے اور،،مضاف،،کے دامن کو بھرتی ہے......اسی مقام سے،،نسبت،،کا کمال نمایاں ہوتا ہے جسے ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں

الف....مسلک باعتبار لغت زمین کا وہ حصہ کہلاتا ہے جو راستہ کے طور پر استعمال میں آتا ہے جو،،محسوس،،اور مادی ہوتا ہے مگر نسبت کا کمال دیکھئے کہ اس نے ،،مسلک،،کی ہیت ہی بدل ڈالی۔۔اب مسلک محسوس نہیں معقول ہے یہ ارتقاء ادنیٰ سے اعلی کی طرف ہوا جسے ہم فطری ارتقاء سے تعبیر کرتے ہیں...

ب.....اسی نسبت کا دوسرا کمال یہ ہے کہ مسلک اعلی حضرت میں،،مسلک،،محدود نہیں ہے بلکہ وہ نہایت ہی وسیع اور کشادہ ہے مضاف الیہ میں جیسی جیسی وسعت آتی ہے اسی کے تناسب سے مضاف یعنی مسلک میں بھی وسعت آئیگی اس کا سبب یہ ہے کہ اس ترکیب میں ،،مضاف،،مضاف الیہ،،کا تابع ہوا کرتا ہے

ج....اسی نسبت کا تیسرا کمال یہ ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت نے جو بھی نظریہ پیش کیا جو بھی علمی فنی اور تہذیبی خدمات انجام دیئے وہ سب کہاں سماتے ہیں؟ کہیں نہیں! یہ سب کے سب آ کر مسلک کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی کو وسیع تر کرتے ہیں

د......اس نسبت نے مسلک کو وہ دیا جس کے بارے میں ہم کہہ نہیں سکتے کہ کیا دیا اور کیا نہیں دیا؟ اسی مسلک میں قلبی واردات بھی ہیں اور ذہنی خیالات بھی، اسرار و رموز بھی ہیں اور تصوف وسلوک بھی ....سوز بھی ہے اور گداز کی کیفیت بھی ہے ...احساسات بھی ہیں اور ادراکات بھی ....عشق کا تصور بھی ہے اور محبت کی سپردگی بھی ہے۔۔۔وہ کیا ہے؟ جو مسلک میں نہیں ہے! ہے اور بہت کچھ ہے اتنا کچھ ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے علمی دینی اور مذہبی خدمات پر تقریباً ۷۵۰/کتابیں لکھیں جا چکی ہیں اس کے باوجود امام احمد رضا کے خدمات پر سیر حاصل گفتگو نہیں ہوئی ہے لکھنے والے لکھتے چلے جا رہے ہیں تقریر کرنے والے تقریریں بھی کر رہے ہیں اور امام احمد رضا کی ذات و شخصیت اور ان کے علوم و فنون ہیں جو ختم ہونے کا نام تک بھی نہیں لیتے ہیں اور نہ اس کی درخشانیوں میں کسی طرح کی کوئی کمی ہے......میرے دوست یہ کس قدر حقیقت کی بات ہے کہ جو مسلک بصورت نیر تاباں اجالے بانٹ رہا ہو.....اسی کی طرف ترچھی نگاہ.....حیف ہے اور صد حیف ہے

☆☆☆

چھٹا باب

مسلکِ اعلیٰ حضرت کی حقیقت

- ☆........حقیقت کی توضیح وتشریح
- ☆........مسلک اعلی حضرت کسی انفرادی آواز کا نام نہیں
- ☆........مسلک اعلی حضرت کی حقیقت اوراس کا مصداق
- ☆........حیثیت اولیٰ
- ☆........حیثیت ثانیہ
- ☆........مسلک اعلی حضرت اور فرقۂ ناجیہ کے عقائد ومسائل

مسلک اعلیٰ حضرت کی حقیقت

حقیقت کی توضیح وتشریح......

حقیقت وہ ہوتی ہے جس سے کسی ،،شئی ،،کا وجود اور تحقق ہوا کرتا ہے شئی اور اس کی حقیقت کا رشتہ بہت زیادہ گہرا ہوتا ہے اٹوٹ اور ان مٹ ہوتا ہے اگر شئی ہے تو اس کی حقیقت بھی ہوگی اور جب کوئی ،،شئی ،،ہی نہیں تو پھر حقیقت کہاں سے ہوگی؟ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں ان میں سے کسی ایک کی نفی دوسرے کی نفی کو لازم اور دوسرے کی نفی سے پہلے کی نفی لازم..... یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف اہل علم کا ہر ایک طبقہ کرتا ہے علم وفن کی دنیا میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کا انکار کرتا ہو انکار تو بڑی بات ہے اس بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے ......اس باب میں موضوع بحث ،،مسلک اعلیٰ حضرت ،،اور اس کی حقیقت ہے....مگر اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ ،،مسلک اعلی حضرت ،،کا استعمال کسی عام آدمی کا کیا ہوا نہیں ہے بلکہ نسل انسانی کے اس دانشور طبقے کا استعمال کیا ہوا ہے جس طبقہ سے تعلق رکھنے والے سبھی افراد اپنے اپنے دور کے درخشاں ستارے تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی جماعت میں ،،نیر تاباں ،،کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی کوئی نہ کوئی حقیقت بھی ہوگی یہ

اور بات ہے کہ ابھی تک کسی نے بھی اس کا تعین نہیں کیا ہے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے اس کی حقیقت کا تعین کیا جاتا پھر اسے بحث کی میز پر لایا جاتا اور اس کے تعلق سے جو فیصلہ ہوتا کیا جاتا.....اس کے باوجود اس کے تقاضے کا خیال نہیں رکھا گیا اور براہ راست مسلک اعلیٰ حضرت کا انکار کر دیا گیا....اس طرح کا فیصلہ کسی پر تھوپنا یقینی طور پر زور زبردستی ہے.....خیر یہ اس کا ذوق عمل ہے وہ جانے ہمیں تو اثباتی انداز میں چل کر اپنے مدعا کو ثابت کرنا ہے اس طرح کے رویے سے مختلف فائدے حاصل ہوتے ہیں....وہ فائدے کیا ہیں ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں اس امید کے ساتھ کہیں دلوں میں بات اتر جائے اور بگڑے ہوئے مزاجوں میں کسی بھی پہلو سے شگفتگی پیدا ہو جائے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کسی انفرادی آواز کا نام نہیں

اگر یہ کسی انفرادی آواز کا نام ہوتا تو اسے دبایا جاسکتا تھا یا پھر اس کا انکار کرنا آسان ہو سکتا تھا مگر اس دور ارتقاء میں انفرادیت کو دبانا بھی دانشمندی نہیں ہے اس دور کا مزاج یہ کہتا ہے کہ انسان کے اندرون خانہ سے جو آواز نکلے اس پر لگام نہ کسنا چاہئے بلکہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور اس کے پس پردہ جو جذبات اور محرکات ہیں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے مگر شرط یہ ہے کہ اس آواز میں جماعت سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت پائی جائے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت نہ صرف ایک جماعت کی آواز ہے بلکہ یہ سوادِ اعظم کی آواز ہے ذیل کے مضامین پر غور کیجئے اس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟ اور اس میں کسقدر آوازیں شامل ہیں؟

الف..... جب کوئی اصطلاح سامنے آتی ہے تو پہلے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس بات کا تعین کیا جائے کہ کن حالات کی روشنی میں اسے شرف وجود سے مشرف کیا گیا ہے کیا اس طرح کی کوئی سنجیدہ کوشش کی گئی؟ ہم سمجھتے ہیں اس بارے میں ہماری جماعت کے ایک ایک فرد کا جواب نفی میں ہوگا.....اگر ہمارا حریف ،،مسلک اعلیٰ حضرت ،،کی اصطلاح کا

انکار کر کے مجرم بنا کھڑا ہے تو کہیں نہ کہیں ہم جماعتی طور پر اس تسامح کے ذمہ دار بھی ہیں۔

ب......کہا جاتا ہے دانشور کا قول کبھی غلط نہیں ہوتا ہے میرا اپنا ماننا ہے اس قول میں سچائی ضرور ہے اس لئے ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کے بولے جانے پر ہر ایک کی ذمہ داری تھی انفرادی طور پر بھی اور جماعتی انداز میں بھی کہ وہ اپنے فکر و دانش اور خداداد صلاحیتوں کے بوتے پر،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کا مطالعہ کرتے اس کی حقیقت اور اس کے مسائل نیز اس کے دیگر موضوعات پر سیر حاصل بحث کرتے اور پھر ایک انسائکلو پیڈیا کے طور پر اپنے مطالعات اور اس کے نتائج پیش کرتے ایسی عظیم شخصیت اور ان کے تعلیمی سرمائے کی حفاظت وصیانت جماعتی ذمہ داری تھی مگر اس سلسلہ میں کس نے کیا کیا؟ کوئی بھی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوا دور حاضر کا یہ کیسا المیہ ہے؟ کہ قصور ہم کریں اور الزام دوسروں کے سر تھوپیں

ج..... بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اصطلاح غلط ہے تو ہمارا یہ فرض بنتا تھا کہ ہم اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ ہمارے اسلاف کی پسندیدہ اصطلاح ہے انہوں نے خود اسے استعمال کیا تھا اور ہم جیسے چھوٹے لوگوں کو بھی اسے استعمال کرنے کی تلقین کی ہے ایسی صورت میں اس پر تنقید کرنا اپنے اسلاف کی عزت اور آبرو سے کھیلنا ہوگا مگر یہ افراد عقل کے ایسے کھوٹے ثابت ہوئے کہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی ہے.....

د.....اگر یہ غلط ہے تو یہ پہلے بھی غلط تھا یا یہ صرف اسی دور میں غلط ہے اس کا تعین فرما دیجئے اگر یہ پہلے بھی غلط تھا تو اس دور میں اس کے خلاف کوئی آواز کیوں نہ اُٹھائی گئی اور اگر صرف اسی دور میں غلط ہے تو یہ غلط کیوں ہے؟ اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟

جہاں تک ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کی حقیقت کی بات ہے اس بارے میں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اس کی اصل حقیقت صرف اور صرف ،،ما انا علیہ واصحابی،، ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راستہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں...... امام احمد رضا فاضل بریلوی کی جو

تعلیمات وارشادات ہیں انہوں نے جو ہدایتیں جاری کی ہیں وہ سب کے سب،، ما انا علیہ و اصحابی ،، کے عین مطابق ہیں ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، میں اس سے سرمو انحراف نہیں پایا جاتا ہے....اسی لئے کہا گیا ہے،،اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ،،میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی کی بھی اتباع کرلو تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اہل علم سے مخفی نہیں کہ کسی بھی فن کی حقیقت اس کے مسائل ہوا کرتے ہیں اور کسی دوسرے فن سے امتیاز کے لئے کسی نہ کسی حیثیت کا اضافہ کردیا جاتا ہے جسے ہم فصل سے تعبیر کرتے ہیں

مسلک اعلیٰ حضرت کی حقیقت اور اس کا مصداق

جو افراد گہری نظر رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ،،مسلکِ اعلیٰ حضرت ،، کا مطالعہ مختلف حیثیات سے کیا جاسکتا ہے اسے آپ جس حیثیت سے بھی دیکھیں گے اس میں ہر ایک زاویہ سے جمال ورعنائی اور جذب وکشش ہی دکھائی پڑے گی اس مقام پر ہم اسے صرف دو حیثیت سے مطالعہ کریں گے...

پہلی حیثیت......

دوسری حیثیت.....

پہلی حیثیت.......مسلکِ اعلیٰ حضرت ایک اصطلاح ہے جسے اہل علم وفن اور ارباب فکر ودانش نے وضع کیا ہے اس حیثیت سے یہ ایک،،منقول عرفی،، ہے عرف عام اور عرف خاص میں اس کے استعمال کرنے کے اعتبار سے،،مسلکِ اعلیٰ حضرت،، ایک ،،اسم،، ہے اور جب یہ،،اسم،، ہے تو اس کا ایک مسمّٰی بھی ہوگا اور اس کا ایک ،،موضوع لہ،، بھی ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم اور مسمّٰی کے مابین ،،وضع،، کا عمل دخل ہوا کرتا ہے کہ جب تک ،،وضع ،، آپنی کارروائی نہیں کرتی اس وقت تک ایک دوسرے کے لئے خاص نہیں ہوسکتا ہے یہ وضع کا ہی اثر ہے،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کسی کے لئے خاص ہے اور اس کا مسمی وہ ہے جس کے لئے یہ خاص ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس کا مسمّٰی کون ہے؟ اور ہماری جماعت کے

ارباب حل وعقد نے ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کوکس کے مقابلہ میں وضع کیا ہے تو اس بات کی جانکاری کے لئے ہمیں اس کے پسِ منظر میں جانا ہوگا.....مسلک اعلیٰ حضرت۔ جس وقت وضع کے مرحلوں سے گزر رہا تھا اس وقت ہم سمجھتے ہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تمام تعلیمات، اصلاحات، رشد وہدایات، ارشادات اور تعمیری واثباتی تمام اقدامات منظر عام پر آچکے تھے خواہ وہ تعلیمات مطبوعہ کی شکل میں ہوں یا پھر غیر مطبوعہ کی صورت میں...... یہ سبھی تعلیمات اس ،،وضع ،،کے مقابلہ میں تھیں...... ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ارباب حل وعقد نے ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کووضع کرتے وقت امام احمد رضا کی تحقیقات اور علمی فنی نگارشات میں سے کچھ کو مستثنیٰ کیا ہو؟ تاریخ میں اس طرح کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے اگر کسی کی نگاہ میں اس طرح کا کوئی سراغ ہے تو ہم ان سے نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ اس بات کی اپیل کرتے ہیں کہ وہ نشاندہی کریں.....اور اگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے تو لامحالہ ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کا اطلاق اور اس کا مسمیٰ یا ،،موضوع لہ،،امام احمد رضا کی کل تعلیمات ہے اور ساری تحقیقات ہے اعتقادیادات، فقہیات، تفسیرات، احادیث ،صرفیات، نحویات، ادبیات، افکار ونظریات اور جدید مسائل بھی اس کے اطلاق کے دائرہ میں آگئے ہیں ان کی تصنیفات میں درج کوئی بھی علمی یا فنی تحقیق اس اطلاق سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی اس کے دائرہ سے خارج ہے......اس تفصیلی مباحث کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ،،مسلک اعلیٰ حضرت،،ایک وژن ہے اور ان کی تمام تر تصنیفات اس وژن کے وسیع دائرے ہیں یا پھر اس کے روشن اجالے ہیں.....انہیں علمی، فنی، تحقیقی، معاشی، معاشرتی اور سماجی نیز سیاسی بصیرت وقیادت پر،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی حقیقت صادق آتی ہے ان کی تمام تعلیمات وارشادات کے مابین ایک خاص قسم کی خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ ان کے علمی کارناموں میں سے ہر ایک کارنامہ ایک دوسرے سے منسلک ہے اور اس میں مکمل نظم وضبط پائے جاتے ہیں اسکے برخلاف کسی اور مصنف کے یہاں اس طرح کے نظم وضبط کا

فقدان نظر آتا...... ہمارا یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ایسا ہی ہے یہ اور بات ہے کہ یہ سربستہ راز ہمارے سامنے نہ ہو....اور کبھی ایسا ہوتا ہے،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی خوبیاں تو رات کے اندھیروں میں بھی چمک رہی ہوتی ہیں اور دن کے اجالوں میں بھی... اس کے باوجود کچھ نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ان خوبیوں کو دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی ہے......ایسے ہی افراد اپنی ناقص کارکردگی کے سبب انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے مضر ثابت ہوتے ہیں اس لئے ایسوں کی دوستی سے بچنے میں ہی فائدہ ہوتا ہے دور حاضر میں بھی اس طرح کے افراد قومی وملی سطح پر ہمارے لئے بھی اور جماعتی ہم آہنگی کے لئے بھی ببول کے کانٹے ثابت ہورہے ہیں ہم ایسوں کو کیا نصیحت کریں؟ یہ اس قدر کم ظرف ہیں کہ خود اپنی نا لائقی کا ثبوت فراہم کررہے ہیں خدا خیر کرے ایسے انسانوں کا جو خود بھی نقصان اٹھا رہے ہیں اور دوسروں کے کاز کو بھی زک پہو نچا رہے ہیں

دوسری حیثیت

،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ صرف اسم ولقب ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے لئے امتیاز اور علامتی نشان بھی ہے،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی یہ حیثیت ایک اضافی حیثیت ہے جس پر تمام علمائے اہل سنت وجماعت کا اجماع ہو چکا ہے اور اس پر اجماع بھی کسی ایک دور کے علماء کا نہیں ہے بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے وصال سے اب تک کے تمام ،،علمائے اہلسنت وجماعت،،کا ہے۔قوم وملت کے تمام دانشوروں اور مفکروں کا اجماع ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس دور کے تمام علماء فضلاء اور صلحاء، زہداء کا بھی اجماع ہے آپ سے گزارش ہے ،،امتیاز اہل سنت،،(مرتبہ مولانا رحمت اللہ صدیقی) کا مطالعہ کیجئے اس اجماع کا آپ کو اندازہ ہو جائیگا.....مسلک اعلی حضرت کا یہ وہ پہلو ہے جس پر شعور کو بھی ناز ہے اور فکر کو بھی فخر ہے انفرادیت اس پر ناز کرتی ہے اور اجتماعیت بھی.....اس پر عوام کو بھی اعتماد ہے اور خواص کو بھی اس پر بھروسہ ہے اگر اس چمکتے دمکتے پہلو سے کوئی انکار

کرتا ہے یا پھر اس روشن و تابناک باب سے کوئی بیر رکھتا ہے تو ہم اسے کیا کہیں؟ اور اسے کس نام سے پکاریں؟ اگر ہم ایسوں کو سر پھرا کہیں تو یہ زیادتی ہوگی اور بیوقوف کہیں تو یہ ان کیلئے ان کے شان شایاں کے خلاف ہوگا اور اگر اسے عصبیت کا نام دیں تو یہ بھی انصاف نہیں ہوگا کہ ان کے صاف شفاف دامن پر آفتاب و ماہتاب کی کرنوں کا گماں ہوتا ہے نہیں نہیں ہم ایسا نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ آسماں ہیں اور میں زمیں پر پڑا ہوا ایک سیاہ پتھر......اس لئے ہم اس پہلو کو اپنے قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں ان کا جو فیصلہ ہوگا اسے تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی باک نہیں ہے اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ انساں کو ہمیشہ چھوٹا بن کر رہنا چاہئے کہ اس میں ٪۱۰۰ رفائدہ ہے کسی بھی پہلو سے ٪۱۰ رکا بھی نقصان نہیں ہے

شاید ہمارا کچھ ایسا خیال ہے کہ آپ کے ذہن شریف میں ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کی حقیقت اور اس کی اضافی حیثیت کا مصداق متعین ہو گیا ہوگا۔ اور اگر اب بھی متعین نہیں ہوا ہے تو ہماری بات غور سے سنی جائے کہ اسی میں بھلائی ہے امام احمد رضا کی تعلیمات کا وہ پہلو جس میں باطل فرقوں کا رد پایا جاتا ہے یہی اس کی حقیقت اور اس کی اضافی حیثیت کا مصداق ہے اسی کے دائرہ میں وہ مسائل اور موضوعات بھی شامل کئے جائیں جو ہمارے اور ان کے مابین باعث نزاع ہیں جیسے تکفیر کے مسائل اور دوسرے ،، مابہ النزاع ،، موضوعات وغیرہ وغیرہ ....جیسے تکفیر علمائے دیوبند ،اور اس سے متعلق دوسرے مسائل امکان کذب، توہین رسالت، علم غیب ،شفاعت ،اور معمولات اہلسنت اعراس اور چادر وگاگر وغیرہ.......

،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کے تعلق سے دونوں حیثیتوں کا ذکر ہو چکا ہے اور اس تحقیق سے آپ یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کی حقیقت اور اس کی اضافی حیثیت کا مصداق خود اس کے مسائل ہیں ....مسلک اعلیٰ حضرت،، کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ مسلک اہل سنت و جماعت ہے صحابہ و تابعین اور امام اعظم کا مسلک ہے اس میں بھی وہی

عقائد اور مسائل پائے جاتے ہیں جو پہلی صدی ہجری میں فرقہ ناجیہ کے عقائد اور مسائل تھے۔

پہلی صدی ہجری میں فرقہ ناجیہ کے عقائد و مسائل درج ذیل ہیں

(۱).عالم حادث ہے برخلاف بعض غلاۃ کے کہ وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں

(۲).....اللہ موجود ہے جب کہ باطنیہ کہتے ہیں کہ اللہ نہ موجود ہے اور نہ ہی معدوم ہے

(۳) اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں برخلاف قدریہ کے کہ وہ بندوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں.

(۴) اللہ تعالیٰ قدیم ہے جب کہ معتزلہ کہتے ہیں قدم اللہ کی صفت نہیں

(۵) اللہ تعالیٰ علم ،قدرت اور تمام صفات جلالیہ سے متصف ہے برخلاف منکرین صفات باری تعالیٰ کے

(۶) اللہ تعالیٰ کے لئے شکل وصورت نہیں برخلاف مشبہ کے

(۷) اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک متقابل نہیں۔ جب کے حابطیہ دو خدا کے قائل ہیں

(۸) وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا برخلاف بعض غلاۃ کے

(۹) اس کی ذات کے ساتھ حوادث کا قیام نہیں برخلاف کرامیہ کے

(۱۰) وہ کسی حیز اور جہت میں نہیں

(۱۱) اس کے لئے حرکت انتقال جہل اور کذب ممکن نہیں نہ صفات نقص میں سے کوئی صفت برخلاف ان کے جنہوں نے اللہ کے لئے ان عیوب اور صفات نقص کو جائز کہا ہے جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا

(۱۲) مومنین قیامت میں اللہ تعالیٰ کو بغیر انطباع اور بغیر شعاع کے دیکھیں گے

(۱۳) جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو کچھ نہیں چاہا نہیں ہوا

(۱۴) وہ غنی ہے اور کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں

(۱۵) اس پر کوئی چیز واجب نہیں اگر ثواب عطا کرے تو اس کا فضل ہے اور اگر عذاب

دے تو اس کا عدل ہے

(۱۶) اس کے فعل کے لئے کوئی غرض نہیں

(۱۷) اس کے سوا کوئی حاکم نہیں

(۱۸) اس کے اس کے کسی فعل یا حکم کو ظلم یا جور نہیں کہا جاسکتا ہے

(۱۹) متبعض نہیں

(۲۰) اس کے لئے حدو نہایت نہیں

(۲۱) معاد جسمانی حق ہے اسی طرح بدلہ دینا محاسبہ کرنا صراط اور میزان حق ہیں

(۲۲) اس نے جنت و دوزخ پیدا کیا ہے

(۲۳) جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بخش دے

(۲۴) شفاعت حق ہے

(۲۵) معجزات کے ساتھ رسول کی بعثت حق ہے

(۲۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اسی ترتیب سے ان کی افضلیت بھی ہے

(۲۷) اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں ہوگی مگر اس کی جو اللہ کے صانع، قادر اور عالم ہونے کا انکار کرے یا شرک کرے یا نبوت کا انکار کرے یا اس چیز کا انکار کرے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریع لایا جانا ضرورۃً معلوم ہو یا کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کرے مثلاً ان محرمات سے نکاح کو حلال جانے جن کی حرمت پر اجماع ہو چکا ہے تو اگر وہ اجماعی مسئلہ ضروریات دین سے ہو تب تو اس کا صورت مذکورہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور اگر وہ اجماع ظنی ہو تو اس کا انکار کفر نہیں اور اگر اجماع قطعی ہو تو اس میں علماء کا اس میں اختلاف ہے اور اس کے علاوہ کا قائل بد مذہب ہے کافر نہیں......

(فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد ص ۶۹/۷۰)

فرقہ ناجیہ کے مذکور بالا،، عقائد و خیالات،، کو سامنے رکھتے ہوئے امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیجئے آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جائیگا کہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، میں بھی یہی،، عقائد اور خیالات،، پائے جاتے ہیں...... اس لئے میں نے ان خیالات کو،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کی حقیقت سے تعبیر کیا ہے...... معتزلہ سے جب اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے،، فرقہ ناجیہ،، نے اپنے آپ کو،، اہل سنت و جماعت،، سے موسوم کیا۔ ایسا نہیں کہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، اس سے غافل رہا۔ بلکہ اس نے بھی اس،، علامتی نشان،، کو اپنی حقیقت میں شامل کرلیا، اسی لئے جب وہابیت سے امتیاز کے لئے،، تقلید،، کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا تو تقلید بھی اس کی حقیقت کا ایک جز قرار دے دی گئی اس بنیاد پر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ،، مسلک اعلیٰحضرت،، کی حقیقت میں فرقہ ناجیہ کے عقائد بھی ہیں اور اہل سنت و جماعت کے معمولات بھی اور تقلید بھی اس کی حقیقت میں شامل ہے اس انطباق کے باوجود اگر کوئی،، مسلک اعلیٰ حضرت،، یا بریلویت کو،، جدید فرقہ سے تعبیر کرتا ہے تو اسے اپنی سوچ کا علاج کرنا چاہئے دور حاضر میں اس طرح کی منفی سوچ نہایت ہی افسوس کی بات ہے اس طرح کی منفی سوچ کسی بھی صورت میں اسلاف شناسی نہیں ہوسکتی! ہاں بہتر یہی ہے کہ اسے اسلاف بیزاری کا نام دیا جائے

تقلید کے بعد ہندوستان میں،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کے،، علامتی نشان،، بعد کسی کے مسلک کو بھی علامت کے طور استعمال نہیں کیا گیا ہے ممکن ہے کسی کو میری ان باتوں سے اذیت پہونچے اور ان کے دل کو ٹھیس... لیکن ہم نے جو باتیں کہی ہیں ان میں سچائی ہے، صداقت ہے اور واقعیت پائی جاتی ہے...... مسلک اعلیٰ حضرت،، کے اصطلاح ہونے سے انکار کرنا..... اسے ہم نہ صرف غلط اور خطا سے تعبیر کر سکتے ہیں بلکہ یہ دور حاضر کے تمام فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے...... اس خاک دان گیتی میں بہت سے فتنوں نے جنم لیا جو گردش لیل و نہار کے سہارے پروان چڑھتے رہے اور فروغ پاتے رہے جب ہم ان فتنوں کا جائزہ

لیتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی فتنہ بیک نظریہ ہے یا بدو نظریہ ہے ا
س سے آگے بڑھیئے تو سہ نظریہ ہے یا اس سے بھی زیادہ ہے......مگر،،مسلک اعلیٰ حضرت،، سے انکار کرنا یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو نہایت ہی مہلک اور مضر ہے سطحی نظر سے دیکھیں تو اس میں آپ کو کوئی خرابی نظر نہ آئیگی......مگر جب آپ اسے موجودہ حالات اور ان حالات کو گزشتہ سے پیوستہ کر کے مطالعہ کریں اور اس کے پیچھے کارفرما جذبات میں جھانکیں تو آپ محسوس کریں گے کہ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، سے اختلاف کی اب تک جس قدر آوازیں بلند ہوئیں ہیں ان میں سب سے زیادہ نقصان دہ یہی انکار ہے......جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہ نظریہ یونہی اچانک منظر عام پر نہیں آیا! بلکہ برسوں اس پر محنت کی گئی ہے اور سازش رچنے والی ذہنیت نے کافی تگ و دو کے بعد یہ کھچڑی پکائی ہے......اس کے بعد ہی اس فتنہ جن کو بوتل سے باہر چھوڑا گیا ہے

بہر حال اس کے تعلق سے ہم بعد میں گفتگو کریں گے اور اس کے مضر اثرات سے ہم آپ کو آگاہ کریں گے فی الحال اتنا سمجھ لیں کہ ہمارا مخالف بہت ہی زیادہ چالاک ہے وہ ہمارے آشیانوں کو جلا کر اپنے ہاتھوں کو سینکنے کی کوشش کر رہا ہے ہمارا فرض بنتا ہے ہم اس سے دور رہیں اور اپنے احباب کو بھی دور رکھیں اسی میں ہماری اور ہماری جماعت کا فائدہ ہے......نہیں بلکہ یہی نجات کی راہ ہے یہی وہ راستہ ہے جس سے گزر کر مسلمان جنت کی کیاری میں جا سکتا ہے......مسلک اعلیٰ حضرت کو مت بھولئے....کہ یہ بھی بھولنے کی کوئی چیز ہے؟ ہاں اگر بھولنے کی کوئی چیز ہے! تو وہ غیروں سے دوستی ہے......ان سے موالات کو قائم رکھنا ہے......جس راہ پہ وہ چل رہا ہے اس راہ سے الگ ہو کر چلنا ہے.....وہ صرف سرکار کا مخالف نہیں ہے بلکہ ان کی بارگاہ کا گستاخ ہے، بےادب ہے.....ذرا ان کی جرأت تو دیکھئے کہ اس نے ہمارے خدا کو جھوٹا کہا ہے....یہ کس قدر خطرناک انسان ہے کہ یہ وہاں پہونچ گیا جہاں ہر کوئی ادب سے جاتا ہے اور نہایت ہی خشوع خضوع کے ساتھ جاتا ہے......اس

بارگاہ کا ادب اور احترام نہ صرف ضروری ہے بلکہ تمام فرائض میں سب سے زیادہ اہم فریضہ ہے اس بارگاہ سے جو ہوائیں آتی ہیں ان کا بھی ادب بجا لانا چاہئے کہ عشق اور محبت کا یہی تقاضا ہے......انہیں دل و جاں سے چاہنے کا یہی شیوہ ہے....یہی ایمان ہے اور یہی جان ایمان ہے......ذرا سوچئے! میرے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا......واللہ انی فرط لکم......بے شک میں تمہارے لئے میر ساماں ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ کل میرے حوض پر سبھی لوگ آئیں گے اپنے بھی اور غیر بھی......وہ بھی آئیں گے جو ان کو چاہتے ہیں اور وہ بھی آئیں گے جو ان کو نہیں چاہتے ہیں کہ ان کو آنا ہی ہوگا اگر نہیں آئیں گے تو پھر کہاں جائیں گے....؟.وہاں کا یہ عالم ہوگا کہ وہاں ایسی کوئی جگہ نہ ہوگی جہاں جا کر کوئی ڈوب مرے.....ان کی بارگاہ کا گستاخ ہونا کس قدر بڑی بات ہے کبھی اس پر غور کیا جائے

☆☆☆

ساتواں باب

تاریخی پسِ منظر

☆..........تمہیدی گفتگو

☆..........عہد رضا کا تاریخی پس منظر

مسلک اعلیٰ حضرت اور تاریخی پسِ منظر

تمہیدی گفتگو

مسلک اعلیٰ حضرت،، کے تعارف اور اس کی حقیقت سے آشنا ہونے کے بعد ضرورت ہے کہ اس کا تاریخی پس منظر پیش کر دیا جائے کہ جب کسی کا مطالعہ اس کے تاریخی پسِ منظر میں کیا جاتا ہے تو اس میں لطف ومزہ دوبالا ہو جاتا اور اس کی حقیقت اس طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ کوئی اسے بھلانا بھی چاہے تو نہیں بھلا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت نہ صرف ذہنوں میں پیوست ہوتی ہے بلکہ دل کی گہرائی اور روح میں بھی اتر جاتی ہے آج لوگوں کو اس بات کی شکایت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے مسلک کے تعلق سے اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ ہم اپنے دوسرے اکابر کے بارے میں کچھ نہیں لکھ پائے.....کیا یہ تسامح ہے یا غفلت شعاری؟ نئی سوچ رکھنے والوں نے اسے،،تسامح بھی کہا اور غفلت شعاری بھی! لکھنے لکھانے کے تعلق سے دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں.....

الف....کسی بھی موضوع کو لیجئے اس کے تعلق سے کچھ لکھنے اور لکھانے کیلئے ضروری ہے اس موضوع کے لئے میلان قلب پایا جائے اور ذہن کا رجحان بھی اسی کی طرف جاتا ہو جب تک قلب وذہن کا رشتہ اس سے نہیں جڑتا آدمی کچھ بھی نہیں لکھ پاتا ہے......یہ بات ہم بھی

جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں کہ دور حاضر میں،،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا،،کی شخصیت ایسی ہے جن کی طرف دلوں کا بھی جھکاؤ ہے اور ذہن وفکر انہیں کی طرف مائل ہیں اس طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خیالوں میں جو چھا رہا ہے وہ سیدی اعلیٰ حضرت کی شخصیت ہے ورود کی یہ کیفیت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے عشق وفا میں صرف کر دیا تھا یہ تصور کتنا اچھا اور بھلا تصور ہے اس شعر کو پڑھئے اور اندازہ لگائیے

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی،، نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا یہ استغاثہ پیش کیا۔ سرکار! مجھ سے وہ کام لے لیجئے جس سے تم راضی رہو ...تاکہ،،احمد رضا،،میں شامل،،رضا،،کا نام ٹھیک اور مناسب ہو جائے....ان کے یہاں ،،لا،،تو ہے نہیں اس لئے ہم نہایت ہی وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ استغاثہ بارگاہ رسالت میں قبول ہو گیا جس کے نتیجہ میں انہیں عزت ملی......شہرت ملی.....اور ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوئی......اور سرخروئی عطا ہوئی......

آیئے اور تاریخ کے جھروکوں میں چلتے ہیں اس کے بعد دیکھتے ہیں کہ تاریخ اور عوامی ضرورت کیا ہے؟ جسے پورا کر کے،،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا،، نے اپنی خدمات اور کارناموں کو گراں قدر بنا دیا اور خود کو ایک انمول اور بیش قیمت ہیرے کی صورت میں پیش کر دیا اس لئے ان کے تعلق سے لکھنے لکھانے کا عمل خود ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ کوئی لکھوا رہا ہے اور لکھنے والے لکھ رہے ہیں...... پڑھنے والے پڑھ رہے ہیں...... دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں...... یہ نعمت کسی بندہ کی عطا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے......

عہدِ رضا کا تاریخی پسِ منظر

اعلیٰحضرت امام رضا فاضل بریلوی کا عہد (۱۲۷۲ھ سے ۱۳۴۰ھ۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء) جو سیاسی، مذہبی، تاریخی ہر اعتبار سے انقلابی عہد ہے اور اس عہد کا ،، تاریخی پسِ منظر،، انتہائی مایوس کن، حوصلہ آزما اور صبر فرسا رہا ہے۔ تاریخ کبھی از خود نئی کروٹ لیتی ہے۔ جہاں ایسی حالت پیدا ہوتی ہے تو اس کا ،، تاریخی پسِ منظر،، نہایت ہی امید افزا، نشاط انگیز اور ارتقاء پذیر ہوا کرتا ہے مگر جب تاریخ کے ساتھ غیر منصفانہ عمل کیا جاتا ہے تو یہ عمل یوں ہی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس کے لئے تاریخ کا نقشہ بدلا جاتا ہے اور نئے فارمولے تیار کئے جاتے ہیں۔ اس پر عمل درآمد کے لئے حسرتوں، ارمانوں، تمناؤں کا خون کیا جاتا ہے۔ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں مسلمان تاریخی ادبار کے شکار ہو گئے تھے۔

عثمانی ترکوں کو مغربی استعمار ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ برصغیر کے افق پر ،، ایسٹ انڈیا کمپنی،، کا ستارہ چمک رہا تھا اور ،، مغل،، حسرت و یاس کے تاریک سائے میں کھو رہے تھے۔ عالم عرب کو اندرونی کشمکش کی چکی میں پیسا جا رہا تھا، مشرق سے مغرب تک عالم اسلام غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، مغربی شاطروں نے سیاست کی بساط الٹ دی تھی اور مسلمان حکمراں خزاں کے بکھرے ہوئے پتوں کی طرح استعماریت کی ہوا کے دوش پر اڑے جا رہے تھے۔ دیو استبداد مشرق کی سیاست کے کھنڈرات پر محو رقص تھا۔ عوام محو حیرت تھے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا؟ وہ لوگ جنہیں اپنی اور اپنے شہروں سے زیادہ ایمان و اسلام عزیز تھا وہ سوچتے تھے اگر ہماری اجتماعیت کا یہ شیرازہ بکھر گیا تو کیا ہوگا؟ نئے حاکم بھی سوچ رہے تھے کہ جس طرح ممکن ہو مسلمانوں کے دل و دماغ سے مذہب کی الفت نکال دی جائے ...... انہوں نے مسلمانوں کا فکری تجزیہ کیا انہیں محسوس ہوا کہ مسلمان کے دل میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی اس قدر عزیز از جان ہے کہ وہ ناموس محمدی کے تحفظ کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں اور ان پر پروانہ وار نثار ہو جاتے ہیں وہ سب کچھ

برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

پر ایمان رکھتے ہیں محبت نبوی ہی ان کی زندگی ہے یہی محبت ان کے لئے شعاع امید ہے اور اسی محبت کی روشنی میں وہ راہ حیات کی تاریکیوں کو عبور کر جاتے ہیں غیروں نے سوچا حاکموں نے غور کیا کہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی بہاریں جب تک گل فشاں ہیں تب تک ملت مسلمہ کا شیرازہ نہیں بکھر سکتا اس لئے ضروری ہے کہ

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
اس کے بدن سے روح محمدی نکال دو

اس لئے ضروری ٹھہرا کہ ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بحث بنایا جائے اور اس سلسلے میں شکست خوردہ قوم کے کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا جائے ایسے لوگوں کی تلاش میں مغربی استعمار کامیاب ہو گیا اسے عالم عرب میں بھی ایسے لوگ مل گئے اور برصغیر میں بھی ان کی تلاش بار آور ہوئی پھر کیا تھا؟ مسائل کی فہرست تیار کر لی گئی اور صدیوں کے اثاثہ محبت پر انگشت نمائی شروع ہو گئی۔ مثلاً

الف..... حضور خاتم النبیین ہیں کہ نہیں ہیں
ب...... حضور کو علم غیب تھا کہ نہیں تھا
ج...... حضور سے توسل و استغاثہ جائز ہے کہ نہیں ہے
د......... یارسول اللہ یا نبی اللہ پکارنا روا ہے کہ نہیں ہے
س...... حضور کی عظمت و محبت مدار ایمان ہے کہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ

(ماخوذ امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ ص ۴۵/۴۶)

انگریز جوتن کے گورے اور من کے کالے تھے ان کے دلوں میں اسلام کے لئے کس قدر کدورت تھی؟ اور کیسا بغض وعناد تھا؟ یہ دشمنی کوئی نئی نہ تھی بلکہ بہت زیادہ پرانی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں سے اپنی دشمنی نکالنے کیلئے کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے وہ سبھی کچھ کر سکتے تھے۔ جو ان کے بس میں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کی عیاری اور مکاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے یہاں کذب و دروغ اور جھوٹ اور فریب کوئی معنی نہیں رکھتا تھا حد تو یہ ہے کہ عیاشی میں لوگوں کو مبتلا کر کے بھی اپنا الوسیدھا کرنا جانتے تھے۔ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے دل کے آبگینہ میں بال ڈالنے کی راہیں نکال لی تھیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے اسے پڑھئے اور ہوش کا ناخن پکڑئے حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نجم القادری صاحب تحریر کرتے ہیں

> علامہ خالد محمود ایم اے نے ،،بیس بڑے مسلمان،، نامی کتاب کے پیش لفظ میں میں ،،دی ارآئیول آف برٹش ایمپائر ان انڈیا،، کے حوالے سے مشنری کے پادر ی اور کمیشن کے نمائندگان کی رپورٹیں پیش کی ہیں، صرف ایک رپورٹ پیش کرتا ہوں جس سے صورت حال کی اچھی غمازی ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پیری مریدی کے رجحانات کی حامل ہے اگر اس وقت ہم کسی ایسے غدار کو ڈھونڈھنے میں کامیاب ہو جائیں جو ظل نبوت کا دعویٰ کرنے کرنے کو تیار ہو جائے تو اس کے حلقۂ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در جوق شامل ہو جائیں گے لیکن مسلمانوں میں اس قسم کے دعوی کے لئے کسی کو تیار کرنا ہی بنیادی کام ہے ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔
>
> (بیس بڑے مسلمان)

(امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ ص ۴۷)

اس اقتباس کو پڑھئے اور غور کیجیے کہ انگریزوں کو کسی غدار کی تلاش تھی مگر وہ غدار کیسا ہو؟ یہ بھی اسی اقتباس سے معلوم ہوتا ہے جسے ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں ہوسکتا ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کے ذہنوں کے تاریک گوشے روشن ہو جائیں

(۱)....وہ غدار کیا کام کرے؟ اور اس کے کام کی نوعیت کیا ہو؟ وہ نبوت کا دعوی کرے یا پھر اس کے لئے کوئی راہ ہموار کرے۔ اس دور میں ہندوستان کی سرزمین میں جو مسلمان بستے تھے وہ عقیدہ وایمان میں بڑے پختہ ہوتے تھے۔ اس لئے ایسے غدار کی تلاش کرنا ہی بنیادی کام تھا......کام جس قدر مشکل ہوتا ہے دام اسی کے اعتبار سے دیا جاتا ہے اس سے اس بات کا تعین ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے انعام واکرام اسی قدر ہوگا جو عام انعام سے کہیں ماورا ہوگا۔

(۲)....انگریزوں کو غدار بھی ایسا ملنا چاہیے جس کا تعلق عام مسلمانوں سے نہ ہو کہ ایسا ہونے کی صورت میں لوگ ان سے کٹے کٹے رہیں گے اور کوئی بھی ان کے ساتھ شامل نہ ہوگا اس لئے اس غدار کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہو جسے ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان اہمیت حاصل ہو اور قبولیت کے اعتبار سے ہر صوبہ میں ان کی حیثیت اعلیٰ وارفع ہو جبھی ان کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اس کے بغیر انہیں کوئی فائدنہیں ہوسکتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کے مابین جسے اہمیت حاصل تھی وہ صرف دو خاندان تھے ایک خاندان دہلی میں تھا اور دوسرا خیر آباد میں ....خیر آباد کے علماء ومشائخ اور اس کے فرزندان تو انگریزوں کے دام تزویر میں نہ آسکے۔ ہاں دہلی کے شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ایک فرزند ہاتھ آگیا جسے ہم شاہ اسماعیل کے نام سے یاد کرتے ہیں........

اسماعیل دہلوی کون تھا؟ اور اس کا تعلق کس خاندان سے تھا؟ اس بارے میں آپ بار ہا پڑھ چکے ہونگے ا اور ہمارے علماء سے تقاریر میں بھی سن چکے ہونگے۔ مزید معلومات کے لئے اس مقام پر درج کیا جارہا ہے....

اسماعیل دہلوی کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ وہ ایک پڑھا لکھا انسان تھا۔اچھی صلاحیت اور بہترین لیاقت کا مالک تھا۔لکھنا بھی جانتا تھا اور بولنا بھی جانتا تھا۔لوگ کہتے ہیں انہیں تقریر کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر وعظ کہا کرتا تھا۔لوگ ان کے وعظ سے متأثر ہوا کرتے تھے۔اس کے علاوہ اس کا خاندانی بیک گراؤنڈ بھی بہت مضبوط تھا۔ وہ خاندان ولی اللہ سے تعلق رکھتا تھا......یہی وہ خاندان ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں علم وفکر شعور وادراک کی شہرت عام ہوئی ہے......اس لئے ہندوستان میں اس خاندان کی طوطی بولتی تھی...... ہندوستان کا وہ کون سا گوشہ ہے جہاں اس خاندان کا چرچا نہ ہوا اور وہ کون سا پڑھا لکھا ہے جس کی زباں پر اس خاندان کا نام نہ ہو........تاریخی معلومات کے اعتبار سے خیرآباد کے علمی تہذیبی خاندان اور اسماعیل دہلوی کا خاندان دونوں اوپر کی پیڑھی میں ایک ہو جاتا ہے

۲۳ واسطوں سے علامہ فضل حق خیرآبادی کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے حضرت عمر فاروق کی اولاد میں دو حقیقی بھائی ، بہاؤ الدین ،اور شمس الدین ایران سے ہندوستان آئے شمس الدین نے رہتک کی مسند افتاء سنبھال لی اور بہاء الدین بدایوں میں فروکش ہوئے ،شمس الدین ،کی اولاد ،،شاہ ولی اللہ دہلوی کا خاندان ہے جب کہ بہاء الدین کے خاندان سے ،علامہ فضل حق ، خیرآبادی کا خاندان ہے علامہ خیرآبادی اور شاہ ولی اللہ کے خاندانوں میں قرابت داری تھی اس لئے چودہ واسطوں کے بعد دونوں کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم و فضل اور دینی خدمات کے حوالہ سے دونوں خاندان ممتاز رہے ہیں

(حاشیہ چند عنوانات از خوشتر)

کافی تگ و دو کے بعد بالآخر انگریزوں کو اپنا مدعا مل ہی گیا......اسماعیل دہلوی نے

انگریزوں کے اشارہ پر مذہب اسلام سے بے وفائی اور غداری کا لبادہ زیب تن کر ہی لیا ......اب زبان ان کی ہوتی تھی اور کلام انگریزوں کا ہوتا تھا......منھ ان کا کھلتا تھا اور بات ان کی ہوتی تھی......انگریز جو تن کے گورے اور من کے کالے ہوتے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہوتا تھا اور باطن کچھ اور ہوتا تھا...... وہ ان سے جو کہلوانا چاہتے تھے ان سے کہلوالیا کرتے تھے ......اسماعیل دہلوی نے زبان اور قلم سے حملے شروع کر دیئے....ان حملوں کا مقصد نہ صرف مسلمانوں کو مسائل میں الجھانا تھا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان کے دلوں سے عشق ومحبت کم کر دیئے جائیں اور ایمان کے تقاضے ختم کر دیئے جائیں کہ نہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان رہے گا اور نہ ہی ان کے پاس کوئی حوصلہ ہوگا...... نہ ولولے اور جوش ہونگے نہ انہیں کوئی ہمت ہوگی اور نہ وہ کبھی ہمت و جرأت سے کام لیں گے .....مسلمانوں میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو یہ ان کی پالیسی تھی......اسی پالیسی پر انہوں نے عمل کیا اور پورے ہندوستان پر اپنی حکومت کا سکہ جما دیا......حالانکہ اس دور کے جس قدر اہل سنت و جماعت کے علماء تھے انہوں نے اسماعیل دہلوی کا تعاقب کیا اور مناظرہ بھی کیا......خصوصیت کے ساتھ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی اور حضرت علامہ فضل رسول صاحب بدایونی کا نام لیا جا سکتا ہے......

ان دونوں بزرگوں نے وہابیت اور غیر مقلدیت کا ردفرما کر اپنی قوم اور اپنی ملت کو یہ مزاج دے دیا کہ ایسوں سے کسی بھی صورت میں مصالحت نہیں کی جا سکتی ہے اور زندگی کے کسی موڑ پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا ہے......اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم نواؤں نے اللہ کی ذات اور رسول کریم کی شخصیت اور ان کے معجزات کے تعلق سے جو بحث چھیڑ دی تھی......اصولی طور پر ان مسائل کو موضوع بحث نہیں بنانا چاہئے تھا......اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سے ،،محبت ،،محبت لنفسہ ،، ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ،،محبت ،،محبت مطلقہ ،، ہے اور جہاں اس طرح کی محبت پائی جاتی ہے اس کے تعلق سے کسی مسئلہ کو بحث کے دائرہ میں لانا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے...... خیر انہیں ایمان اور اس کے تقاضوں سے کیا تعلق ؟انہیں تو

مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا تھا......جس میں وہ کامیاب ہو گئے......اور ان کے دلوں سے عشق کے تصور کو ختم کرنا تھا...... جسے انہوں نے کر دکھایا یا۔ یہ کیسے شاطر و چالاک تھے ؟ کہ اپنا کام بھی کر لیتے تھے اور کسی کو احساس بھی نہیں ہونے دیتے تھے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بڑی اچھی بات کہی ہے

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے

عشق و ایمان اور محبت و یقین کے اجالے چرانے کی جو روایت اسمعیل دہلوی سے شروع ہوتی ہے اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ ان کی طرف سے فتنوں کا ظہور ہوتا رہا اور ارباب باطل نت نئے آلات حرب سے لیس ہو کر وہ منصۂ شہود پر آتے رہے...... اہل حق نے ان سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کے پلیٹ فارم سے ان کے مقابلہ کے لئے افراد تیار کئے جاتے رہے......ان افراد نے کل بھی ان فتنوں کا مقابلہ کیا تھا اور آج بھی کر رہے ہیں......اسلام وسنیت کو بچانے کے لئے اور اس کی صیانت کے لئے ہم نے کل بھی خون بہایا تھا اور آج بھی بہا رہے ہیں اور آئندہ کل بھی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے......فتنوں کا ظہور تو برابر ہوتا رہا......کبھی کسی صورت میں اور کبھی کسی صورت میں......ان فتنوں کا تعاقب بھی اسی طرز پر ہوتا رہا۔ ہر دور میں تعاقب کا سلسلہ چلتا رہا.....یہ ماننا ہی پڑے گا کہ فتنہ پرور افراد بڑے ہی چالاک ہوتے ہیں۔ جہاں انہیں ناکامی ہوتی ہے اور جس مقام پر وہ اپنی منزل سے دور ہوتے ہیں۔ وہیں سے وہ اپنے فتنوں کے رخ کو موڑ لیتے ہیں اور اپنا آشیانہ بنانے کے لئے کسی اور جہاں کو تلاش کر لیتے ہیں۔ یہ ان کی پل پل بدلتی فطرت ہے ان کی اس بدلتی ہوئی فطرت کو سمجھنا بھی اتنا آسان نہیں.....کبھی ایسا بھی ہوتا

ہے کہ ان کے نئے پینترے کو سمجھنے میں دیر ہو جاتی ہے......ممکن ہے اسی دوران کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے انہیں پنپنے کا موقعہ مل جائے یہاں بھی کچھ ایسے ہی حالات پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اہل علم اس طرف توجہ نہ دے سکے اور ان کے لئے حالات بھی سازگار ہو گئے اسی لئے وہ پینترے بدل بدل کر اسلام وسنت پر نت نئے انداز میں حملے کر رہے تھے اور مسلمانوں کو زک پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں آزادی کی جو جنگ لڑی گئی تھی......اس کی قیادت کس کے ہاتھوں میں تھی ؟ کیا ان کے ہاتھوں میں تھی؟ جو انگریزوں کے دروازے پر کاسۂ گدائی لئے کھڑے رہا کرتے تھے اور ہر وقت ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر......نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! بلکہ یہ قیادت ان کے ہاتھوں میں تھی جو حق پرست تھے،، اہل سنت و جماعت،، کے وہ علماء قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سچائی جن کا شیوہ تھا...مگر اس میں ناکامی کے سبب قید و بند کی صعوبتیں بھی انہیں کو برداشت کرنی پڑی...کچھ تختہ دار پر لٹکائے گئے اور کسی کو کالا پانی بھیجا گیا اس لئے کسی اور طرف توجہ کرنے کی انہیں مہلت ہی نہیں ملی.....اس کے بالکل بر عکس زرخرید غلاموں کا معاملہ تھا...... وہ ناؤ ونوش میں مست تھے انہیں ہر طرح کا آرام اور چین وسکون نصیب تھا...... انہیں جاگیریں اور انعام واکرام مل رہے تھے دوسری طرف ارباب حق وصداقت تھے جو کانٹوں بھری زندگی بسر کر رہے تھے آسماں سے برق گرتی تھی تو انہیں بیچاروں پر......ان کی حیات کا زاویہ بھی تنگ کیا جارہا تھا......ظاہر ہے ایسے حالات میں ان کی سرگرمیوں کا جاری رہنا مشکل پڑ رہا تھا......اس کے باوجود اسماعیل دہلوی کے خیالات ونظریات عوامی سطح پر قبولیت نہ پا سکے دہلی اور اس کے ہنگاموں کے پیچ پھنس کر رہ گئے......اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمان انہیں خیالات ونظریات پر کار بند تھے جن کی بنیاد پر آج ہمیں،، سنی، بریلوی،، مسلمانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے.....انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ یہ فاسد خیالات پورے ملک میں پھیلائے جائیں۔ اس لئے وہابیت دو

حصوں میں بٹ گئی.................مولانا محمد احمد مصباحی صاحب تحریر کرتے ہیں

(۱)،،اہل حدیث:۔ یہ فرقہ اہل قرآن کی طرح فقہ اور تقلید کا منکر ہے اور اتباع سنت کا مدعی ہے۔ یہ فرقہ عقائد میں وہابیہ نجد اور وہابیہ ہند کا ہم نوا ہے اس لئے اس فرقہ کو وہابی کہا جانے لگا لیکن اس نے اس نام کو ناپسند کیا اور اپنا نام،،محمدیہ،،رکھ لیا جب اس کے مخالفین نے کہا یہ تو محمد بن عبدالوہاب کی طرف نسبت ہے تو اس نے اپنا نام بدل کر،،اہل حدیث،،رکھ لیا جیسے چکڑالوی فرقہ نے اپنا نام،،اہل قرآن،،رکھ لیا نجدیوں کی طرف میلان کے سبب اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اب یہ لوگ اپنے آپ کو،،سلفی،،کہنے لگے کیوں کہ عرب میں نجدیوں کی حکومت ہے اور وہ صاحب ثروت ہیں وہ اپنے ہم عقیدہ لوگوں پر بے دریغ دولت صرف کرتے ہیں ہندوستان میں اس فرقہ کے پیشوا،،نذیر حسین دہلوی،،صدیق حسن قنوجی بھوپالی،،اور نواب وحید الزاں وغیرہ ہیں۔ ہند و پاک میں ان کے بہت سے مدارس مراکز اور مساجد قائم ہیں۔جن کی کثیر تعداد کو حکومت سعودی عرب مدد فراہم کرتی ہے

(۲) دیوبندی.... یہ فرقہ مدرسۂ دیوبند کی طرف منسوب ہے۔ اسماعیل دہلوی کے اتباع کا مدعی ہے،،تقویۃ الایمان،،کی تعلیمات کو قبول کرتا ہے۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور ان کی تقلید کرتا ہے تصوف وطریقت کو مانتا ہے اور سلسلۂ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے....اس فرقہ کے پیشوا ہندوستان میں رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی، محمد قاسم نانوتوی، اشرف علی تھانوی، محمد الیاس کاندھلوی، بانی تبلیغی جماعت محمد زکریا کاندھلوی، حسین احمد ٹانڈوی مدنی، حبیب الرحمان اعظمی اور ابوالاعلی مودودی بانی جماعت اسلامی وغیرہ ہیں ہندوستان میں اس کے مراکز،،دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور ان کے علاوہ دوسرے مدرسے اور ادارے ہیں جو ہند و پاک میں پھیلے ہوئے ہیں

اس عہد و زمانہ کو تغیر و انقلاب کا عہد کہا جاتا ہے اس کے سبب یہ تغیرات،،عقائد و

خیالات اور نظریات تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا...... یہ پھیلا تو پھیلتا ہی چلا گیا...... پرانی قدروں کی جگہ نئے اقدار نے لے لی......قدیم تہذیبوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور اس کی جگہ مغربیت نے لے لی ......معاشی زندگی میں بھی بدلاؤ آیا....سیاست میں تو زبردست انقلاب آ گیا۔ ایک طوفان اٹھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف پھیل گیا۔ وہ کون سا ایسا انسان ہوگا جو اس سے متأثر نہ ہوا ہوگا۔ اس سے سبھی حضرات متأثر ہوئے اور پھر انسانوں کا ہر ایک طبقہ اس سے متأثر ہوا۔ عوامی سطح پر زندگی بسر کرنے والے افراد بھی اس سے متأثر ہوئے احساسات و جذبات اور جمالیات بھی اس کے دائرہ میں آ گئے اور نئے فرقوں کی تو ایک طرح سے باڑھ آ گئی .....ان نئے فرقوں میں .نیچری،،قادیانی،،مودودی،،چکڑالوی اور مودودی جماعت وغیرہ ہیں

اس سے انسان کی انفرادی زندگی بھی متأثر ہوئی اور اجتماعی زندگی بھی۔ ان مخالفین نے ان نفوس قدسیہ کو بھی نشانہ بنایا جن کی زندگی کے ہر ایک لمحہ پر نیر تاباں قربان ہوا کرتا تھا اور جن کا دامن پھولوں کا دامن ہوا کرتا تھا اور جن پر شبنمی قطرات اپنی جاں نچھاور کیا کرتے تھے...... یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسے اجالوں سے بیر رکھنے کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ ہی فکر و شعور اس کا متحمل...... جہاں تک انسانیت کی بات ہے تو وہ کسی بھی صورت میں اس کی اجازت نہیں دیتی ذرا سوچئے! یہ لوگ کیسے تھے؟ اور کیسا کام کیا کرتے تھے؟ جہاں تک خانقاہوں کی بات ہے...... وہ تو ان کے یہاں پہلے ہی سے نشانہ پر تھیں وہ کب چاہتے تھے کہ عرس ہو...اور نہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مزارات پر چادر چڑھائی جائے۔ وہابی، دیوبندی تو صاحب مزار اور ان کی خانقاہوں کے سخت مخالف ہیں جب یہ حضرات صاحب عشق و عرفاں بزرگوں کے مخالف ہیں تو پھر ان کی نظر میں ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ جو ان کی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے ہیں .....اس بارے میں مت پوچھئے ...آنکھ ہو تو اس کا مطالعہ کیجیے......سارے حقائق آپ کے سامنے آشکارا ہو جائیں گے.....

یہ تھے اس عہدِ انقلاب کے اثرات جو آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔تاریخ کا یہ وہ پسِ منظر ہے جو انتہائی درجہ کا مایوس کن ،روح فرسا ہے......یہی وہ اثرات وتغیرات ہیں جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں؟ کہ کوئی ایسا مصلح سامنے آئے جو نہ صرف فولادی صلاحیتوں کا مالک ہو بلکہ اس کی ذات علم وحکمت کا ایسا سرچشمہ بھی ہو جس کی نظر ہر ایک زمانہ پر یکساں ہو۔یعنی حال پر بھی ان کی نظر ہو اور ماضی کی جمالیات پر بھی ان کی پکڑ ہو اور مستقبل سے نبردآزما ہونے کی ہمت اور حوصلہ بھی رکھتا ہو.....یہاں گوشہ نشیں صوفی کی ضرورت نہیں ......بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ایسا مسیحا ہو جو عملی طور پر میدان میں اتر کر قلمی جہاد کرے.....تلواروں سے جہاد کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ ۱۸۵۷ء میں ایسا کر کے ہم دیکھ چکے ہیں......انگریزوں نے ہمارے ساتھ جو کیا وہ دوپہر کے اجالوں کی مانند روشن ہے کہ ہم مچھروں کی مانند پیس کر رکھ دیئے گئے اس کے ناکامی کے اسباب جواب تلاش کئے جارہے ہیں کاش ہماری قیادت وبصیرت پہلے ہی مستحکم ہو جاتی ..تو ہمیں ہزیمتوں کا منھ دیکھنا نہ پڑتاالیسوں کی قیادت وبصیرت سے انکار نہیں کہ انھوں نے ہمت مردانہ سے کام لیا اپنی تہذیب اور اپنے وطن کی حفاظت کے لئے اپنے سر دھڑ کی بازی لگادی

مگر افسوس اس بات پر ہے کہ تاریخ نویسوں نے انصاف سے کام نہ لیا اور حق و صداقت کو مسخ کر کے رکھ دی.....۱۸۵۷ء کے تعلق سے جس قدر کتابیں دستیاب ہیں ان سب میں قائد کے طور پر صرف اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کو پیش کیا گیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا......انہوں نے تو مسلمانوں کو ہر طرف سے کمزور کرنے کی کوشش کی اور انگریزوں کو جتانے کے لئے ہر ممکن جتن نہیں کی ......اس کے باوجود انہیں دولہا کے روپ میں پیش کرنے کا مقصد سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ کہ یہ بھی کسی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ ہے......اس بارے میں ہمیں تاریخ نویسوں کو کوسنے سے پہلے ہماری جماعت کو بھی اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ اگر ہماری طرف سے کوتاہیاں نہ ہوئی

ہوتیں،تو ان افراد کو اپنے ہاتھ پاؤں مارنے کا موقع بھی نہ ملتا.....اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے اگر اس المیہ کے وہ ذمہ دار ہیں تو ہم بھی اپنے دامن کو اس ذمہ داری سے نہیں بچاسکتے ہیں.....

دور حاضر میں مخالفین نے جس طرح ہماری تاریخ مسخ کر دی ہے انہیں اس کا جواب دینے کے لئے اب ہماری جماعت میں بیداری آگئی ہے یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے عملی طور پر بھی کوششیں کی جارہی ہیں اور مجاہدین آزادی کے طور پر علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے ہم مشرب وہم آہنگ افراد کی قیادت وبصیرت کو اجاگر کرنے اور بھولی بسری یادوں کو دوبارہ تابندہ کرنے کیلئے زباں بھی سنواری گئی اور قلم حقیقت رقم کو بھی کام میں لایا گیا......ایسا کرنا ایک امر ناگزیر تھا مگر جس کے فیصلہ سے ناکامی ہو جائے اس کی شخصیت کے تئیں بہت سے سوالات اُٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی شخصیت کو معیار سنیت کیسے قرار دی جائے؟ اور اس بات کا خیال بھی ذہن میں رہے کہ آنے والا مصلح ایسا ہو جو ایک مرتبہ فیصلے کرلے اس پر ڈٹا رہے ایسا نہ ہو کہ اپنوں کے لئے فیصلہ میں لچک پیدا کردے کہ اس طرح کی کاروائی مستحکم ارادوں میں اضمحلال پیدا کرتی ہے ان تمام باتوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھئے اور انتظار کیجئے کہ ایسا کون ہوسکتا ہے؟

☆☆☆

آٹھواں باب

پیکرِ قیادت

پیکرِ قیادت

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب قرطاس وقلم کو سنبھالا تو ان کے سامنے مسائل کا زبردست انبار لگا ہوا تھا اور اس قدر چیلنجز تھے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس کا حوصلہ ٹوٹ جاتا کہ چوطرفہ حملوں کا سامنا کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے......انسانوں میں بعض ایسا بھی ہوتا ہے جو مصائب دیکھ کر بہت جلد گھبرا جاتا ہے اور اس کے دل سے یہی آواز نکلتی ہے کاش ان حملوں کا سامنا کرنا نہ پڑے تو بہتر ہے......اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ان مخصوص بندوں میں سے تھے جو میداں چھوڑنے کو اپنی بزدلی تصور کیا کرتے تھے اور میداں میں ڈٹے رہنے کو اپنی شجاعت اور بہادری سے تعبیر کیا کرتے تھے.....ہم سمجھتے ہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے سامنے جب تاریخی پسِ منظر کے مایوس کن حالات اور اس کے خوفناک نتائج اور جب چو طرفہ حملوں کی بوچھار ہونے لگی،تو آپ کے چہرہ پر کسی طرح کی کوئی گھبراہٹ محسوس نہ ہوئی ......ایک ماہرفن اور قابل ترین کی حیثیت سے میدان میں ڈٹے رہے،اپنے تمام تر حوصلوں کو سمیٹے اور دل ودماغ کی قوتوں کو کام میں لاتے ہوئے۔نہایت ہی منصوبہ بند طریقہ سے چوطرفہ حملوں کا مقابلہ کیا۔اس کے لئے آپ نے جو منصوبے تیار کئے وہ اسطرح ہیں

الف.....ان چہروں کو بے نقاب کیا جائے جن کی ریشہ دوانیوں سے شکست اٹھانی پڑی

ب......ان افراد کے فاسد افکار ونظریات سے مسلمانوں کو آشنا کیا جائے جو مسلمانوں کے دلوں سے عشق وعرفاں مٹا دیا کرتے ہیں......ایسا کرنا اس لئے ضروری تھا تا کہ وقت آنے پر خوش عقیدہ افراد اپنے آپ کو ان کی صحبت سے بچاسکیں۔

ج........فاسد افکار ونظریات کا رد کیا جائے

د..........اسلامی شریعت میں فاسد نظریات رکھنے والوں کا جو حکم ہے اسے بغیر کسی خوف اور لالچ کے واضح کیا جائے اور کسی مصلحت کے پیشِ نظر اس کے اظہار میں لیت ولعل سے کام نہ لیا جائے

س........معمولات اہلسنت وجماعت کی صیانت کی جائے

ش.......علم وعرفاں اور عشق ووفا کے چراغوں کو پھر سے روشن کیا جائے

ص........مسلمانوں کے مابین ادب واحترام کی فضا پھر سے ہموار کی جائے

ط.........حق وباطل کے درمیان امتیاز نمایاں کیا جائے

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصنیفات میں مذکورہ خطوط اور رہنما اصول پائے جاتے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جو بھی کام کیا اس میں مذکورہ مقاصد کو اولیت حاصل تھی اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور مقصد نہ تھا.....

اس لئے ہم کہتے ہیں ہمارا امام اپنے وقت کا سب سے بہتر قائد ورہنما تھا۔اعلیٰ حضرت نے دنیا میں دین کی فضا قائم کی........یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی قیادت وبصیرت دن کے اجالوں سے زیادہ روشن تھی......جو تجربوں کے میدان میں اپنا جوہر دکھا چکی تھی......انصاف تو یہ تھا کہ ان کی قیادت تسلیم کر لی جاتی......مگر یہ کیسا سانحہ تھا؟ جسے جب بھی موقع ملا اعلیٰ حضرت کی قیادت وبصیرت کو اپنی بیجا تنقید کا نشانہ بنایا......غیروں نے

بھی اور اپنوں نے بھی...... غیروں کی بات تو چھوڑ دیجئے۔ انہیں تو تنقید کرنے کا خون سا لگ گیا تھا وہ تو تنقید کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے کہ تنقید کرنا خود ان کی اپنی مجبوری ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو خود ان کی جماعت میں ان کی شخصیت مجروح ہو جاتی انہیں تو اپنی پوزیشن بچانی تھی اس لئے وہ ایسا کر رہے تھے مگر مجھے افسوس ان اپنوں پر ہوتا ہے جس کے لئے جماعتی کوئی مجبوری نہ تھی اس کے باوجود وہ اکھڑی اکھڑی سی باتیں کر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کی زبانی ہم نے سنا ہے وہ کہتے ہیں: اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے کافر بنانے کے سوا اور کیا کیا ہے؟ جسے دیکھا کافر کہد یا...... اپنوں کی زبانی تو یہ بات اچھی نہیں لگتی ..... بلکہ ان سے کہیں اچھی بات تو،، اشرف علی تھانوی،، نے کہی تھی: وہ عشق رسول کی بنیاد پر ہمیں کافر کہتے ہیں.... اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ یہ بات اچھی ہے یا وہ بات اچھی ہے جو اپنوں نے کہی ہے

خیر کہنے والے کہتے ہی رہتے ہیں ان کے کہنے سے امام احمد رضا کی شخصیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس طرح کے دیوانے ہر دور میں رہے ہیں یہ کہہ کر وہ خود اپنے لئے گڑھے کھود رہے ہیں...... کاش ان کے پاس فکر و دانش ہوتا تو ان کی زباں قابو سے باہر نہ ہوتی.... ہم یہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں کہ کسی کو کافر کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ یہ تو ایک عام تأثر ہے جسے میں نے پیش کر دیا ہے...... مگر جب کوئی مفکر اس منزل پر آتا ہے تو اس کی منزل اور بھی زیادہ کٹھن ہو جاتی ہے...... ایک مفکر اور وہ بھی ایک محتاط مفکر...... اس منزل پر کس قدر کٹھنائیوں سے ایک محتاط مفکر کو گزرنا پڑتا ہے اسے تو وہی جان سکتا ہے..... اسماعیل دہلوی کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے کافر کہا یہ ایک واضح سی حقیقت ہے اس کے باوجود اسی دور کے ایک عظیم مفکر دانشور اور بہترین محقق سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ نے کافر نہیں کہا بلکہ، ضال، مضل اور بدعتی کہا...... اور ان کے کلام کو کفریہ کلام بتایا مگر کافر نہیں کہا..... اب رہی بات امام احمد رضا کی، تو انہوں نے کافر

کہنے سے کف لسان کیا.... اب آپ خود ہی سوچ لیجئے جس کا شیوہ ہر کسی کو کافر بنانا ہے تو پھر اسمٰعیل دہلوی کے تعلق سے کف لسان کیوں کرتا؟ ہماری جماعت میں کسی کا ایسا مزاج نہیں ہے اس لئے میرا مشورہ ہے کوئی بات بولنے سے پہلے کم از کم سو بار سوچ لینا چاہئے بغیر سوچے بولنا...... یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟

اب آیئے اور دیکھئے...... امام احمد رضا نے حالات کا مقابلہ کس انداز میں کیا اس کا نہایت ہی گہرائی سے مطالعہ کیجئے تاکہ بات مکمل طور پر واضح ہو جائے

(۱) جسم کے کسی حصے میں جب کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو اس مرض کا علاج اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب اس کے اسباب وعلل تلاش کر لئے جائیں اسباب تلاش کئے بغیر اس کا علاج کرنا...... ہم سمجھتے ہیں یہ نری حماقت ہے...... اس دور میں جس قدر بھی فرقے تھے کسی نہ کسی کے اشارۂ ابرو پر کام کر رہے تھے اس وقت آپ نے قوم وملت کو جو پیغام دیا...... وہ یہی پیغام دیا کہ تم جس سے محبت کرو اللہ کے لئے کرو اور جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو کہ اس طرح کی محبت اور نفرت دونوں ایمان کی علامتوں میں شامل ہے...... ایک صاحب نے مجھ سے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا کے پاس علوم وفنون کا ذخیرہ موجود تھا اور ہر علم میں آپ کو کمال حاصل تھا..... مگر علم کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جس کے پاس علم ہوتا ہے وہ نہایت ہی متواضع ہوتا ہے اور ان کی تحریر میں لچک ہوتی ہے مگر انکی تحریروں میں کہیں بھی لچک نظر نہیں آتی ہے اسی لئے اقبال کو کہنا پڑا کہ اگر ان کے کلام میں شدت نہ ہوتی تو وہ وقت کے امام ابو حنیفہ تھے...... انہوں نے جو باتیں کہی ہیں میں نے سمجھ لی اور یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ کہ انسان کہاں کہاں شدت اختیار کرتا ہے پہلے ان مقامات کی نشاندہی کر لی جائے اس کے بعد ہی بات سمجھ میں آسکتی....

(الف) پہلے اس بات کا تعین کر لیا جائے کہ محبت کیا ہے؟ دل کے میلان کا نام،، محبت ،، ہے جیسے جیسے یہ میلان آگے بڑھتا ہے محبت شدید سے شدید تر ہو جاتی ہے اس بات میں

کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا محبت کی جس منزل پر فائز تھے اس میں ،،شدید تر،، کی کیفیت پائی جاتی تھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف امام احمد رضا کسی کی کوئی بات سننا پسند نہ کرتے تھے شدت کے ساتھ کسی منکر رسالت سے بات کرنا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی رو رعایت سے پیش نہ آنا تو ارباب عشق وصفا اور ایمان والوں کا شیوہ رہا ہے اس بارے میں نرمی سے گفتگو کرنا تقاضائے عشق کے خلاف رہا ہے جب کسی معاملہ کا رشتہ ایمان سے جڑ جاتا ہے تو پھر اس کے بیچ میں قریب سے قریب تر رشتہ بھی حائل نہیں ہوتا ہے حتی کہ اس مقام پر ماں باپ کا رشتہ بھی حائل نہیں ہوتا ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن کے درمیان کچھ اس طرح کی باتیں ہوئیں

عبدالرحمٰن .....والد مکرم جنگ بدر کے موقعہ پر کئی بار آپ میری تلوار کی زد میں آئے مگر میں نے یہ سوچ کر آپ کو چھوڑ دیا کہ آپ میرے والد ہیں

حضرت ابو بکر نے فرمایا...... اے بیٹے !عبدالرحمٰن کاش اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو میں تمہیں بیٹا سوچ کر نہیں چھوڑتا.....تم اس وقت میرے لئے صرف اور صرف اسلام کے دشمن تھے۔میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور تمہاری گردن مارنے کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا......

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل ایمان کا شیوہ کیا رہا ہے اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ میرا امام عشق ومحبت کی منزل پر فائز تھا؟ اس منزل کا تقاضا یہی تھا کہ اسلام وسنت کے مخالفین اور بارگاہ نبوت کے بے ادب افراد کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو میرے امام نے کیا اس مقام پر نہ کوئی مصلحت کام آتی ہے اور نہ ہی یہاں رعایت کی کوئی گنجائش ہوتی ہے .....جو لوگ اس طرح کا رویہ اپناتے ہیں وہ شیوۂ اہل ایماں کے خلاف کرتے ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے وہی کیا جس کی شریعت نے اجازت دی ہے ان کی پوری زندگی کوئی شریعت کی ترجمان تھی اور ان کی زندگی کی ہر سانس شریعت میں ڈوبی ہوئی

تھی اس لئے جو بے ادب تھا انہیں بے ادب کہا اور جو گستاخ تھا انہیں گستاخ کہا اور جہاں شدت کی ضرورت تھی وہاں آپ نے شدت سے کام لیا اور جہاں نرمی اور حلاوت کی حاجت تھی وہاں آپ نے نرمی اور حلاوت سے کام لیا جب تک کسی قائد میں اس طرح کی خصوصیات نہ پائی جائیں وہ صحیح معنی میں قیادت کا حق ادا نہیں کرسکتا ہے......

امام احمد رضا نے جب قوم وملت اور دین ومذہب کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی تو اس وقت بہت سارے مسائل بکھرے ہوئے تھے اور اور ہر مسئلہ توجہ طلب تھا مگر آپ نے سب سے پہلے جس بات پر اپنی توجہ مرکوز کی...ان افراد کی نشان دہی تھی جو نہایت ہی صفائی کے ساتھ دینی قدروں سے الجھ رہے تھے وہ اپنا کام اس طرح کیا کرتے تھے جیسے آنکھ سے کاجل صاف چرالیں....عمومی طور پر آنکھوں سے کاجل چرانے پر کوئی قادر نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کسی کے بس کی بات ہے مگر یہ ایسے شاطر دماغ تھے کہ انہیں ایسا کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی تھی۔وہ بہت ہی آسانی سے اپنے کاموں کو انجام دیا کرتے تھے......آنکھوں سے کاجل، دلوں سے ایمان اور خود ایمان سے روح ایمان کو اس طرح کھینچ لیا کرتے تھے کہ نہ آنکھوں کو احساس ہوتا تھا اور نہ ہی دل کو کسی طرح کا احساس ہوتا تھا یہی حال ایمان کا بھی تھا......اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارا قائد ایسا ہونا چاہئے نفسیات پر جس کی گہری نظر ہو.....نفسیات کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے کہ جس قدر مخلوقات ہوتی ہیں اسی قدر نفسیات وسیع ہوتی ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ نفسیات ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہو کہ مشترک نفسیات والے افراد کا پایا جانا نہ صرف مشکل ہے بلکہ،،نا،، کے برابر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نفسیات ذاتی اور انفرادی اختلافات میں شمار کی جاتی ہے نفسیات کے تعلق سے اتنی گہری جانکاری اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہ تھی اس لئے قیادت اور بصیرت تو صرف امام احمد رضا کو حاصل تھی..... یوں تو زبانی طور پر مجنوں ہونے کا دعوی ہزاروں نے کیا تھا مگر صحیح اور حقیقی مجنوں تو صرف ایک ہی ہوتا ہے جیسے صرف

لیلی کی نظر پہچانتی تھی یا پھر بیچارہ مجنوں خود ہی جانتا تھا.......قائد وہی ہوتا ہے جو نظریاتی طور پر کسی کا نہ غلام ہوتا ہے اور جو ایسا ہو جائے تو پھر ان کی زباں سے قیادت کا دعوی اچھا نہیں لگتا ......غدر کے بعد ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ بہت سے مولویوں نے کانگریسی نیتاؤں کی غلامی اختیار کر لی......کیا ایسے کو قائد کہا جائیگا؟ نہیں ہر گز نہیں! ایسا انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کبھی بھی قائد نہیں ہو سکتا ہے قیادت کے لئے کیا یہ بھی ایک شرط ہے؟ کہ خاندان بڑا ہوا اور اس خاندان کا بیٹا بھی بڑا ہو؟ اس طرح کی کوئی شرط نہ پہلے تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ رہیگی ....قیادت کے لئے صرف اور صرف یہ ضروری ہے...... ان کی ذات وشخصیت میں قیادت کے تناسب سے خوبیاں، کمالات، اور خصوصیات پائی جائیں اور قیادت کے لئے جو ضروری شرائط ہیں وہ بھی پائی جائیں.....جو فرد ان صلاحیتوں کا مالک ہوگا اور مذہبی انداز میں قیادت کے مسائل کو حل فرمائیگا صرف اور صرف وہی ذات اور اسی کا مسلک ونظریہ ہی،،امتیاز اہلسنت،،ہو سکتا ہے اور بس!

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ذات وشخصیت میں قیادت کی تمام تر رعنائیاں پائی جاتی تھیں نہ صرف پائی جاتی تھیں بلکہ بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں......اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی قیادت کے فرائض پورے طور ادا کر دیئے ہیں اگر امام احمد رضا کی قیادت نہ ہوتی تو آج ہندوستان کا جو نقشہ ہوتا اس پر ہم آنسو ہی بہاتے رہتے اور صرف اپنی ناکامی اور حسرت و یاس کا اظہار ہی کرتے رہتے جس طرح سے آج ہم ،،مسجد قرطبہ پر آنسو بہا رہے ہیں..... یہ تو صرف امام احمد رضا کی قیادت کی رعنائیاں ہیں جو نظر آ رہی ہیں جس کے نتیجے میں آج ہم سبز انقلاب ہر طرف دیکھ رہے ہیں یہ میرے امام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم اس احسان کا بدلہ اپنے پلکوں سے بھی نہیں چکا پا رہے ہیں ممکن ہے کوئی یہ سمجھ رہا ہو کہ ہم ان کی ذات کی طرف مسلک کی نسبت کر کے ہم نے بھی کوئی احسان کیا ہے اگر کوئی ایسا سوچ رہا ہے تو یہ ان کی خطا ہے ہم نے کوئی احسان نہیں کیا ہے اور نہ ہم کوئی

احسان کر سکتے ہیں بلکہ یہ ان کا حق تھا جو انہیں ملا یہ حق انہیں کہاں سے ملا؟ یہ بھی ہم نہیں بتا سکتے ہیں بلکہ صرف اتنا کہ سکتے ہیں کہ جہاں سے سبھوں کو حق ملا کرتا ہے وہیں سے امام احمد رضا کو بھی یہ حق ملا ہے جب ہم نے انہیں یہ حق دیا نہیں ہے تو پھر ان سے ہم اس حق کو چھین بھی نہیں سکتے ہیں.....کہ ایں سعادت بزور بازو نیست

☆☆☆

نواں باب

حقائق و بصائر

☆ تعارفی گفتگو

☆ پہلی حقیقت ''تکفیر'' اور ''رد'' کے مضامین

☆ کف لسان کی حقیقت

☆ علمائے دیوبند کی تکفیر

حقائقِ و بصائر

تعارفی گفتگو......

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے غدر کے بعد ہندوستان کے بکھرے ہوئے حالات اور مسلمانوں کے خستہ وناگفتہ جذبات واحساسات پر گہری نظر ڈالی اور مفکرانہ انداز سے جب ان حالات کی گہرائیوں میں اتر کر اسباب وعوامل کی چھان بین کی ۔اور ان حالات سے نپٹنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا تو آپ نے ان خستہ حالات کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دی۔اور یہ محسوس کیا وہ افراد جو ہماری جماعت میں گھس کر گئے ہیں اور گھات لگا کر ہمارے دلوں سے روحِ ایماں اور جان ایماں کو کھینچ رہے ہیں ...... پہلے ان کا علاج کرنا چاہئے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علاج ومعالجہ بھی اسی وقت کارگر ہوتا ہے جب اسباب مرض کا خاتمہ ہو جاتا ہے اسباب مرض کے رہتے ہوئے علاج کرنے کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے۔اسی علاج ومعالجہ کے پیش نظر،،تکفیر،،اور،،کف لسان،،کا معاملہ سامنے آیا....

پہلی حقیقت الف......کف لسان

یہاں پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں،،مسلک اعلیٰ حضرت،،کی سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت،،کف لسان اور تکفیر،،کا مسئلہ ہے ہوسکتا ہے۔اس سے ہمارے قارئین کو حیرت ہو رہی ہو کہ آپ نے اس مسئلہ کو حقیقت کا روپ کیوں دیدیا؟اور وہ بھی پہلی حقیقت

.....؟تو ہم اس بارے میں کہیں گے کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کے بیان کرنے اور فتاوی کے لکھنے میں تو تقدم وتأخر ہوسکتا ہے مگر مسلک کے روپ میں اس کی اپنی ترتیب ہوتی ہے مسلک میں کس مسئلہ کو کہاں رکھا جائے؟اور کس درجہ میں اسے جگہ دی جائے؟اس کا تعین کرنا مسلک کی یہ اپنی روایت ہے......اسی ترتیب کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے میں نے،،مسئلہ تکفیر،،کو اولیت کے درجہ میں رکھا ہے......اسے اولیت کا درجہ تجویز کرنا بھی بلا وجہ نہیں ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تکفیر کا مسئلہ بھی اعتقادی مسائل میں سے ہے اور اس میں بھی اسے اولیت کا درجہ حاصل ہے۔اسے اولیت کا درجہ کیسے حاصل ہے؟آیئے اس کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں ...اعتقادی مسائل میں اولیت کا درجہ جس مسئلہ کو حاصل ہے وہ توحید کا مسئلہ ہے اور توحید کے دو جز ہیں ان میں سے پہلا جز،،نفی،،پر مشتمل ہے اور دوسرا جز،،اثبات،،پر مبنی ہے،،لا الٰہ،،یہ پہلا جز ہے جو نفی پر مبنی اور دوسرا جز،،الا اللہ،،ہے جو اثبات پر مبنی ہے اسی پہلے جز سے،،رد اور تکفیر کے مضامین کی اولیت سمجھ میں آتی ہے اسی لئے ہم نے،،مسلک اعلیٰ حضرت،،میں بھی رد وتکفیر کے مضامین کو اولیت کے درجہ میں رکھا ہے اصولی طور پر اس طرح کے مضامین کو اولیت کے درجہ میں ہی رکھنا چاہئے

ب......رد کے مضامین.....میں ان گوشوں کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق اسماعیل دہلوی کی تصنیفات مثلاً،،صراط مستقیم،،تقویۃ الایمان،،رسالہ یکروزی،،وغیرہ کتب سے ہے جن میں ایک دو نہیں بلکہ بہت سی ایسی عبارتیں ہیں جو شریعت کی نگاہ میں قابل گرفت ہیں اور ان قابل گرفت عبارتوں میں سے ہر ایک عبارت سے کئی کئی کفر لازم آتے ہیں......

ان تمام کفریات کا ذکر امام اہل سنت سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی نے مندرجہ ذیل کتاب یعنی،،الکوکبۃ الشہابیۃ،،میں کیا ہے جو ۱۳۱۲ء میں لکھی گئی ہے اور ۷۰ وجوہ سے امام وہابیہ پر فقہاء کے اعتبار سے لزوم کفر ثابت کیا ہے اس کے باوجود سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی

نے اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا...... آخر آپ نے اسماعیل دہلوی کو کافر کیوں نہیں کہا.... اس مقام پر اعتراض کرنیوالے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک طرف امام احمد رضا کا یہ کہنا ہے کہ دیوبندی ایسے کافر ہیں کہ جو شخص ان کو کافر نہ کہے یا ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے اور دوسری طرف خود انہوں نے امام وہابیہ اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا ..... انصاف کا یہ دو پیمانہ کیسا؟ اگر کافر ہی کہنا ہے تو اسماعیل دہلوی سمیت سبھی علمائے دیوبند کو کافر کہنا چاہئے ...... یہ عجیب وغریب بات ہے کہ دوسروں کو تلقین کرنے والے خود ہی اس پر عمل پیرا نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں یہ اعتراض انہیں افراد کی جانب سے کیا جا رہا ہے علماء دیوبند کو کافر کہنے سے جن کے پیٹ میں مروڑ اُٹھتا ہے اور یہ اعتراض کوئی آج کا اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ اعتراض برسوں پرانا ہے یہ اعتراض کوئی ایک بار نہیں کیا گیا ہے بلکہ کئی کئی بار کیا گیا ہے ہر بار اس کا جواب دیدیا گیا ہے اور ہماری طرف سے بھی جواب ملاحظہ فرمائیں

پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علم وفن فکر وشعور اور ادراک کے اس منزل پر فائز ہیں جس پر فائز ہوتے ہی کوئی بھی انسان ،، محتاط مفکر ،، کی صف میں آجاتا ہے اور ،، متکلم ،، ہونا اس کا منصب ہو جاتا ہے اور اس منصب پر آتے ہی وہ کسی کو کافر اس وقت تک نہیں کہتا ہے جب تک کہ کافر ہونے کی تمام شرطیں پوری نہیں ہو جاتی ہیں اس بارے میں مفتی بدرالدین صاحب قبلہ تحریر کرتے ہیں

،، کسی کلمہ گو کو کافر کہنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت سخت احتیاط فرماتے تھے اسی کمال احتیاط کے باعث مولوی اسماعیل دہلوی کے ستر کفریات لزومی شمار فرما کر بھی ان کی تکفیر سے کف لسان فرمایا ،، (سوانح اعلی حضرت ص ۲۱۱)

کف لسان کی حقیقت.......

حضرت مولانا بدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ،، کف لسان ،، تحریر کیا جس کا تعلق صرف تکفیر سے ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد

رضا فاضل بریلوی نے متکلمین کے مسلک کو اختیار فرماتے ہوئے اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا اور اگر کوئی اس کا مفہوم یہ لیتا ہے اعلیٰ حضرت نے جب ان کو کافر نہیں کہا تو اس کا لازمی معنی یہ ہوا کہ وہ ان کے نزدیک مسلمان ہے.... اس طرح ،، کف لسان ،، سے یہ معنی مراد لینا صرف اور صرف غلط فہمی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ غلط فہمی اس لئے ہے کہ ہمارے ائمہ احناف کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ،، کف لسان ،، سے مسلمان مراد لینا اس کا مفہوم مخالف ہے جو معتبر نہیں اور اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی کو یزید پر معلق فرما کر اس کے مفہوم مخالف کو نا معتبر قرار دے دیا ہے لہٰذا اب کوئی بھی دانشور اس سے مفہوم مخالف کو مراد نہیں لے سکتا ہے...... متکلمین کسی کو کافر جب کہتے ہیں جب انہیں علم یقینی سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے کفر کا صدور ہوا ہے...... اس بارے میں جب کوئی احتمال پیدا ہو جاتا ہے تو وہ تکفیر سے کف لسان کر لیتے ہیں

علم یقینی کے حصول کے لئے چند باتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے

الف...... اس کا کلام اجماعی طور پر کفریہ ہو.... اور اگر یہ اس کے برخلاف ہے یعنی کسی کے نزدیک کفر ہے اور کسی کے نزدیک کفر نہیں ہے تو متکلم کسی بھی صورت میں اس بنیاد پر کسی کو کافر نہیں کہتا ہے

ب..... اس کلام کفری کی نسبت اس کے قائل کی طرف بھی علم یقین سے معلوم ہو یا قائل خود اس بات کا اقرار کر لے کہ ہاں وہ کلام میرا ہی ہے جبھی اس کلام کی بنیاد پر متکلم کسی کو کافر کہتا ہے اور جب اس میں کوئی شبہ ہو جاتا ہے تو متکلم حضرات ایسے کلام کو کفریہ کلام قرار دیتے ہیں مگر اس بنیاد پر کسی کو کافر قرار نہیں دیتے ہیں......

ج.... متکلمین کے نزدیک اس بات کا بھی یقین ہونا چاہئے کہ یہ کلام اسی کا ہے ورنہ عمومی طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کلام گڑھ لیتے ہیں اور کسی منچا ہے کی طرف اس کی نسبت کر دیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسی کے کلام میں کوئی اپنا کلام شامل کر دیتا ہے اس طرح

کی تحریف کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ آئے دن ہوتی ہی رہتی ہے

د.......متکلمین اس بات کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ ہم کسی کو کافر اسی وقت کہیں گے جب ہمیں علم یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اس کلام کفری سے کفری معنی ہی مراد لیا ہے اور یہ اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب وہ قائل زندہ ہو زبانی یا خط و کتابت کے ذریعہ اس سے معلوم کر لیا جائے کہ اس نے اس کلام کفری سے کیا مراد لیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کلام ذو معنی ہو جب وہ اس بات کی وضاحت کر دے کہ اس سے ان کی یہی معنی کفری مراد ہے

یہ چار مراحل ہیں جنہیں عبور کرنا متکلم کے اوپر فرض ہو جاتا ہے ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی وہ ان کفری کلمات کے قائل پر حکم عائد کرتا ہے یہ اس کے قائل پر سزا کا حکم لگانا تو ہے ہی اس کے علاوہ اس میں فائدہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کے کفری نظریات سے پرہیز کرنے لگتے ہیں اور اپنے ایمان کی صیانت بھی کرتے رہتے ہیں.....اب متکلمین کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ شریعت کے اعتبار سے اس پر جو حکم شرع عائد ہوتا ہو عائد کرے اور اگر وہ اس سے پہلو تہی کرتا ہے تو وہ آدمی جو انکے کفری نظریات سے بہک رہا ہے یا آئندہ بہک جانے کا اندیشہ رکھتا ہے قیامت کے دن اس کا دامن تھام سکتا ہے اور وہ اس سے احتجاج بھی کر سکتا ہے اس موقع پر تکفیر فرضیت کے دائرہ میں آجاتی ہے یہ بات بعد میں واضح کریں گے کہ تکفیر فرضیت کے دائرہ میں کب اور کہاں آتی ہے؟

ان چاروں مرحلوں کو اپنے ذہن شریف میں رکھتے ہوئے ان کفریات پر غور کیجئے جو اسماعیل دہلوی کے حوالہ سے امام احمد رضا تک پہونچے تھے اس سے پہلے کہ اس کے تعلق سے ہم کوئی گفتگو کریں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے درمیان بہت بڑا فاصلہ پایا جاتا ہے سن ہجری کے اعتبار سے دونوں کی ولادت میں تقریباً ۷۹؍سال اور سن عیسوی کے اعتبار سے دونوں کی ولادت میں ۷۷؍سال کا فاصلہ ہے اور تقریباً ۱۰۰؍سال کے بعد اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور رسالہ

یک روزی امام احمد رضا کو دیکھنے کو ملی ہوگی اور جب انہوں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان کی کتابوں میں کفریات کی ایک باڑھ لگی ہوئی تھی.....ایک سیلاب تھا جو اٹھا تو اٹھتا ہی چلا آیا نہ وہ کہیں رکا اور نہ ہی رکنے کا نام لیا ایک آدھ کفر ہوتا تو مان لیا جاتا کہ غیر شعوری طور پر در آیا ہو....مگر اس قدر کثیر تعداد میں کفریات کا پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی غیر شعوری عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ شعوری کوشش کا نتیجہ ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک زبردست لابی ہے جو اسماعیل دہلوی کو اپنے اشاروں پر نچا رہی ہے اور یہ میاں مٹھو بن کر انکے اشاروں پر اپنا سب کچھ داؤوں پر لگا رہے ہیں.....ان کی کتابوں میں جو کفریات ہیں وہ اجماعی طور پر کفریات ہیں ان میں کوئی ایسا کلمۂ کفر نہیں جس میں کسی کا کوئی اختلاف ہو یہ پہلا مرحلہ ہے چونکہ ان کی ساری کتابیں شائع ہیں کوئی کتاب قلمی نہیں ہے لہٰذا اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں اسماعیل دہلوی کی طرف جو کفریات منسوب ہیں اس کی نسبت کی صحت پر کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ہے یہ دوسرا مرحلہ ہے جس پر یقین کیا جاسکتا ہے مگر تیسرے اور چوتھے مرحلے میں احتمال ہے جسے ہم احتمال فی التکلم اور احتمال فی المتکلم کہتے ہیں اس کا ازالہ تو جبھی ہوتا جب اسماعیل دہلوی امام احمد رضا کے زمانہ تک زندہ رہتا اور یہ ممکن نہ تھا اس لئے امام احمد رضا نے اس بارے میں عدم تکفیر کا جو فیصلہ لیا وہ بالکل درست اور صورت واقعہ کے عین مطابق ہے.....اس احتیاط میں امام احمد رضا متفرد نہیں ہیں بلکہ یہی احتیاط حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کے یہاں بھی ملتا ہے جب کے آپ خود ان کے ہم عصر تھے.....مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ افراد جو احتیاط کو سمجھ نہیں پاتے ہیں اس کے باوجود اسے غلط رنگ دے کر امام احمد رضا کو بدنام کرنے کوشش میں لگے رہتے ہیں پہلے امام احمد رضا کو پڑھیئے اس کے بعد ہی اپنی زبان کھولئے

علمائے دیوبند کی تکفیر

علماء دیوبند کی تکفیر فرضیت کے دائرے میں داخل ہوگئی اور انہوں نے خود اپنے اوپر کفر کا

التزام کررکھا تھا۔ مذہب دیو بندیت کے بانی اول مولوی قاسم نانوتوی ہیں انہوں نے اپنی کتاب ،،تحذیر الناس،، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا ص ۳ پر انہوں نے تحریر کیا

•......بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئے تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام ناسمجھ لوگوں کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور سب میں آخری ہیں مگر اہل فہم اور سمجھدار لوگوں پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر میں بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے......

ہم اپنے قارئین سے گزارش کریں گے کہ اللہ پاک نے آپ کو بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے اس نے اپنے ہر ایک بندہ کو اس کی طبیعت کے اعتبار سے فکر و دانش عطا کی ہے تو پھر اسے استعمال میں لایئے اور غور کیجئیے کہ نانوتوی صاحب نے جو بات کہی ہے کیا اس میں سچائی ہے؟ حقیقت ہے؟ میں بتاتا ہوں کہ ،،خاتم النبیین،، کا معنی کیا ہے اس میں دو لفظ ہیں پہلا لفظ ہے خاتم اور خاتم کا معنی ،،مہر،، سے کیا جاتا ہے جس تحریر پر مہر لگ جاتی ہے اس کا مطلب یہی تو ہوتا ہے کہ اب تحریر میں نہ کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کی جاسکتی ہے اسی لئے اسے آخر کے معنی میں لیا جاتا ہے تو اب اس بنیاد پر ،،خاتم النبیین،، کا مطلب آخری نبی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا ضروریات ایمان میں سے ہے اس لئے اس کا انکار ،،دینی ضرورت،، کا انکار ہوگا......مجھے افسوس ہے کہ قاسم نانوتوی صاحب نے کس طرح ،،آخری نبی،، کو عوام اور ناسمجھ لوگوں کا خیال بتایا؟ خاتم النبیین ،، کا مطلب آخری نبی سے بتانا یہ صرف اس دور کا خیال نہیں ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہمارے اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بتایا اور ان کے بتانے کے سبب تمام صحابہ نے بھی یہی بتایا ہے......تابعین نے بھی یہی بتایا....ان کے علاوہ تمام ائمہ اربعہ اور تمام علماء کرام نے

بھی اس کا معنی یہی بتایا ہے اس کے باوجود اسے ناسمجھ لوگوں کا خیال بتانا یہ اس بات کی طرف اشارہ دے رہا ہے کہ یہ روش کسی اہل ایمان کی روش نہیں ہوسکتی ہے انہوں نے بھی اہل ایمان کو ،،سفہاء،، سے تعبیر کیا ہے آدمی خواہ کتنا ہی بڑا چالاک کیوں نہ ہو؟ اس کے باوجود ان کی تحریروں میں کچھ ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے دل کا چور سمجھ میں آجاتا ہے نہ چاہتے ہوئے بھی دلوں کی کدورت لفظوں کے جھروکوں سے نمایاں ہو ہی جاتی ہے سو یہاں ہوا......قاسم نانوتوی کا یہ کہنا....تقدم یا تأخر میں بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے،، اگر اس میں فضیلت نہیں ہے تو پھر کس میں فضیلت ہوگی؟ حقیقت یہی ہے کہ فضیلت صرف اور صرف تقدم میں ہے یا پھر تأخر میں ہے ان دونوں میں سے کسی کو بھی اور کسی بھی صورت میں آپ فضیلت سے جدا نہیں کرسکتے ہیں کہ اگر اس میں فضیلت نہیں تو پھر کسی میں فضیلت نہیں ہو سکتی ہے یہ کیسا خیال خام ہے؟ جو دیو بندیت کے بانی اول سے صادر ہو رہا ہے حالانکہ انہوں نے نبی ہونے کا دعوی نہیں کیا....مگر اس کے لئے راستہ ضرور ہموار کی جاتی ہے اور فضا تیار کی جارہی ہے.....کچھ اسی طرح کی فضا ،،تحذیر الناس،، میں پائی جاتی ہے اس سے آگے نانوتوی جی تحریر کرتے ہیں

•......بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئیگا......فرق کیوں نہیں پڑیگا.... ہاں.... پڑے گا....اور بہت زیادہ پڑے گا دیو بندیت نے راستہ ہموار کیا اور ادھر مرزا غلام احمد قایانی تیار بیٹھے تھے کہ یہ راستہ صاف کریں اور ہم اس کا دعوی مکمل کریں.....سو انہوں نے اپنے نبی ہونے کا دعوی پیش کر دیا......ان حضرات نے ہر زاویے سے اسلام وسنیت کو کمزور کرنے کی کوشش کی اور حق و صداقت کو مغلوب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جب انہیں موقعہ ملا اسلام کے دامن میں سوراخ کرنے کوشش کی دوسری جانب بیچارہ حق پرست افراد تھے جو مصیبتوں اور آفتوں کو جھیل رہے تھے ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور زباں سے آہ کرنے کی بھی

اجازت نہ تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سروں پر ظالم حکومتوں کی تلوار لٹک رہی تھی اور یہ افراد ایسے انگریز نواز مولوی تھے کہ انگریز آقاؤں کی سرپرستی میں اپنے تمام امور انجام دے رہے تھے اس لئے ان کی باتیں بہت دور دور تک پھیل رہی تھیں .....مگر شاید انہیں اس بات کا احساس نہ تھا کہ مظلوم کی آہوں میں بھی بہت زیادہ اثر ہوا کرتا ہے یہ آہیں آسماں کی سرحدوں کو بھی پار کر جاتی ہیں اور باب اجابت سے جاٹکراتی ہے ......یہ مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں انہوں نے بھی سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکانے میں کیا کسر چھوڑ رکھی ہے؟ ان کا بھی قلم چلتا ہے تو دلوں کو چھلنی کرتا ہوا گزر جاتا ہے اور یہ بولتا ہے تو ہزاروں دلوں کو زخمی کر جاتا ہے ،،امکان کذب،، کے مسئلہ کو انہوں نے ہی چھیڑا تھا اور لوگوں کو پیغام دیا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے

.......مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا ایک شخص وقوع کذب باری کا قائل ہے یعنی معاذ اللہ وہ کہتا ہے خدائے تعالی جھوٹ بولا تو ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر اور مسلمان ہے تو بد مذہب گمراہ یا وقوع کذب باری تعالی تسلیم کرنے کے باوجود سنی ہے بینوا و توجروا

......مولوی رشید احمد گنگوہی نے جواب دیتے ہوئے فتوی دیا

........اگر چہ اس شخص نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہئیے کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمائے سلف کی قبول کرتی ہے خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے اور گاہ وعدہ گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے اگر چہ بضمن کسی فرد کے ہو پس بناء علیہ اس شخص کو کوئی سخت کلمہ نہیں کہنا چاہئے

(ماخوذ از فتوی مہری دستخطی گنگوہی بحوالہ ردشہاب ثاقب)

دیکھئیے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ گنگوہی صاحب نے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول

جھوننے کی کوشش کی؟ اور یہ تسلیم بھی کر لیا کہ اللہ نے کذب کیا اور اس بات کا اشارہ بھی دے دیا کہ جو شخص اللہ پاک کو جھوٹا کہے اسے بدعتی یا گمراہ نہیں کہنا چاہئے.....کیا ایمان وتصدیق کی نازک مزاجی کذب، اور اس کی نسبت اور اس کے وقوع کو تسلیم کر سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! کسی کا بھی ایمان ہو اس کذب کو برداشت نہیں کر سکتا ہے......جہاں تک خلف وعید کی بات ہے اس بارے میں عرض ہے کہ اس کا کذب سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ وہ آسماں ہے اور یہ زمیں ہے......دونوں میں بہت ہی زیادہ فاصلہ ہے کذب سراپا قباحت ہے اور عیبِ مقبوح ہے جب کہ خلف اگر وعید میں ہے تو یہ سراپا فضل ہے اور اگر وعد میں ہے تو یہ سراپا عدل ہے اس بنا پر خلف سراپا قدس ہوا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی سی جھوٹی بات کس طرح گنگوہی صاحب کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی؟ اور کذب کے دامن سے انہوں نے خلف وعید کو جوڑ دیا اگر یہی کام کوئی چھوٹا آدمی کرتا تو اسے بھول یا خطا سے تعبیر کر سکتے ہیں مگر جب اتنا بڑا آدمی کہے تو ہم اسے بھول پر مبنی قرار نہیں دے سکتے ہیں.....ہاں انہوں نے دیدہ ودانستہ اس بات کو انجام دیا اور بڑے ہی خوبصورت انداز میں مسلمانوں کے جگر میں زہر میں بجھا ہوا خنجر پیوست کر دیا.....مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے نبی کی بارگاہ میں کوئی بے ادبی کرے اسے کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا ہے ان کفری عبارتوں سے میرے امام کو کس قدر اذیت پہونچی ہوگی اس بات کا اندازہ آپ خود اپنے طور پر فیصلہ کر کے لگا سکتے ہیں

......جب ہم بات خلیل احمد انبہٹوی کی کرتے ہیں تو ان کے یہاں بھی بارود کا ؛ ڈھیر دکھائی دیتا ہے اور بے ادبی کی ایسی کوئی دوسری مثال نظر آتی ہے شاید ہی اس کی کوئی مثال کہیں اور نظر آئے......آنجناب براہین قاطعہ میں تحریر کرتے ہیں

.......الحاصل غور کرنا چاہئیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون ایمان کا حصہ ہے شیطان، ملک الموت کو یہ وسعت نص قرآن وحدیث

سے ثابت ہوئی فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کورد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے.....

اس عبارت کا ایک ایک حرف نوکیلے کانٹے کی مانند ہمارے قلب وجگر میں چبھ رہا ہے ہر چبھن سے آہ نکلتی ہے وہ کہاں کہاں نہیں پہونچتی ہوگی؟ مسلمانوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ہندوستان کی فضا اس طرح گرد آلود ہو جائیگی کہ اہل ایماں کو سانس لینا بھی دشوار ہو جائے گا.....اب آخر میں اشرف علی تھانوی کی جانب رخ کرتے ہیں انہوں نے بھی اسلام وسنت کی دشمنی میں اپنی کوئی نظیر نہیں چھوڑی ہے بلکہ انہیں تو فکر اس بات کی تھی کہ سرکار کو علم غیب کیسے مل گیا؟ وہ حفظ الایمان میں تحریر کرتے ہیں......

......اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے......ذرا سوچئے ایسا علم غیب تو زید وعمرو کو بھی حاصل ہے.....یہ ایک مستقل بے ادبی ہے.....اس سے بھی ان کا جی نہ بھرا تو اشرف علی نے سرکار کے علم غیب کو ہر بچہ کے علم غیب سے تشبیہ دے دیا.....یہ دوسری بے ادبی ہوئی جو پہلی سے کئی گنا زیادہ ہے....اب بھی ان کے دل کی خباثت دور نہ ہوئی بے ادبی میں حد سے پار کر گئے حیوانات اور بہائم سے تشبیہ دے دی.....اشرف علی صاحب کی یہ عبارت کس قدر گھنونی ہے؟ یہ کتنا گھٹیا رویہ ہے جسے انہوں نے اپنا کر نہ صرف اپنا نقصان کیا بلکہ تمام مسلمانوں کی دل آزاری بھی کی ہے اور ملت بیضاء کو ہر طرح سے نقصان پہونچانے کی کوشش کی ہے......مذکورہ گھنونی عبارتوں سے ظاہر ہے میرے امام سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا دل کس قدر دکھا ہوگا؟ اس بات کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا اپنے نبی پاک کے عاشق زار تھے اور قوم مسلم کے سچے ہمدرد تھے انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اور وہ خاموش تماشائی بنے رہیں اس طرح کی خاموشی کا سانحہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں بے حسی چھائی رہتی ہے یا پھر وہ جو غفلت شعاری

میں پڑے رہتے ہیں......آپ نے اپنے قلم پاک سے قاسم نانوتوی کا بھی رد فرمایا اور غلام احمد قادیانی کا بھی رد فرمایا....آپ نے رشید احمد گنگوہی کے خلاف بھی قلم اٹھایا اور خلیل احمد کے خلاف بھی مورچہ کھولا.....اشرف علی تھانوی بھی آپ کے قلم کی زد میں آئے کہ اہل بدعت کا رد فرمانا بھی ضروری ہوتا ہے اس پر کوئی مسلمان کیسے خاموش رہے گا؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کے سینہ میں صالح قلب ہوگا اور جس کی عقل، عقل سلیم، ہوگی وہ خاموش نہیں رہ سکتا ہے وہ تو اپنی اضطرابی کیفیت کا ذکر کرے گا....مسلک اعلیٰ حضرت کا بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے اور بہت ساری کتابیں بھی اس سے تعلق رکھتی ہیں.....ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں فقہی انداز میں بحث کی گئی ہے اور کسی میں کلامی انداز میں بحث کی گئی ہے انہوں نے باطل فرقوں کا رد قرآن کی آیتوں سے بھی کیا ہے اور احادیث پاک سے بھی اور اقوال علماء سے بھی اسے زینت بخشی ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں ایسی بحثیں بھی لائی آئیں جو اپنے آپ میں منفرد نظر آتی ہیں......اس دوران مخالفین کی کتابیں شائع ہوتی رہیں اور ساتھ میں کفری عبارتیں بھی منظر عام پر آتی رہیں اور اس کے ساتھ ہی ان عبارتوں پر نقد و جرح بھی ہوتے رہے اس کے باوجود مخالفین نے اس کی جانب نظریں گھما کر بھی نہیں دیکھا.....بلکہ امام احمد رضا کی جانب سے بار بار صفائی کا مطالبہ کئے جانے کے باوجود انہوں نے اپنی جانب سے کوئی صفائی نہیں دی اور نہ ہی اس پر اپنی زباں کھولنے کی ہمت کی ان کی جانب سے کفری عبارتوں کا بار بار شائع کرنا.....اور مطالبہ کرنے کے باوجود اپنی صفائی میں کچھ نہ کہنا......اور رد والے مضامین کا دفاع کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے ان کفری عبارتوں کا التزام کر رکھا ہے اور ان سے متفاہم کفری معانی کی بھی تصدیق کر دی ہے......لہذا اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں......اب میرا امام اس پر فیصلہ کن انداز میں قلم اٹھاتا ہے اور قلم بھی کیسا؟ جو قلم خارا شگاف ہے جو وار سے بھی پار ہو جاتا ہے اور ایسا پار ہوتا ہے کہ کوئی بھی چارہ جوئی کی ہمت نہیں کر سکتا ہے.....

نوٹ......ہم ہندوستا کے سارے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آئیں اور دیکھیں کہ دیوبندی علماء نے کس طرح سے انگریزوں سے مل کر کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اور کیسی کیسی باتیں کہی ہیں.......صحیح معنی میں یہ افراد بارگاہ رسالت میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں......جس کی وجہ سے انہیں کافر قرار دیا گیا لہٰذا اس تفصیلی بحث سے ثابت ہو گیا کہ اسماعیل دہلوی اور علمائے دیوبند کے کفریات میں فرق ہے کہیں لزومی ہے تو کہیں التزامی ہے لزومی کفریات میں،، کف لسان،، کی گنجائش ہے لیکن التزامی کفریات میں اس کی گنجائش نہیں ہے

☆☆☆

دسواں باب

حسام الحرمین کا تجزیاتی مطالعہ

الف......حسام الحرمین کی سن اشاعت

ب........حسام الحرمین کا معنی ومفہوم

ج.........المعتمد المستند کی اس عربی عبارت اور اردو ترجمہ

د........ہندوستانی باطل فرقوں کا تذکرہ اور نزاعی اقوال

س.......اسلوب پیش کش کا جمالیاتی تصور

ش......علمائے حرمین شریفین کی نوازشات

حسام الحرمین کا تجزیاتی مطالعہ

حسام الحرمین،، معنی ومفہوم اورسن اشاعت

اس کا پورا نام اس طرح ہے،، **حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین** ،، یہ اس کا تاریخی نام ہے اس کا تاریخی مادہ اس طرح نکلتا ہے

حسام = ۸+۶۰+۱+۴۰ = ۱۰۹

الحرمین = ۱+۳۰+۸+۲۰۰+۴۰+۱۰+۵۰ = ۳۳۹

علی، منحر = ۷۰+۳۰+۱۰+۴۰+۵۰+۸+۲۰۰ = ۴۰۸

الکفر والمین = ۱+۳۰+۲۰+۸۰+۲۰۰+۶+۱+۳۰+۴۰+۱۰+۵۰ = ۴۶۸

حاصل جمع = ۱۰۹+۳۳۹+۴۰۸+۴۶۸ = ۱۳۲۴ھ

لہٰذا اس کی سن اشاعت ۱۳۲۴ھ ہوئی۔ اس کتاب کا نام عربی میں رکھا گیا ہے اس نام کا اردو میں اتر جمہ یہ ہے: حرمین کی تلوار کفر اور کذب کی گردن پر ...... اس ترجمہ سے براہ راست اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس میں کیا ہے؟ اور اس کے مضامین کس نوعیت کے ہیں؟ اور یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ہندوستان میں باطل فرقوں سے جہاد کے لئے اگرچہ

انہوں نے اپنے قلم کا استعمال کیا مگر یہ قلم ایسا ہے جس کی وار تلوار سے کہیں زیادہ سخت ہوتی ہے اس قلم میں جو بھی توانائی ہے وہ حرمین شریفین کی ہے...... مکہ مکرمہ اور مدینہ پاک کے ارباب فکر و دانش کی ہے...... جوار رسول کے مشائخ اور علماء کی ہے...... اسی لئے ان کا لہجہ پر اعتماد ہے اور اس میں وثوق اور یقین پایا جاتا ہے۔ کسی کتاب کے نام سے اس کے فن اور موضوع کی طرف اشارہ ہو۔ یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ یہ ایسا جمالیاتی شعور ہے جو سب کو نصیب نہیں ہوتا ہے...... ہاں اسی کو نصیب ہوتا ہے جسے اللہ عطا فرماتا ہے،،، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین،، یہ عجلت میں لکھا ہوا فتوی نہیں ہے بلکہ باطل فرقوں کے نظریات کے وجود میں آنے سے برسوں بعد وجود میں آیا ہے مثلاً:۔

تحذیر الناس کی تصنیف سے ۳۰ / سال بعد

براہین قاطعہ کی اشاعت سے تقریباً ۱۰ / سال بعد

حفظ الایمان کی اشاعت سے ۱ / سال بعد

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ۱۳۲۰ھ میں حضرت علامہ سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب،، المعتقد المنتقد ،، پر ایک بہترین اور علم وفن سے مزین حاشیہ بنام،، المعتمد المستند ،، لکھا جس میں آپ نے قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبہٹوی، اشرف علی تھانوی اور مرزا غلام احمد قادیانی پر ان کی کفری عبارات کی بنیاد پر ایک فتوی تحریر فرمایا..... یہ فتوی عربی زبان و ادب میں ہے مگر یہاں اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے...... ملاحظہ فرمائیں...... اس مبارک فتوی کا نہایت ہی غور سے مطالعہ کریں اور اس کی اہمیت کا اندازہ لگائیں..... کہ یہ فتویٰ اس دور میں لکھا گیا تھا جب دیوبندیت ہندوستان میں سر ابھار رہی تھی اور اس کے خلاف لکھنا کسی جہاد سے کم نہ تھا اس کا مقصد صرف اہل ایمان کے عشق و ایماں کی حفاظت کرنا تھا اور ہندوستان کی سرزمیں کو ان کے ناپاک ارادوں سے پاک کرنا تھا...... اسی تناظر میں اس کا مطالعہ کریں

المعتمد المستند کی عربی عبارات کا اردو ترجمہ

اولاً.... یہ تحقیق کی کہ بدعت وکفریہ والا یعنی ہر وہ شخص کہ دعوی اسلام کے ساتھ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو یقیناً کافر ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے اور اس کے ساتھ شادی بیاہ کرنے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے اور اس کے پاس بیٹھنے اور اس سے بات چیت کرنے اور تمام معاملات میں اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو مرتدوں کا حکم ہے جیسا کہ کتب مذہب مثل، ہدایہ، وغرر، ومنتقی الابحر، ودر مختار، ومجمع الانہر، وشرح نقایہ، برجندی، وفتاوی ظہیریہ ،، وطریقہ محمدیہ، وحدیقہ ندیہ، وفتاوی عالم گیری، وغیرہا متون وشروح وفتاوی میں تصریح ہے............اور چاہئے کہ ہم گنائیں ان اشقیاء میں سے بعض فرقے جو ہمارے شہروں اور زمانہ میں پائے جاتے ہیں.....اس لئے کہ فتنے سخت صدمہ رساں ہیں اور ظلمتیں گھنگھور گھٹا کی طرح چھائی ہوئی ہیں اور زمانہ کی وہ حالت ہے جیسی صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی.....کہ آدمی صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر...اور شام کو مسلمان ہے اور صبح کو کافر.....والعیاذ باللہ تعالی

......تو ان کافروں کے کفر پر آ گاہی لازم ہے جو اسلام کے نام کو اپنا پردہ بنائے ہوئے ہیں........ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم......

باطل فرقوں کی تفصیل مع اس کے فاسد نظریات

پہلا فرقہ

مرزائیہ ہے جسے ہم ،،غلامیہ،، کہتے ہیں اس لئے کہ یہ فرقہ ،،غلام احمد قادیانی،، سے منسوب ہے وہ ایک دجال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہوا شروع میں اس نے کہا وہ مثل مسیح ہے ......واللہ اس نے سچ کہا.....کہ وہ مسیح دجال کذاب کا مثیل ہے پھر اسے اور اونچی چڑھی اور وحی کا ادعا کیا اور واللہ وہ اس میں بھی سچا ہے اس لئے کہ اللہ تعالی در بارہ شیاطین فرماتا ہے ..... یوحی بعضھم الی بعضٍ زخرف القول غرورا

....ایک ان کا دوسرے کو وحی کرتا ہے بناوٹ کی بات دھوکہ کی....رہا اس کا اپنی وحی کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اور اپنی کتاب،، براہین غلامیہ،، کو اللہ تعالی کی کتاب بتانا یہ بھی شیاطین ہی کی وحی سے ہے کہ تم مجھ سے لو.....اور نسبت کرو رب العلمین کی طرف......پھر اس نے نبوت ورسالت کے دعوی کی خاص تصریح کر دی اور لکھ دیا کہ....اللہ وہی ہے جس نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا........اور اس نے زعم کیا کہ ایک آیت اس پر یہ اتری ہے کہ...ہم نے اسے قادیان میں اتارا اور حق کے ساتھ اتر......اور زعم کیا کہ وہی وہ احمد ہے جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور ان کا یہ قول.....جو قرآن مجید میں مذکور ہے....میں بشارت دیتا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے......اس سے میں ہی مراد ہوں اور زعم کیا کہ اللہ تعالی نے مجھ سے کہا ہے کہ اس آیت کا مصداق تو ہی ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے......پھر غلام احمد قادیانی نے اپنے آپ کو بہت سے انبیاء اور رسولوں پر افضل بتانا شروع کیا اور گروہ انبیاء علیہم السلام سے کلمۂ خدا اور روح خدا عز وجل عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کو تنقیص خاص کر کے کہا......

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب کہ ان سے مواخذہ ہوا کہ تو اپنے آپ کو رسول خدا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مثیل بتاتا ہے تو وہ عقل کو حیران کر دینے والے معجزے کہاں ہیں؟ جو عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کیا کرتے تھے جیسے مُردوں کو جلانا، اور مادر زاد اندھے، اور بدن بگڑنے کو اچھا کرنا اور مٹی سے ایک پرند کی صورت بنانا پھر اس میں پھونک مارنا اس کا حکم خدا عز وجل سے پرندہ ہو جانا تو اس کا یہ جواب دیا کہ عیسیٰ یہ باتیں مسمریزم سے کیا کرتے تھے (انگریزی میں مسمریزم ایک شعبدہ کا نام ہے) اور لکھا کہ میں ایسی باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو میں بھی کر دکھاتا اور جب

پیشین گوئی کرنے کی عادت اسے چری ہوئی ہے اور پیشین گوئیوں میں اس کا جھوٹ کثرت سے ظاہر ہوتا ہے تو اپنی اس بیماری کی یہ دوا نکالی کہ پیشین گوئیاں جھوٹی ہو جانا کچھ نبوت کے منافی نہیں پہلے ۴۰۰ر انبیاء کرام کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہو چکی ہیں اور سب میں زیادہ جس کی پیشین گوئیاں جھوٹی ہوئی ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کی ہیں......اور مرزا غلام احمد قادیانی یوں ہی شقاوت کی سیڑھیاں چڑھتا گیا یہاں تک کہ انہیں جھوٹی پیشینگوئیوں میں سے واقعہ حدیبیہ کو گنا دیا تو اللہ تعالی کی لعنت ہو اس پر جس نے کسی نبی کو ایذا دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالی کی لعنت ہو اس پر.....اور اللہ تعالی کی درودیں اور برکتیں اور سلام ہو اس کے انبیاء علیہم السلام پر....اور جب اس نے چاہا کہ مسلمان زبردستی اس کو ابن مریم بنالیں اور مسلمان اس پر راضی نہ ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے فضائیل انہوں نے پڑھنا شروع کیئے تو لڑائی کے لئے اٹھا اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام میں عیب اور خرابیاں بتانی شروع کیں یہاں تک کہ ان کی والدہ ماجدہ تک ترقی کی.....جو صدیقہ ہیں اور غیر خدا سے بے علاقہ اور جو اللہ تعالی اور رسول اللہ علیہ السلام کی گواہی سے چنی ہوئی ستھری اور بے عیب ہیں اور تصریح کردی کہ یہودی جو عیسیٰ اور ان کی ماں پر طعن کرتے ہیں ان کا ہمارے پاس کچھ جواب نہیں نہ ہم اصلا ان پر کر سکتے ہیں اور ان کی پاک بتول کو اپنی طرف سے اپنے خبیث رسالوں میں جابجا وہ عیب لگائے کہ مسلمان پر جن کا نقل کرنا بھی گراں ہے اور تصریح کردی کہ عیسیٰ کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں بلکہ متعدد دلیلیں ان کے بطلان نبوت پر قائم ہیں پھر اس خوف سے کہ تمام مسلمان ان سے نفرت کر جائیں گے یوں اپنے کفر پر پردہ ڈالا کہ ہم انہیں صرف اس وجہ سے نبی مانتے ہیں کہ قرآن مجید میں انہیں انبیاء میں شمار کر دیا ہے۔ پھر پلٹ گیا اور بولا کہ ان کی نبوت کا ثبوت ممکن نہیں اس کے اس قول میں جیسا کہ دیکھ رہے ہو قرآن مجید کا بھی جھٹلانا ہے کہ اس نے ایسی بات فرمائی جس کے بطلان پر دلائل قائم ہیں ان کے سوا ان کے کفریات بہت زیادہ ہیں۔۔۔اللہ اس سے اور اس کے تمام دجالوں سے پناہ میں رکھے

یہ وہ نظریات ہیں جنہیں امام احمد رضا نے ،،المعتقد المنتقد ،،کے،، حاشیہ المعتمد المستند ،،میں ارشاد فرمایا...... بات اسی پر تمام نہیں ہوتی ہے کچھ اور بھی دجال ہیں جنہوں نے اپنی دسیسہ کاریوں سے اسلام وسنت اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ زیبا کو پورے طور پر مسخ کرنے کی کوشش کی ہے پتہ نہیں ان کے سینہ میں دل تھا یا پھر کوئی پتھر تھا جو نہ پگھلتا تھا اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی گداز جیسی کوئی کیفیت پیدا ہوتی تھی.....

.امام احمد رضا نے المعتمد المستند میں فرمایا.....

دوسرا فرقہ

وہابیہ امثالیہ خواتیمیہ......انہیں امثالیہ اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ کے ۶ر ۷ر مثل موجود ماننے والے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور طبقات زمیں میں ۶ر،،خاتم النبیین ،،موجود مانتے ہیں اور وہ کئی قسم ہیں

(۱)......امیریہ:۔امیر حسن وامیر احمد سہسوانیوں کی طرف منسوب

(۲)......نذیریہ:۔نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب

(۳).....قاسمیہ:۔قاسم نانوتوی کی طرف منسوب....

جس کی ،،تحذیر الناس،،ہے اور اس نے اپنے اس رسالہ میں کہا ہے کہ

،،بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانہ بالذات کچھ فضیلت نہیں،،

حالانکہ،،فتاوی تتمہ اور الاشباہ والنظائر،،وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا

سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے ہے اور یہ وہی نانوتوی ہے جسے محمد علی کانپوری ناظم ندوہ نے ،،حکیم امت محمدیہ،، کا لقب دیا ہے..... پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم......تو یہ سرکش شیطان کے چیلے با آنکہ اس مصیبت عظیم میں سب شریک ہیں آپس میں مختلف رایوں میں پھوٹے ہوئے ہیں جو شیطان فریب کی راہ سے ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اور ان کی تفصیل متعدد رسالوں میں ہو چکی......

تیسرا فرقہ

وہابیہ کذابیہ......رشید احمد گنگوہی کے پیرو پہلے تو اس نے پیر طائفہ اسماعیل دہلوی کے اتباع سے اللہ عزوجل پر یہ افترا باندھا کہ اس کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے اور میں نے اس کے اس بیہودہ بکواس کا ایک مستقل کتاب میں رد کیا جس کا نام ،،سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح،، رکھا اور میں نے یہ کتاب بصیغۂ رجسٹری اس کی طرف اور اس پر بھیجی اور بذریعہ ڈاک اس کے پاس سے رسید آ گئی جسے گیارہ برس ہوئے اور مخالفین تین برس خبریں اڑاتے رہے کہ جواب لکھا جائیگا لکھ گیا چھاپا جائیگا چھپنے کو بھیج دیا ہے اور اللہ عزوجل اس لئے نہ تھا کہ دغا بازوں کے مکر کو راہ دکھاتا تو وہ نہ کھڑے ہو سکے نہ کسی سے مدد پانے کے قابل تھے..... اللہ تعالی نے اس کی آنکھیں بھی اندھی کر دیں جس کی بصیرت کی آنکھیں پہلے سے پھوٹ چکی تھیں تو اب جواب کی امید کہاں؟ اور کیا خاک کے نیچے سے مردہ جھگڑنے آئیگا.....پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا صاف لکھ گیا کہ اللہ سبحنہ وتعالی کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ تعالی اللہ جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اسے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو اس لئے کہ بہت سے امام بھی ایسا ہی کہہ چکے ہیں جیسا اس نے کہا اور بس نہایت کار یہ ہے کہ اس نے تاویل میں خطا

کی تو لا الہ الا اللہ، اللہ عزوجل کے امکان کذب ماننے کا برا انجام دیکھ کیونکر وقوع کذب ماننے کی طرف کھینچ کر لے گیا..... یوں ہی سنت الٰہیہ جل وعلا چلی آئی ہے اگلوں سے یہی ہیں وہ جنہیں اللہ تعالی نے بہرا کیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**....

چوتھا فرقہ

وہابیہ شیطانیہ ہے

اور وہ رافضیوں کے فرقہ شیطانیہ کی طرح ہیں وہ شیطان الطاق کے پیرو تھے اور یہ شیطان آفاق ابلیس کے پیرو ہیں اور یہ بھی اسی تکذیب خدا کرنے والے گنگوہی کے دُم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب،، براہین قاطعہ،، میں تصریح کی (اور خدا قسم وہ قطع نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے کا اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے بد الفاظ میں ص ۴۷ر پر یوں ہے،،، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے اور اس سے پہلے لکھا کہ شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟

فریاد اے مسلمانو فریاد اے وہ جو سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم پر ایمان رکھتے ہو اسے دیکھو یہ جو دعوی کرتا ہے کہ علم پختہ کاری میں اونچے پائے پر ہے اور ایمان ومعرفت میں یدِ طولی رکھتا ہے اور اپنے دُم چھلوں میں قطب اور غوث زمانہ کہلاتا ہے کیسی منہ بھر کے گالی دے رہا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اور اپنے پیر ابلیس کی وسعتِ علم پر تو ایمان لاتا ہے اور وہ جنہیں اللہ عزوجل نے سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے اور اللہ عزوجل کا فضل ان پر عظیم ہے وہ جن کے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی اور انہوں نے ہر چیز پہچان لی اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے جان لیا اور جو کچھ مشرق ومغرب میں ہے

سب جان لیا اور تمام اگلوں اور پچھلوں کا علم انہیں حاصل ہوا جیسا کہ ان تمام باتوں پر بکثرت احادیث میں تصریح فرمائی اُن کے حق میں یہ کہتا ہے کہ ان کی وسعت علم میں کون سی نص ہے؟ کیا یہ علم ابلیس پر ایمان اور علم محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہ ہوا اور بیشک ،،نسیم الریاض،، میں فرمایا (جیسا کہ اس کا نص اصل کتاب میں گزر چکا ہے کہ،، جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو عیب لگایا اور حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا کا ہے اصلا فرق نہیں اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں کرتے اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے سے اب تک برابر اجماع چلا آیا ہے۔...

پھر میں کہتا ہوں اللہ کے مہر کر دینے کے اثر دیکھو کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے اور راہ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے ابلیس کے لئے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کیلئے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق ہے کسی ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو تو وہ تمام جہاں میں جس کے لئے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا تو دیکھو ابلیس لعین کا اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا ایمان رکھتا ہے شرکت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتفی ہے تو غضب الٰہی کا گھٹا ٹوپ اس کی آنکھوں پر.....دیکھو علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو نص مانگتا ہے اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک قطعی نہ ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی پر آیا تو خود اسی بحث میں ص ۴۶/ پر اس ذلت دینے والے کفر سے ۶/ سطر پہلے ایک باطل روایت کی سند پکڑی جس کی دین میں بالکل اصل نہیں اور ان کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کر رہا ہے جنہوں نے اسے روایت نہیں کیا بلکہ اس کا صاف رد کیا.....کہ کہتا ہے،، شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ

مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں،، حالانکہ شیخ نے،، مدارج النبوۃ،، میں یوں فرمایا ہے ،، یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں فرمایا میں تو ایک بندہ ہوں اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول محض بے اصل ہے اس کی روایت صحیح نہ ہوئی دیکھو! کیسی،، **لا تقربوا**،، سے دلیل لایا اور،، **انتم سکریٰ**،، کو چھوڑ گیا اسی امام ابن حجر نے فرمایا اس کی کچھ اصل نہیں اور امام ابن حجر مکی نے،، افضل القریٰ،، میں فرمایا اس کی کوئی سند نہ پہچانی گئی اور میں نے اس کے دونوں قول یعنی وہ جو اس نے تکذیب الٰہی عز جلالہ اور تنقیص علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وبال اپنے سر لیا اس کے بعض شاگردوں اور مریدوں کے سامنے پیش کئے تو اس نے میرا خلاف کیا اور بولا بھلا ہمارے پیر ایسے کفر بک سکتے ہیں؟ تو میں نے اسے کتاب دکھائی اور اس کے کفر کا پردہ کھولا تو مجبور ہو کر اسے یہ کہنا پڑا کہ یہ کتاب میرے پیر کی نہیں یہ تو ان کے شاگرد خلیل احمد انبہٹوی کی ہے میں نے کہا اس نے اس پر تقریظ لکھی اور اسے کتاب مستطاب اور تالیف نفیس کہا اور اللہ تعالی سے دُعا کی کہ اسے قبول کرے اور کہا یہ،، براہین قاطعہ،، اپنے مصنف کی وسعت نور علم اور فسحت ذکاء وفہم وحسن تقریر اور بہائے تحریر پر دلیل واضح ہے تو اس کا مرید بولا کہ شاید انہوں نے یہ کتاب ساری نہ دیکھی ہو کہیں کہیں متفرق جگہ سے کچھ دیکھی اور اپنے شاگرد کے علم پر بھروسا کیا میں نے کہا یوں نہیں بلکہ اس نے اسی تقریظ میں تصریح کی ہے کہ اس نے یہ کتاب اول سے آخر تک دیکھی بولا شاید انہوں نے غور سے نہیں دیکھی ہوگی میں نے کہا ہشت بلکہ اس نے تصریح کی ہے کہ میں نے اسے بغور دیکھا ہے اور تقریظ میں اس کی عبارت یہ ہے،، اس احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا،، انتہیٰ تو دنگ ہو کر رہ گیا ناحق جھگڑنے والا اور اللہ تعالی ہٹ دھرموں کا مکر نہیں چلنے دیتا اور اس فرقۂ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دُم چھلوں میں ہے جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں اس نے ایک چھوٹی سے رسلیا

تصنیف کی کہ چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے،، آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیونات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے،، الی قولہ،، اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے ،،،....... میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چنیں وچناں میں اور کیونکر اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ زید اور عمرو اور اس شیخی بگھارنے والے کے یہ بڑے جن کا اس نے نام لیا انہیں غیب کی کوئی بات معلوم ہوگی تو بطور ظن معلوم ہوگی امور غیب پر علم یقینی تو اصالۃ خاص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملتا ہے اور غیر انبیاء کو جن امور غیب پر یقین حاصل ہوتا ہے وہ انبیاء ہی کے بتانے سے ملتا ہے نہ کسی اور کے..... کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کیسا ارشاد فرماتا ہے کہ،، اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم کو اپنے غیب پر مطلع کر دے۔ ہاں اللہ تعالی اس کے لئے اپنی مشیت کے موافق اپنے رسولوں کو چنتا ہے..... اور اسی نے فرمایا عزت والا وہ فرمانے والا،، اللہ غیب کا جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا ہے سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ دیکھو! اس شخص نے کیسا قرآن عظیم کو چھوڑا اور ایمان کو رخصت کیا اور یہ پوچھنے بیٹھا کہ نبی اور جانور میں کیا فرق ہے؟..... ایسے ہی اللہ مہر لگا دیتا ہے ہر مغرور بڑے دغاباز کے دل پر پتھر خیال کر و اس نے کیونکر مطلق علم اور علم مطلق میں حصر کر دیا اور ایک دو حرف جاننے اور ان علموں جن کے لئے حد نہ شمار کچھ فرق نہ جانا تو اس کے نزدیک فضیلت اسی میں منحصر ہوگئی کہ پورا احاطہ ہو اور فضیلت کا سلب واجب ہوا ہر اس کمال سے جس میں کچھ بھی باقی رہ جائے تو غیب

اور شہادت کی کچھ تخصیص نہ رہی مطلق سلب کی فضیلت کا سلب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے واجب ہوا اور علم غیب میں جاری ہونے سے مطلق علم میں اس کی تقریر خبیث کا جاری ہونا زیادہ ظاہر ہے کہ ہر آدمی وجانور کے لئے بعض مطلق علم حاصل ہونا انہیں علم غیب کے حاصل ہونے سے زیادہ روشن ہے پھر میں کہتا ہوں ہر گز تو کبھی نہ دیکھے گا کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے اور وہ ان کے جل وعلا کی تعظیم کرتا ہو حاشا خدا کی قسم ان کی شان وہی گھٹائیگا جو ان کے رب تبارک وتعالی کی شان گھٹاتا ہے جیسا کے اللہ وعز وجل نے فرمایا ہے ،، ظالموں نے قرار واقعی خدا ہی کی قدر نہ پہچانی۔ اس لئے یہ گندی تقریر اگر علم اللہ عز وجل میں جاری نہ ہو تو وہ قدرت الٰہی میں بعینہ بغیر کسی تکلیف کے جاری ہے جیسے کوئی بے دین جو اللہ سبحانہ تعالی کی قدرت عامہ کا منکر ہو اس منکر سے علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار رکھتا ہے سیکھ کر یوں کہے کہ اللہ عز وجل کی ذات مقدسہ پر قدرت کا حکم کیا جانا اگر بقول مسلمانان صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قدرت سے مراد بعض اشیاء پر قدرت مراد ہے یا کل اشیاء پر قدرت ہے اگر بعض پر قدرت ہونا مراد ہے تو اس میں اللہ عز وجل کی کیا تخصیص ہے؟ ایسی قدرت تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنوں بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کے لئے حاصل ہے اور اگر کل اشیاء پر قدرت مراد ہے اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی اس سے خارج نہ ہو تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے کہ اشیاء میں خود ذات باری بھی ہے اور اسے خود اپنی ذات پر قدرت نہیں ورنہ تحت قدرت ہو جائیگا تو ممکن ہو جائیگا تو واجب نہ رہے گا تو الٰہ نہ رہے گا تو بدکاری کو دیکھو کیسی ایک دوسرے کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور اللہ کی پناہ جو اللہ کی پناہ جو سارے جہاں کا مالک ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر ومرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں اور بیشک بزازیہ، درر وغرر، اور فتاوی خیریہ اور مجمع الانہر اور در مختار وغیرہ معتمد کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ،، جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے خود

کافر ہے اور شفا شریف میں فرمایا ہم اسے کافر کہتے ہیں جو ایسوں کو کافر نہ کہے جس نے ملت اسلام کے سوا کسی ملت کا اعتقاد کیا یا ان کے بارے میں توقف کرے یا شک لائے اور بحر الرائق وغیرہ میں فرمایا جو بد دینوں کی بات کی تحسین کرے یا کہے کچھ معنی رکھتی ہے یا اس کلام کے کوئی صحیح معنی ہے اگر اس کہنے والی کی وہ بات کفر تھی تو یہ جو اس کی تحسین کرتا ہے یہ بھی کافر ہو جائیگا اور امام ابن حجر نے ،، کتاب الاعلام ،، کی اس فصل میں جس میں وہ باتیں گنائی ہیں جن کے کفر ہونے پر ہمارے ائمہ اعلام کا اتفاق ہے فرمایا جو کفر کی بات کہے وہ کافر ہے اور جو اس بات کو اچھا بتائے یا اس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے ..... ہاں ہاں .....احتیاط احتیاط ...اے مٹی اور پانی کے پتلے تمام چیزیں جو پسند کی جائیں دین ان سب سے عزت والا ہے اور بیشک کافر کی توقیر نہ کی جائیگی....اور بیشک گمراہی سے بچنا سب سے زیادہ اہم ہے اور بیشک ایک شر دوسرے شر کو نہایت کھینچ کر لانے والا ہے اور بیشک جن چیزوں کا انتظار کیا جاتا ہے ان سب میں بدتر دجال ہے اور بیشک اس کے پیرو کار ان لوگوں کے پیرؤوں سے بھی بہت زیادہ ہونگے اور بیشک اس کے اچنبے ان کے شعبدے سے زیادہ ظاہر اور بڑے ہونگے اور بیشک قیامت سب سے زیادہ دہشت والی اور سب سے زیادہ کڑوی ہے تو اللہ کی طرف بھاگو کہ ابلا ٹیلوں تک پہونچ گیا اور نہ بدی سے پھرنا نہ نیکی کی طاقت مگر اللہ کی توفیق سے اس مقام پر کلام طویل کیا کہ ان باتوں پر تنبیہ کرنا ان چیزوں میں تھا جو مہم سے بڑھ کر مہم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کام بنانے والا اور سب سے بہتر درود اور سب سے کامل تر تعظیم ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی تمام آل پر اور سب خوبیاں خدا کو جو مالک سارے جہاں کا ہے.......... یہاں تک ،، المعتمد المستند ،، کا کلام ہے جو ختم ہوا ......المعتمد المستند کی عبارت کو بغور پڑھیں اور اسے خوب ذہن نشیں کر لیں

حضرات گرامی!

مذکور بالا عربی عبارت کے اردو ترجمے کو دیکھئیے اور اسے غور سے پڑھئیے ...... کہ

ہندوستان میں باطل فرقوں کے تعلق سے امام احمد رضا نے اپنا شرعی موقف واضح کر دیا کہ یہ کافر و مرتد ہیں اسلام سے خارج ہیں جو انہیں اچھا کہے اور ان کی باتوں کی تحسین کرے وغیرہ وغیرہ وہ بھی کافر ہے بلکہ ان کے کافر ہونے اور عذاب قبر کے بارے میں شک کرنے والا بھی کافر ہے .... مرزا غلام احمد قادیانی ،قاسم نانوتوی ،رشید احمد گنگوہی ،خلیل احمد انبہٹوی ،اور اشرف علی تھانوی کے کفریات ،فقہی کفریات نہیں ہیں بلکہ یہ کلامی کفریات ہیں ......جب کوئی کلامی کفریات کا مرتکب ہو جاتا ہے تو اس دور کے اعلم علمائے بلد......اور مرجع انام عالم دین پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ شرعی طور پر جو حکم ہو اسے بیان کرے اور ان کفریات کے بکنے والوں کو کیفر کردار تک پہونچا دے امام احمد رضا نے وہی کیا جو شریعت کا حکم تھا ورنہ انہیں کافر بنانے میں کسی کا کیا فائدہ تھا؟ ذرا سوچئیے اگر ان پر شریعت کا حکم نافذ نہ کیا جاتا اور انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا تو پھر یہی ہوتا کہ جو چاہتا اور جب چاہتا بکواس کرتا رہتا کبھی وہ اللہ کی شان گھٹاتا اور کبھی چاہتا رسول صلی اللہ علیہ کی بارگاہ میں بے ادبی کرتا رہتا.....کسی بھی مسلمان کو ان کا یہ رویہ نہ کل پسند تھا نہ آج ہے اور نہ ہی کل ہو سکتا ہے ......آج جو افراد مسئلہ تکفیر کو لے کر امام احمد رضا پر تنقید کر رہے ہیں وہ خود اپنے گریباں میں منھ ڈال کر سوچیں کہ امام احمد رضا نے جو کچھ بھی کیا اس میں غلطی کیا ہے؟ نہیں..! بلکہ یہ شریعت پر عمل ہے اور الحب للہ اور والبغض للہ کے جذبے کا اظہار ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے ......اس حکم شریعت کے اظہار پر امام احمد رضا تبریک وتہنیت کہ مستحق ہیں کہ وہ مسئلہ جو برسوں سے الجھا پڑا تھا حالانکہ ان باطل فرقوں کے فاسد افکار ونظریات پر تنقیدیں ہو رہی تھیں .....رد کے مضامین لکھے جا رہے تھے......مگر اس تعلق سے حتمی فیصلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے حصہ میں آنا تھا سو وہ آیا اور آپ نے اپنی ذمہ داری نبھائی.........اس ذمہ داری کے نبھانے پر اگر پھر بھی کوئی تنقید کرتا ہے تو یہ ان پر زیادتی ہوگی.....اور ان پر ظلم ہوگا....

☆☆☆☆

گیارہواں باب

اثراتِ مابعد التکفیر

علمائے دیو بند کی تکفیر کے اثرات

جو افراد تاریخ کا گہرا شعور رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اسماعیل دہلوی سے علماء دیو بند تک جتنے بھی افراد گزرے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو ستانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور ان کے دلوں کے دکھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑ رکھی قلم ان کے ہاتھ میں تھا

کاغذات کی کمی نہ تھی حوصلہ دینے والے بھی حوصلہ دے رہے تھے ترغیب دینے والے ترغیب دے رہے تھے اشارہ کسی کا ہوتا تھا اور رقص ان کا قلم کیا کرتا تھا جہاں اس طرح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے وہاں انسان شعوری اور غیر شعوری دونوں صورتوں میں اپنے محسنوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے ان کا محسن کون تھا؟ اور کون ہے؟ اسے بتانے کی ضرورت نہیں یہ تو دن کے اجالے سے بھی زیادہ روشن ہے اور چاند کی چاندنی سے بھی زیادہ نکھرا ہوا ہے یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں کوئی غلط بات نہیں ہے اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیجیئے تو اس میں سچائی زیادہ ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان میں جس قدر بھی باطل فرقے ہیں وہ راہ سے بے راہ ہو چکے ہیں اور صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی راہ سے اسی وقت بھٹکتا ہے جب کوئی انہونی ہوتی ہے اس مقام پر انہونی کیا ہے؟ یہ خردمندوں سے پوشیدہ نہیں ....جو اس دور سے تعلق

رکھتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہونگے کہ ان کے افکار فاسدہ اور انظار کاسدہ کے اثرات سماج اور معاشرہ پر گہرے ہو چکے تھے سادح لوح مسلمانوں کے ذہنوں پر بھی اس کے اثرات مرتسم ہو رہے تھے..... یہاں اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے کی حفاظت کی جائے اور ان کے عشق و وفا کی پاکیزگی اور تقدس کو

پائمال ہونے سے بچایا جائے ....اس مقصد کے حصول کے لئے کس حوصلہ کی ضرورت تھی؟ جرأت ایمانی کس قسم کی ہونی چاہیئے؟ یہ سب پر عیاں تھا.....اس دور میں اہل علم کی بھی کمی نہ تھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے جو اپنے اپنے علاقوں میں چاند و سورج کی حیثیت رکھتے تھے ایسے گھنگھور بادلوں سے افق آسمانی کو صاف شفاف کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا کوئی عام علم اسے انجام نہیں دے سکتا تھا اس بنیاد پر کہتا ہوں یہ کام تو،،مجدد،، کا کام تھا یہ خدمت تو،،تجدید دین وملت،، کی حیثیت رکھتی ہے.....امام احمد رضا چونکہ اپنے وقت کے مجدد تھے احیاء دین وملت ان کے منصبی فرائض میں تھے اس لئے آپنے ان کے خلاف قلمی جہاد فرمایا اصلاح کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جانے کے بعد حکم تکفیر نافذ کر دیا......اور پھر اس مسئلہ کو لے کر،،علمائے حرمین شریفین،، کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے انہوں نے کس درد بھرے انداز میں اپنا عریضہ پیش کیا یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے،،حسام الحرمین،، کا ابتدائی حصہ پیش خدمت ہے جس کا اردو ترجمہ پیش ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . ..... نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

.....سلام ہماری طرف سے اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہمارے سرداروں امن والے شہر مکہ معظّمہ کے عالموں اور ہمارے پیشواؤں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ طیبہ کے فاضلوں پر اللہ تعالی درود وسلام و برکت نازل کرے ہمارے نبی اور سب انبیاء پر پھر آپ کی آستانہ بوسی کے بعد آپ کی جناب میں عرض (ایسی عرض جیسے کوئی حاجتمند بے نوا ستم دیدہ گرفتار دل شکستہ عظمت والے کریموں سخا والے رحیموں سے عرض کرے جن کے ذریعہ

سے اللہ تعالیٰ بلا ورنج دور فرماتا اوران کی برکت سے خوشی وسود مندی بخشتا ہے.... یہ ہے کہ مذہب اہلسنت ہندوستان میں غریب ہے اورفتنوں اور محنتوں کی تاریکیاں مہیب....شر بلند ہے اورضرر اور کام نہایت دشوار تو سنی اپنے دین پر صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے آگ مٹھی میں رکھنے والا تو آپ جیسے سرداروں پیشواؤں کریموں کے ذمہ ہمت پر مدد دین ....تذلیل مفسدین واجب ہے جب تلواروں سے نہیں تو قلموں سے سہی ......فریاد....فریاد.....اے خدا کے لشکر و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے سوارو! ہماری مدد کرو اپنی روشنائی سے اور دفع دشمناں کے لئے سامان مہیا کرو اوراس سختی میں ہمارے بازو کو قوت دو اوران امور کے ظاہر کرنے میں بقدر قدرت ایک آسان بات یہ ہے ہمارے شہروں کے علماء میں سے ایک مرد نے جو ہمارے سرداروں اورعمائد کی زباں پر لقب عالم اہلسنت وجماعت سے ملقب ہے اپنی جان کو ان گمراہیوں اور قباحتوں کے دفع میں وقف کر دیا۔ کتابیں تصنیف کیں اور بیانات تالیف کئے اس کی تصنیفیں دوسو سے زائد ہوئیں جن سے دین کی زینت اور زنگ کا دور ہونا ہے ان میں سے،، **المعتمد المنتقد**،، کی شرح،، **المعتمد المستند**،، ہے اس کی ایک مبحث شریف میں ان کفری بدعات کے اصول پر کلام کیا ہے جو آج ہندوستان میں شائع ہو رہی ہیں اس مبحث میں سے ہم بعض فرقوں کا ذکر اسی کی عبارت میں آپ حضرات پر عرض کرتے ہیں تاکہ حضرات کی نگاہ وتصدیق سے مشرف ہو اور سنت شادماں اور مسرور ہو اور حضرات کی تصحیح وتصدیق کی برکت سے مذہب اہلسنت پر سے ہر مشکل دور ہو اور صاف ذکر فرمائیے کہ وہ سرداران گمراہی جن کا ذکر اس مبحث میں کیا ہے آیا ایسے ہی ہیں جیسا مصنف نے کہا ہے تو جو حکم اس میں انہوں نے لگایا سزاوار قبول ہے یا ان لوگوں کو کافر کہنا جائز نہیں نہ عوام کو اس سے بچانا اور نفرت دلانا روا ہے۔ اگرچہ وہ ضروریات دین کا انکار کریں اور اللہ رب العلمین اوراس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معزز وامین کو برا کہیں اور اپنا یہ اہانت بھرا کلام چھاپیں اور شائع کریں۔ اس لئے کہ وہ عالم ومولوی ہیں......اگرچہ وہابی ہیں تو ان کی

تعظیم شرعاً واجب ہے اگرچہ اللہ ورسول کو گالیاں دیں جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے جن کے دلوں میں ایمان مستقر نہ ہوا اوراے ہمارے سردار اپنے رب عزوجل کے دین کی مدد کو بیان فرمائیے......کہ یہ لوگ جن کا نام مصنف نے لیا اوران کا کلام نقل کیا اور ہاں یہ ہیں ان کی چند کتابیں جیسے قادیانی کی،، اعجاز احمدی،، اور،، ازالۃ الاوہام،، اور،، فتوائے رشید احمد گنگوہی،، کا فوٹو اور،، براہین قاطعہ،، کہ درحقیقت اسی گنگوہی کی ہے اور نام کیلئے اس کے شاگرد خلیل احمد انبیٹھوی کی طرف نسبت ہے اوراشرف علی تھانوی کی،، حفظ الایمان،، کہ ان کتابوں کی عبارات مردودہ پر امتیاز کے لئے خط کھینچ دیئے گئے ہیں......آیا یہ لوگ اپنی ان باتوں میں ضروریات دین کے منکر ہیں اگر منکر ہیں اور مرتد کافر ہیں تو آیا مسلمان پر فرض ہے کہ انہیں کافر کہے جیسا کہ تمام منکران ضروریات دین کا حکم ہے جن کے بارے میں علماء معتمدین نے فرمایا،، جو انکے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے جیسا کہ،، شفاء السقام،، اور،، بزازیہ،، ومجمع الانہر،، و درمختار،، وغیرہا روشن کتابوں میں ہے اور جو ان میں شک کرے یا انہیں کافر کہنے میں تأمل کرے یا ان کی تعظیم کرے یا ان کی تحقیر سے منع کرے تو شرع میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟......آپ حضرات ہمیشہ فضل خدا سے مسلمانوں پر احکام دین کا اضافہ فرماتے رہیں۔ اور درود وسلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کے آل واصحاب سب پر........

حضرات گرامی اس کے بعد آپ،، **المعتمد المستند**،، کی وہ اردو عبارت جوڑ کر پڑھیں جو باب دہم میں ذکر کر دی گئی ہے،، حسام الحرمین،، کی ابتدائی عبارت کا آپ مطالعہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا نے علمائے دیوبند کی تکفیر کے مسئلہ میں احقاق حق اور ازہاق باطل کے جذبے سے سرشار تھے انہوں نے جو بھی کام انجام دیا اس میں خلوص تھا محبت تھی اور عشق ووفا کی چاندنی پائی جاتی تھی۔ اور آپ پوری ملت اسلامیہ کو اس کے دلدل سے نکالنا چاہتے تھے۔ یہ کارروائی نہ کسی ذاتی رنجش اور نہ ہی کسی ذاتی بغض وعناد پر مبنی تھی......

اس کام کو اگر امام احمد رضا انجام نہ دیتے تو کوئی اور دیتا اللہ تعالی اس کے لئے کسی نہ کسی کا انتخاب ضرور فرماتا کہ اسلام وسنیت پر جب بھی اس قسم کے حالات مسلط ہوئے ہیں تو قانون فطرت اس کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کے دین پاک کو بیچ منجدھار میں نہ کبھی چھوڑا ہے اور نہ ہی کبھی چھوڑے گا......لوگوں کو اس بات پر درد سر نہیں ہو رہا ہے کہ یہ کام تکمیل تک پہونچ گیا...... بلکہ انہیں غم صرف اس بات پر ہے کہ یہ کام امام احمد رضا کے مقدس ہاتھوں سے کیوں انجام پذیر ہوا...... بہر حال اس درد کا کوئی علاج نہیں دنیا کے کسی بھی حکیم کے پاس جایئے وہ بھی یہی کہے گا اس کا کیا علاج ہے؟ اس بات کا ملال غیروں سے کہیں زیادہ اپنوں کو ہے..... بتایئے اپنوں کو کون سمجھائے ؟ یہ دلی پرخاش کل بھی تھا اور آج بھی ہے کل یہ چنگاری دلوں میں چھپی ہوئی تھی اور آج یہ چنگاریاں فضاؤں میں رقص کر رہی ہیں جن کی وجہ سے اتفاق واتحاد کا خرمن جل رہا ہے یہ وہ آتش فشاں ہے جس کے پگھلتے لاؤوں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے..... خیر یہ ایک ضمنی بات تھی جو بیچ میں آگئی مگر اسکا آنا بھی ضروری تھا کہ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہر کوئی اپنی صورت دیکھ سکتا ہے اور پھر اپنی حیثیت کا خود بھی تعین کر سکتا ہے......

کہا جاتا ہے جب ضمیر کی آواز تحریر کی صورت میں نمودار ہوتی ہے تو اجابت اسے اپنے باہوں میں سمیٹ لیتی ہے اور اسے قبولیت سے مشرف کر دیتی ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا کی آواز ضمیر کی آواز تھی جس میں درد بھی تھا اور تڑپ بھی تھی اس میں انفرادیت کی بو باس کم تھی ہاں اس میں اجتماعیت کا رنگ غالب تھا حرمین شریفین کے مقدس علماء اور مشائخ کی بارگاہ میں اپنے لئے نہیں بلکہ قوم وملت کے ایمان وعقیدہ اور مذہب اہلسنت کی حفاظت وصیانت کے مقصد کے تحت حاضر ہوئے تھے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اس عریضہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اس پر تقریظ بھی لکھی اور اپنے قلم حقیقت رقم سے اس کی تصدیق بھی فرمائی اور تصویب بھی کی... انہوں نے کتنے

محبت بھرے لفظوں سے تصدیق فرمائی ہے؟ اسے دل وجاں سے مطالعہ کرنے کی حاجت ہے جس سے اسباب کا اندازہ ہو جائیگا کہ امام احمد رضا نے ،،اپنے حاشیہ،، المعتمد المستند ،، میں علمائے دیوبند کے مکروہ چہروں کی نقاب کشائی کر کے ایک بہت بڑا کام انجام دیا ہے...... یہ کام اس قدر آسان نہ تھا کہ اسے ہر کوئی انجام دے دیتا یہ بہت مشکل کام تھا جس کے لئے محنت ومشقت بھی چاہیئے تھی اور حوصلہ وجرأت بھی....اس کے لئے علمی ،فکر،بصیرت کی حاجت بھی تھی اور مناسب اسلوب بیاں بھی.....اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ اسے ایسا شخص انجام دے سکتا ہے جو قوت برداشت بھی رکھتا ہو اور تحمل مزاجی بھی.......اور اس کے لئے احتیاط کی ایسی بہار چاہئے تھی۔ جو اب تک کسی چمن سے نہ ہو کر گزری ہو......اس طرح کی تمام خوبیاں امام احمد رضا کی ذات وشخصیت میں پائی جاتی تھیں۔اس لئے یہ کام آپ کے حصہ میں آیا...... یہ کام یقینی طور پر،،تنقیدی عمل،، سے تعلق رکھتا ہے اس بات سے کسی کو انکار نہیں.....مگر یہ کوئی عام،،تنقیدی عمل،،نہیں ہے کہ عام تنقیدی عمل میں پورے طور پر انفرادیت کی سج دھج نظر آتی ہے۔ یا پھر اس میں سماج و معاشرہ کے اثرات دکھائی پڑتے ہیں اور کبھی کبھی اس میں بھی زمانہ کے بدلتے ہوئے مزاجوں سے مطابقت دکھائی پڑتی ہے اور دانشوروں کے سبھی طبقے اس طرح کے تنقیدی عمل کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اور ہر دور میں کرتے رہے ہیں.....مگر مسئلہ تکفیر یہ ایک ایسا تنقیدی عمل ہے جو نہایت ہی نازک ہے اس میں نہ انفرادیت ہوتی ہے اور نہ ہی سماج ومعاشرہ کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے بلکہ یہاں اس عمل کے ذریعہ،،ذہنی اور فکری عمل،، میں تبدیلی لانا ہوتا ہے سماج ومعاشرہ کو اسی رویہ پر ساتھ لے کر چلنا ہوتا ہے...... جو اس تبدیلی کا تقاضا ہوتا ہے اس طرح کی تبدیلی داخلی یا خارجی دنیا سے کسی کے اوپر مسلط نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ تبدیلی خود ذات میں کی جاتی ہے۔ اندرون شخصیت کی جاتی ہے تا کہ انسان از خود بدل جائے جب وہ بدل جائیگا تو پھر رفتہ رفتہ ہر چیز بدل جائیگی....... ہماری جماعت کے بہت

سے افراد عام طور پر اس مسئلہ کو سرسری طور پر لیتے ہیں اور جذباتی انداز میں اس سے گزر جاتے ہیں......اسلئے اس کے مضمرات ان پر منکشف نہیں ہو پاتے اس بارے میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ اسے جذباتی عمل تصور کر کے نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ دور حاضر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے محتاط، مثبت اور تعمیری رویوں میں لیا جائے .....کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ کہ جب انسان بدلتا ہے تو پھر عشق و وفا کے فیض و برکت کا رخ بھی بدلجاتا ہے اور سر بستہ رازوں کا بھی انکشاف ہونے لگتا ہے......چلئے اب بارہویں باب کی سیر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں اس میں کیسے کیسے خوشنما پھول کھلے ہوئے ہیں

☆☆☆☆

بارھواں باب

تقاریظ وتصدیقات

تقاریظ و تصدیقات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب اپنا فتویٰ،، علمائے حرمین شریفین ،، کے روبرو پیش کیا تو انہوں نے اس کا مطالعہ فرمایا اور اپنے طور پر الگ سے کوئی فتویٰ صادر کئے بغیر اعلیٰ حضرت کے فتوی کی تصدیق فرمادئی اور بعض علماء نے اسی پر تقریظ لکھ کر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی......اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کا فتویٰ ان علمائے کرام کے نزدیک نہایت ہی جامع اور مانع تھا ورنہ اگر اس میں کسی طرح کی کمی ہوتی تو اس کا ازالہ کرتے اور کتر وبیونت سے کام لیتے۔ انہوں نے ایسا نہ کرکے اس بات کو ثابت کردیا کہ اے احمد رضا! تم نے جو لکھا ہے وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے اس میں نہ ایک حرف کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی حرف کی کمی کی جاسکتی ہے...... یہ خوبی امام احمد رضا کی ہر تحریر میں پائی جاتی ہے ان کی کوئی بھی تحریر اس خوبی سے باہر نہیں ہے۔ یہ مقام عبرت ہے ان افراد کے لئے جو اس دور میں امام احمد رضا کے فتاویٰ میں کمی تلاش کررہے ہیں اور ان میں نقص نکالنے میں راتوں کو اپنی نیندیں حرام کررہے ہیں...... خیر اس مسئلہ پر ہم کیا کہیں؟ اور کس سے کہیں؟.....سبھی ذی علم افراد اس بات کو جانتے ہیں کہ اس طرح کے رویوں سے ان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی چمکتی

اور دمکتی ذات و شخصیت دھندلی کردی جائے .....اس قسم کا رویہ اگر کسی بے پڑھے لکھے انسانوں سے صادر ہوتا تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ اب تک ان کی شخصیت کی گہرائیوں سے آشنا نہیں ہیں اور جب یہی رویہ کوئی پڑھا لکھا فرد اپناتا ہے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ پڑھے لکھے ضرور ہیں مگر علم وفن اور فکر وشعور سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے؟ اس قسم کے ہنر سے ابھی تک واقف ہی نہیں .....اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ افراد امام احمد رضا کے تعلق سے جانتے تو سبھی کچھ ہیں لیکن ان کے دل میں کچھ ایسی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی ضمیر کی آواز کو اپنی زباں سے ظاہر نہیں کرسکتے ہیں......اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے استاد گرامی مصنف قانون شریعت شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک تأثر آپ کے سامنے پیش کردیں،، حضور شمس العلماء نے ایک مرتبہ درس کے دوران ارشاد فرمایا کہ: امام احمد رضا کی تحریر میں کسی طرح کی خامی نہیں ملتی ہے۔ حضرت شمس العلماء کی اس تحریر کو کیا صرف انفرادی تأثر کا نام دیا جاسکتا ہے ؟ یا پھر اس کے پس منظر کوئی حقیقت ہے جو روپوش ہے اور دعوت فکر دے رہی ہے؟ ہاں! اس کے پسِ منظر ایک حقیقت ہے مگر یہ حقیقت سب پر عیاں ہو یہ کوئی ضروری نہیں ہے......ہوسکتا ہے خامیاں تلاش کرنے والے بھی اسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہوں اور ان پر پر حقیقت کا انکشاف نہیں ہو رہا ہو .....اب آیئے اور ان ارباب فکر و دانش کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں جنہوں نے اس حقیقت کو سمجھا بھی ہے اور اس حقیقت پر اظہار خیال کی قوت و استطاعت بھی رکھتے ہیں.......

تقریظ وتصدیق

........یہ دونوں عربی زبان وادب کے الفاظ ہیں اہل علم وفن اور ارباب فکر وشعور کے مابین متداول ہیں......لغت میں تقریظ کا معنی کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا لکھا ہوا ہے اسی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ،،شاعری،، کو بھی ،،تقریظ ،، سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ

،،شاعری،،کی اس کے وزن کے اعتبار سے تقطیع کی جاتی ہے اور جب شاعری کے علاوہ نثری ادب میں اسے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقرظ اپنے پیش نظر مقالہ کا مطالعہ اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کرتا ہے اس کے بعد ہی وہ مقالہ کی مدح کرتا ہے اور مقالہ نگار کے تعلق سے اپنے تأثرات کا اظہار کرتا ہے...... دوران مطالعہ مقالہ کے ادبی، مذہبی، فقہی، فکری، اور سماجی، زاویئے بھی منکشف ہوتے ہیں اور اسلوبی خصوصیات بھی فکر وشعور کے دروازہ پر دستک دیتی ہیں اس کے بعد ہی تقریظ کی باری آتی ہے...... تقریظ کبھی فردعظیم اور بڑی شخصیت کی طرف سے لکھی جاتی ہے اور کبھی ان افراد کی جانب سے لکھی جاتی ہے جن کی علمی حیثیت مصنف کی علمی حیثیت کے برابر ہوتی ہے اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ تقریظ عام ہوتی ہے کیونکہ اس میں بہت سے پہلوؤں پر گہری نظر رکھنی پڑتی ہے اور تصدیق اس کے مقابلہ میں خاص ہوتی ہے کہ تصدیق میں کوئی خاص پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے اور وہ خاص پہلو وہی ہوتا ہے جس پہلو سے مقالہ کا تعلق ہوتا ہے......

حسام الحرمین پر تقریظ بھی ہے اور تصدیق بھی......اسی تقریض وتصدیق کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ،،حسام الحرمین،، میں جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے اس میں حقیقی جذبات ہی پائے جاتے ہیں اور یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ جن راستوں سے شکوک وشبہات در آتے ہیں وہ سبھی راستے تقریظ وتصدیق کے وقت مسدود ہوتے ہیں......ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ مولانا! آپ اس قدر وثوق کے ساتھ اس کا دعوی کیوں کر رہے ہیں...... بتایئے اس وثوق کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں؟ جب بات آہی گئی ہے تو لگے ہاتھ ہم ان وجوہات کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں

وجہ اول......

جس دور میں یہ تقریظ اور تصدیق کی گئی تھی اس دور کے افراد اس دور کے افراد کی مانند نہ تھے کہ اس دور کے افراد پل پل بدلتے ہیں مگر اس دور کے ایسے افراد ہوتے تھے جو بڑی

مشکل سے اپنا موقف اختیار کرتے تھے اور جب کوئی موقف اختیار کر لیتے تھے تو اس میں بڑی مشکل سے تبدیلی لاتے تھے کہ یہ افراد صاحب عزم وحوصلہ ہوا کرتے تھے

وجہ دوم......

یہ موقف بھی کس کا تھا؟ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا تھا...... بین الاقوامی مفکر اور زمانہ بھر کے دانشور کا تھا......ان کے بارے میں بڑے بڑے دانشوروں اور خاص طور پر اقبال کی رائے یہ تھی کہ آپ جو بھی رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر اٹل رہتے ہیں میں نے ان کی سوانح اور حیات وخدمات کے تعلق سے جو کتابیں پڑھی ہیں ان میں سے کسی کتاب میں یہ سراغ نہیں ملتا ہے کہ حضور اعلی حضرت نے اپنی کسی رائے میں کوئی تبدیلی کی ہو اور نہ ہی مجھے کسی استاد نے اس بارے میں کچھ بتایا ہے

وجہ سوم......

مقرظ ومصدق کے سامنے جب صرف،،مقالہ،،ہوتا ہے اور اگر ایسی صورت میں کوئی تردد پیدا ہوتا ہے تو ظاہر ہے مقرظ اپنے اس تردد کا ازالہ نہیں کر پاتا ہے؟ کہ تردد کے ازالہ کے لئے،،مقالہ نگار،،کا وہاں موجود ہونا ضروری ہوتا ہے ایسی صورت میں کسی تردد کا پایا جانا کسی حد تک ممکن ہوتا ہے مگر،،حسام الحرمین،،پر تقریظ لکھتے وقت اس تردد کا بھی سد باب ہو چکا تھا اس لئے کہ اس وقت امام احمد رضا مدینہ پاک اور مکہ مکرمہ میں بنفس نفیس موجود تھے ان کی موجودگی کے تعلق سے مولانا عبدالحق صاحب انصاری تحریر کرتے ہیں..........

گورنر مکہ مکرمہ کا دربار

الدولۃ المکیۃ........مکمل ہونے کے ساتھ ہی اس کا مبیضہ تیار کر کے حضرت مولانا صالح کمال کی خدمت میں پہونچا دی گئی جنہوں نے جمعرات کے دن اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو گورنر کے یہاں تشریف لے گئے عشاء کی نماز کے بعد سے نصف شب تک گورنر کا دربار ہوتا تھا فاضل بریلوی بھی وہاں پہونچے حضرت مولانا صالح کمال نے

دربار میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا......اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا.......فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ گورنر نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔دربار میں دو وہابی بھی بیٹھے تھے،ایک احمد فقیہ اور دوسرے احمد اسکوبی انہوں نے مقدمہ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ یہ رنگ بدل دے گی۔گورنر ذی علم ہیں کتاب پر کچھ اعتراض کیا حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جواب دیا آگے بڑھے انہوں نے پھر مہمل اعتراض کیا حضرت مولانا نے جواب دیا اور فرمایا کتاب سن لیجئے پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے ممکن ہے آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے اور نہ ہو تو میں جواب کا ذمہ دار ہوں اور مجھ سے نہ ہو سکا تو مصنف،،یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا کچھ دور پہونچے تھے انہیں الجھانا مقصود تھا پھر معترض ہوئے.........

(تاریخ دولت مکیہ از مولانا عبدالحق انصاری)

اس واقعہ کا تعلق اگرچہ،،دولت مکیہ،،سے ہے مگر اس بات سے انکار نہیں کہ جس وقت حرمین شریفین کے علماء ومشائخ اس فتوی پر اپنا اپنا دستخط اور مہر تصدیق ثبت کر رہے تھے اس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حجاز مقدس میں موجود تھے جنہیں جو کچھ سمجھا ہوتا اعلیٰ حضرت سے سمجھ رہے تھے اور مہر تصدیق سے اس فتوی کو مزین فرما رہے تھے

ذیل میں مصدقین ومقرظین کے اسماء درج کئے جارہے ہیں.

اور کچھ اہم عبارت کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا جارہا ہے......

﴿الف﴾

حضرت علامہ مفتی تاج الدین الیاس نے ان لفظوں سے تائید فرمائی آپ فرماتے ہیں کہ،،بعد حمد وصلاۃ میں مطلع ہوا اس پر جو عالم ماہر اور علامہ مشہور جناب مولی فاضل حضرت احمد رضا خاں نے جو علمائے ہند سے ہیں اللہ عزوجل اس کے ثواب کو بسیاری دے اور اس کا انجام خیر کرے ان گروہوں کے رد میں لکھا جو دین سے نکل گئے اور گمراہ فرقے جو زندیقوں

اور بے دینوں میں سے ہیں اور اس پر جوان کے حق میں اپنی کتاب ،،المعتمد المستند ،،میں فتوی دیا تو میں نے اسے پایا کہ اس باب میں یکتا ہے اور اپنی حقانیت میں کھرا تو اللہ اسے اپنے نبی دین اور مسلمین کی طرف سے سب میں بہتر جزا عطا فرمائے اور اس کی عمر میں برکت دے یہاں تک کہ اس کے سبب بد بخت گمراہوں کے سب شبہے مٹا دے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس جیسے اور اس کی مانند اس کے شبیہ بکثرت پیدا کرے امین

الفقیر محمد تاج الدین ابن المرحوم مصطفٰے الیاس الحنفی المفتی (مدینہ منورہ)

﴿ب﴾

حضرت علامہ مولانا عثمان بن عبدالسلام داغستانی سابق مفتی مدینہ منورہ تحریر کرتے ہیں ،،کہ ہمارے مولانا علامہ دریائے عظیم فہیم حضرت احمد رضا خاں نے اس گروہ خارج از دین کافر فسادیوں کی راہ چلنے والوں کو رد کے لئے فریاد رسی کی تو کتاب ،،المعتمد المستند ،،میں اس گروہ کی بڑی رسوائیاں ظاہر کیں پس ان کے فاسد عقیدوں سے ایک بھی بغیر پوچ ولچر کئے نہ چھوڑا تو اے مخاطب تجھ پر لازم ہے کہ اسی روشن رسالے کا دامن پکڑے جسے مصنف نے بزودی لکھ دیا تو ان گروہوں کے رد میں ہر ظاہر وروشن وسرکوب دلیل پائیگا خصوصاً جو اس گروہ خارج از دین کے باندھے ہوئے نشان کھولدینے کا قصد کرے وہ گروہ خارج از دین کون ہے؟ جسے وہابیہ کہا جاتا ہے اور ان میں سے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی ہے اور دین سے دوسرا نکلنے والا شان الوہیت اور رسالت کا گھٹانے والا قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اشرف علی تھانوی اور خلیل احمد انبہٹوی اور جو ان کی چال چلا اللہ تعالی جناب احمد رضا خاں کو جزائے خیر عطا کرے کہ اس نے شفا دی اور کفایت کی اپنے فتوے سے جو کتاب ،،المعتمد المستند ،،میں لکھ دیا جس پر آخر میں علمائے مکہ مکرمہ کی تقریظیں ہیں کیونکہ ان پر وبال اور خرابی حال لازم ہو چکی ہے اس لئے کہ وہ زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں وہ اور جو انکی چال پر ہے اللہ انہیں قتل کرے کہاں اوندھے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت جناب احمد رضا

خاں کو جزائے خیر عطا کرے اوراس میں اوراس کی اولاد میں برکت رکھے اورا سے ان میں سے کرے جو قیامت تک حق بولیں گے الخ......

﴿ج﴾

حضرت سیداحمدالجزائری نے فرمایا،،جب کبھی کچھ بد مذہب ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کی زباں پر چاہے ان پر اپنی حجت ظاہر فرما دیتا ہے جن کی حدیث ہے کہ جب بد مذہبیاں یا فتنے ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم ایسے وقت اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ،فرشتوں اور آدمیوں،سب کی لعنت ہے اور اللہ اس کا نہ فرض قبول کرے،نہ نفل......جن کا فرمان ہے کیا تم بدکار کی برائیاں ذکر کرنے سے پرہیز کرتے ہو لوگ اسے کب پہچانیں گے بدکار میں جو عیب ہیں مشہور کرو کہ لوگ اس سے بچیں یہ حدیث ابن ابی الدنیا اور حکیم اور شیرازی اور ابن عدی اور طبرانی اور بیہقی اور خطیب نے بہز بن حکیم سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی اور ان کے آل واصحاب اور سب پیروؤں پر کہ اہلسنت وجماعت مقلدین ائمہ اربعہ مجتہدین ہیں بعد حمد وصلوٰۃ میں نے اس سوال کا مضمون بغور تمام دیکھا جو حضرت جناب احمد رضا خاں نے پیش کیا اللہ تعالی مسلمانوں کو اس کی زندگی سے بہرہ مند فرمائے اور اسے درازئی عمر اور اپنی جنتوں میں ہمیشگی نصیب کرے تو میں نے پایا کہ ہولناک باتیں جوان برے مذہب والوں سے نقل کیں صریح کفر ہیں اور جوان شنیع بدعتوں کا مرتکب ہوا توبہ لینے کے بعد سلطان اسلام کے لئے اس کا خون حلال ہے اور جن جن کی تصنیفوں میں وہ اقوال ہیں وہ اس قابل ہیں کہ اس کی زبان چبا ڈالی جائے اور ان کے ہاتھ اور انگلیاں کچل دی جائیں کہ انہوں نے شان الٰہی کو ہلکا جانا اور رسالت عامہ کے منصب کو خفیف ٹھہرایا اور اپنے استاد ابلیس کی بڑائی بیان کی اور بہکانے اور دھوکا دینے میں شریک ہو لئے تو مشاہیر علماء جن کی زبان کو اللہ تعالی نے وسعت دی ہے اور سلاطین وحکام جن کے ہاتھ کو جزا وسزا میں کشادہ کیا ہے ان سب پر فرض ہے کہ ان لوگوں کی

بدمذہبیاں زائل کرنے میں علماء زبان سے اور سلاطین ہاتھ سے کوشش کریں تا کہ بندہ اور شہر اور ذہن ان کی تکلیفوں سے راحت پائیں..........اور ہم اللہ تعالی سے سوال کرتے ہیں کہ اگر وہ لوگوں کو کسی فتنے میں ڈالنا چاہے تو ہمیں فتنے میں پڑنے سے پہلے اپنے پاس بلا لے اور ہمیں حسن نیت نصیب کرے اور ہمیں کھرا بنا لے اسے اپنی زبان سے کہا اور اپنے ہاتھ سے لکھا......سیداحمدالجزائری

﴿ج﴾

......حضرت سیدمحمد سعید شیخ الدلائل نے اس طرح تصدیق فرمائی کہ

جس طرح ان کا ارشاد ہے جو سچے ہیں اور سچے مانے گئے کہ ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غالب رہے گا یہاں تک کہ خدا کا حکم اسی حالت میں آئیگا کہ وہ غالب ہونگے حمد وصلوٰۃ کے بعد بیشک اللہ تعالی نے جس کی عظمت جلیل اور منت عظیم اپنے بندوں میں سے جسے پسند کیا اسے اس شریعت روشن کی خدمت کی توفیق بخشی اور اسے نہایت تیز فہم عطا کر کے مدد دی تو جب شبہ کی رات اندھیری ڈالتی ہے وہ اپنے آسمان علم سے ایک چودھویں رات کا چاند چمکاتا ہے تو اس طریقہ سے شریعت مطہرہ تغییر وتبدیل سے محفوظ ہوگئی قرناًفقرناً اعلی درجہ کے کامل علماء پرکھنے والوں کے ہاتھوں میں اور ان میں سب سے زیادہ عظمت والوں میں سے عالم کثیر العلم،دریائے عظیم الفہم حضرت جناب مولوی احمد رضا خاں ہیں کہ اس نے اپنی کتاب،،المعتمد المستند،،میں ان کجی والے مرتدوں کا خوب کھرا رد کیا جو فساد اور شامت پھیلانے والے کے مرتکب ہوئے اور اللہ تعالی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے خیر جزا عطا فرمائے.....................سیدمحمد سعید شیخ الدلائل

﴿س﴾

حضرت علامہ مولانا خلیل بن ابراہیم الخربوتی نے مختصر مگر جامع تصدیق فرمائی آپ تحریر کرتے ہیں،،حمد وصلاۃ کے بعد ان علمائے اسلام کی تحریر میں جو بات اس مقام پر قرار پائی

وہی حق واضح ہے جس کا اعتقاد باجماع علمائے مسلمین واجب ہے جس طرح عالم علامہ فاضل کامل مولوی احمد رضا خاں نے اپنی کتاب المستند المعتمد میں تحقیق کیا اللہ تعالیٰ ابد تک مسلمانوں کو اس سے نفع پہونچائے اور اللہ ہی حق کی راہ دکھانے والا ہے اور اسی کی طرف رجوع و بازگشت ہے...............خلیل بن ابراھیم خربوتی

﴿ص﴾

علامہ محمد بن احمد عمری نے بایں الفاظ یوں تصدیق فرمائی

بیشک میں مطلع ہوا اس کے رسالہ پر جو عالم علامہ ہے مرشد برحق ہے کثیر الفہم ہے عرفان و معرفت والا ہے اللہ عزوجل کی پاکیزہ عطاؤوں والا ہے استاد سردار ہے دین کا نشان اور ستون ہے اور فائدہ لینے والے کا معتمد و پشت پناہ ہے فاضل ہے وہ احمد رضا خاں ہے اللہ تعالیٰ ان کی زندگی سے بہرہ مند فرمائے اور اس کے فیض کے نوروں سے علموں کے آسماں کو روشن رکھے تو میں نے اس رسالہ کو پایا مطلبوں کا پورا کرنے والا مقاصد کی تکمیل کرنے والا اور ذہن سے نکل جانے والے مضامین کا روکنے والا جس میں ہر صادر و وارد کے لئے آب شیریں ہے جس نے ملحدوں کے تمام شبہوں کو گھیر کر از بیخ برکندہ کردیا اور زندیقوں کے شبہوں پر حملہ کرکے انہیں جڑ سے کاٹ دیا دلیلوں کی روشنی اور حجتوں کے ظہور کے ساتھ اور روشوں کی شیرینی اور میزانوں کی درستی کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین اور اپنے نبی کی طرف سے بہتر جزا عطا فرمائے...........محمد بن احمد عمری

﴿ط﴾

حضرت علامہ مولانا سید عباس بن سید جلیل محمد رضوان شیخ الدلائل لکھتے ہیں

عباس ابن مرحوم سید محمد رضوان کہتا ہے میں نے اس رسالہ کے کمالات حیران کن کے میدان میں نگاہ کی باگ ڈھیلی کی تو میں نے اسے صواب و ہدایت کی پوشاک جمال و جلال میں ناز کرتا پایا کہ بد مذہبوں گمراہوں کے رد کا ذمہ لئے ہوئے ہے تو وہی معتمد و مستند ہے اس

لئے کہ وہی ہدایت پانے والوں کی جائے پناہ و سند ہے اس رسالہ نے وہ باتیں ظاہر کردیں جن کی باریکیوں تک پہونچنے میں عقلیں بھی بہک رہی ہیں اور وہ باتیں تحقیق کیں جن کی حقیقتوں کے پانے میں قدموں نے لغزشیں کیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ امام ہے تیز ذہن بالا ہمت ہے خبر دار صاحب عقل صاحب وجاہت و جلالت ہے یکتائے دہر وزمانہ وحضرت مولوی احمد رضا خاں بریلوی حنفی ہمیشہ وہ معرفتوں کا پھولا پھلا باغ ہے اور علوم دقیقہ کی منزلوں میں سیر کرتا ہوا ماہ تمام اللہ تعالیٰ مجھے اور اسے ثواب عظیم عطا فرمائے............عباس ابن سید محمد رضوان شیخ الدلائل.......

یہ چند تقاریظ اور تصدیقات ہم نے بطور نمونہ آپ کے سامنے پیش کر دیئے اس کے مطالعہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ امام احمد رضا کی شخصیت کی کشادگی اور علم وفن کی وسعت اور معرفت و ادراک میں ایسا پھیلاؤ ہے جو جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ یہ وہ نکہت باد بہاری ہے۔ جو ہر گلشن میں پہونچتی ہے۔ اس کے پھولوں کو مسکرانے کا انداز دیتی ہے اور کلیوں کو تبسم کا ہنر بتاتی ہے.......حرمین شریفین کے جن عالموں فاضلوں کے پاس ان کی تحریر پہونچی اور جس نے بھی اسے دیکھا عزت کی نگاہ سے دیکھا زور استدلال، قوت فکر اور دقیقہ سنجی کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں....... یہ وہی عرب ہے جو اپنے سوا سب کو عجم کہتا ہے گونگے اور بہرے سے تعبیر کرتا ہے......انہیں یہ کہنے کا حق بھی ہے کہ وہ جس زبان کو جانتا ہے اس میں بڑی نزاکت ہے۔ لطافت ہے۔ شیرینیت ہے۔ بولنے میں سلیس ہے۔ ادا کرنے میں سہل ہے۔ اور سننے میں یہ ایسی زبان ہے جیسے کوئی کانوں میں رس گھول رہا ہو اس لئے ہم عجمی ہیں........مگر امام احمد رضا کی ایسی شخصیت ہے جس نے عربی فکروشعور کو بھی اپنی علمی اور فکری توانائیوں سے رشک مہر درخشاں کردیا اور اہل عرب کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ یہ عجمی ہے؟ بلکہ یہ عرب سے بھی زیادہ فصیح وبلیغ ہے......اس کی تصدیق کرنے والوں کی تعداد تقریباً ۲۶ ر ہے سب کو اس مقام پر تحریر کرنا بہت زیادہ مشکل ہے.......المستند المعتمد

کی اسی عربی عبارت اور انداز پیش کش نیز حرمین شریفین کے علماء کی تصدیقات کے مجموعہ کا نام ،،حسام الحرمین ہے ..... یہ ایک ایسی کتاب ہے جس سے ایماں میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور عشق و وفا کی بہترین خوشبوئیں اُتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں یہ کتاب اس جذبہ پر مبنی ہے کہ آپ اس سے محبت کیجئے جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور جو شان الوہیت کو گھٹاتا ہے اس سے نفرت کیجئے خود بھی اس سے دوری بنایئے اور ان سب کو اپنوں سے دور رکھیئے کہ یہی اسلاف کا طریقہ رہا ہے ذیل میں وہ مبارک اسماء درج کئے جا رہے ہیں جنہوں نے ،،حسام الحرمین ،،کی تصدیق فرمائی مگر ہم تصدیق کی عبارات پیش کرنے سے مجبور ہیں اس لئے صرف ناموں پر اکتفاء کیا جا رہا ہے

(۱)..........استاد حرم شافعیہ مفتی محمد سعید

(۲)..........شیخ ابوالخیر میرداد

(۳)..........مفتی حنفیہ علامہ شیخ صالح کمال

(۴)..........مولانا شیخ علی بن صدیق کمال

(۵)..........مولانا محمد عبدالحق مہاجر الٰہ آبادی

(۶)..........سید اسماعیل خلیل محافظ کتب حرم

(۷)..........علامہ سید مرزوقی ابو حسین

(۸)..........مولانا شیخ عمر بن ابی بکر باجنید

(۹)..........مولانا شیخ عابد بن حسین

(۱۰)..........مولانا علی بن حسین مالکی

(۱۱)..........مولانا جمال بن محمد بن حسین

(۱۲)..........مولانا شیخ اسعد بن احمد دہان مدرس حرم

(۱۳)..........مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان

(۱۴)..........مولانا محمد یوسف افغانی مدرس مدرسہ صولتیہ

(۱۵)..........حاجی مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی

(۱۶)..........مولانا محمد یوسف الخیاط

(۱۷)..........مولانا محمد صالح بن محمد بافضل

(۱۸)..........حضرت عبدالکریم ناجی داغستانی

(۱۹)..........مولانا محمد شیخ محمد سعید محمد یمانی

(۲۰)..........حضرت مولانا حامد احمد محمد جداوی

(۲۱)..........مولانا عمر بن حمدان محرسی

(۲۲)..........سید محمد بن محمد مدنی دیدادی

(۲۳)..........شیخ محمد بن محمد موسی خیاری

(۲۴)..........مولانا سید شریف احمد برزنجی

(۲۵)..........مولانا محمد عزیز وزیر مالکی اندلسی

(۲۶)..........مولانا عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی مدرس مسجد نبوی

یہ وہ علماء و مشائخ تھے جو اپنے اپنے دور میں علم و فن کے ماہ و نجوم اور زہد و اتقاء میں درجہ کمال رکھتے تھے اور عشق و وفا کی منزل پر جب تبسم ریز ہوتے تو لطیف نکہتوں ،خوشبوؤں سے پوری فضا مشک بار ہو جاتی اور ایماں کی حرارت والے ان نکہتوں کا احساس کر کے سر مست و سرخوش ہو جایا کرتے تھے......یہی وہ خوشبو ہوتی ہے جس سے دل کی کلیاں مسکرانے لگتی ہیں اور پھر یادوں کے چراغ جلنے لگتے ہیں ....ہم سمجھتے ہیں ان کی شمولیت سے ،،حسام الحرمین ،، کے جلوؤں میں مزید دلکشی پیدا ہوگئی ہے اور اس کی تابانیوں میں جاذبیت سرایت کر گئی ہے........ باطل فرقوں کے خلاف امام احمد رضا کی آواز کیا بلند ہوئی ؟ کہ ان کی

آواز میں پاک اور خوشبوؤں والی زمینوں سے اُٹھنے والی اہل حق وانصاف کی آوازیں شامل ہوگئیں....... یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ جب آواز آواز سے ملتی ہے تو اس کی طاقت میں دوگنا اضافہ ہوجاتا ہے ہر ملنے والی آواز دوچند قوت وتوانائی لے کر آتی ہے اسی لئے امام احمد رضا نے اپنی اس کتاب کا نام،،حسام الحرمین،،یعنی حرمین شریفین کی شمشیر براں رکھا ہے یہ انہیں کی طاقت وتوانائی ہے جس کی بنیاد پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کہا اور بہت خوب کہا ہے کہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

کس نے کیا کہا؟

الف.......حمد وصلاۃ کے بعد میں مطلع ہوا اس پر جو لکھا علامہ استاد ماہر دراک اور مشہور شیخ احمد رضا نے میں نے ان کے اس رسالہ کو عقل والوں کے لئے سپیدۂ سحر پایا اور اس زہر آلود کے لئے تریاق پایا جو درستگی سے جدا کرنے والا ہے بیشک ان کی بات حق ہے اور ان کے دلائل سچے ہیں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس رسالہ کے معانی ومقتضا پر عمل کرے اور ظاہر وباطن میں وہی اس کی فطرت ثانیہ بن جائے تاکہ وہ کمال احسان کو حاصل کرلے.....

الشیخ محمد بن محمد السوسی المدرس بالحرم

ب.......میں اس رسالہ پر مطلع ہوا جو ارباب کفر وضلالت اور صاحب گمراہی کے رد میں لکھا گیا ہے جسے عالم، فاضل انسان کامل علامہ فہامہ اور محقق نے تالیف کیا ہے وہ شیخ احمد رضا خاں ہیں اللہ ان کے حال اور مرتبہ کو بلند فرمائے اٰمین بجاہ سید المرسلین ان کا یہ رسالہ گمراہ بے دین اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں سرکشی کرنے والوں کے رد میں کافی وشافی ہے یہ گمراہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے نور کو اپنی پھونک سے بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو تاباں فرماتا ہے اگرچہ کافر اس بات کو نہ چاہتے ہوں بیشک اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی

ہے اسی لئے انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی انہیں حق بات کے سننے سے بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں اندھی کردی ہیں شیطان نے انکے کاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کیا انہوں نے اہل ایمان کو سیدھی راہ سے روکا۔ یہ کبھی بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے ہیں عنقریب ظالموں کو معلوم ہوگا کہ کون الٹے پاؤں پلٹتا ہے؟ یقیناً یہ رسالہ نصوص صریحہ صحیحہ اور مشہورہ کے عین مطابق ہے اللہ اس کے مؤلف کو تمام امت کی طرف سے بہتر جزا عطا کرے

محمد بن محمد السوسی الخیاری

ج.......اے علامہ ماہر عالم شہیر صاحب تحقیق وتحریر اور تدقیق وتزیین عالم اہل سنت وجماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی میں واقف ہوا آپ کی کتاب،،المعتمد المستند،، پر تو میں نے اسے نقد وضبط میں انتہائی درجہ پر پایا ہے جس کے ذریعہ سے آپ نے مسلمانوں کی راہ سے ہر تکلیف دہ چیز کو صاف کیا ہے اور آپ نے اس میں اللہ رسول اور ائمہ دین کی نصیحت فرمائی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا جلوہ دکھایا ہے کہ دین نصیحت کا نام ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ کسی طرح کی تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہے اس کے باوجود میں نے اس بات کو پسند کیا ہے اس کی جولانگاہ میں میں بھی آپ کا ساتھ دوں اور اس روشن بیان میں اپنے طور پر کچھ مزید وجوہ ظاہر کروں تاکہ میں بھی اس کے مصنف کے ساتھ اور شریک ہوجاؤں اور اس کے اچھے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاؤں...... یہ تقریظ بہت ہی زیادہ طویل ہے اور یہ تقریظ سید احمد البرزنجی کی ہے آپ نے نہایت ہی تفصیل سے گمراہ فرقوں غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، نذیر احمد، امیر احمد اور خلیل احمد اور اشرف علی تھانوی کا اور ان کے پیروکاروں اور ان کے اقوال باطلہ اور افکار فاسدہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے بھی وہی حکم نافذ کیا ہے جو حکم اعلیٰ حضرت بریلوی نے لگایا ہے۔ ان کی ایک ایک تحریر سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے اور یہ بات ثابت ہوتی ہے امام احمد رضا اس مسئلہ میں حق بجانب ہیں...... میں سمجھتا ہوں کہ کسی کے خلاف محتاط انداز میں تکفیر کا حکم لگانا جب شریعت کی

نگاہ میں درست ہے تو اس پر تنقید کرنا اصولی انداز میں شریعت اسلامیہ پر تنقید کرنا ہوگا جو افراد اس قسم کے رویوں سے کام لے رہے ہیں انہیں میں فکر وتأمل اور متانت وسنجیدگی کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ جذبات کے رو میں بہ جانے سے بہتر ہے کہ وہ اپنا احتساب کریں عصبیت اور تنگ نظری سے اپنی فکر ودانش کو پاک کریں......

د........حضرت محمد عزیز وزیر مالکی مغربی نے بھی نہایت ہی تفصیل سے تبصرہ کیا ہے اور امام اہلسنت فاضل بریلوی کے فتویٰ پر اپنی مہر تصدیق ثبت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ،، جو کچھ اس رسالہ پرنور میں ان فرقوں کی رسوائیاں اور ان کی شیطانی گمراہیاں لکھی ہیں میں نے دیکھیں مجھے اس سے سخت ہی اچنبا ہوا کہ شیطان نے اپنی خواہشوں کو ان کے سامنے کیسا آراستہ کیا؟ اور ان میں اپنی مراد کو پہونچ گیا.........ان کے تبصرہ کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی تصدیق میں احادیث پاک اور ائمہ کرام کے اقوال زریں سے ثابت کیا کہ یہ لوگ کافر ومرتد ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں قتل کردیا جائے اگر چہ یہ بظاہر توبہ کرلیں پھر بھی ان کی توبہ قابل انتفاع نہیں کہ انہوں نے جو جرم کیا اسے بدلے میں قتل کیا جائیگا مگر انہوں نے ہمارے رسول کے حقوق کی جو پائمالی کی ہے یہ کیسے زائل ہوسکتی ہے؟ یہ توبہ سے بھی زائل نہیں ہوسکتی ہے ....حضرت وزیر مالکی حضرت برزنجی کے شاگرد تھے انہوں نے بھی اس کی تائید کرکے اپنے فرض منصبی کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو عہدہ برآ کرلیا ہے.....

ہم دانشور طبقہ کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ آئیں اور،، حسام الحرمین،، کا مطالعہ کریں کہ ان تائیدات کے باوجود اس کے حق اور سچ ہونے میں کسی کو کلام ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! اس کے باوجود اگر کوئی کلام کرتا ہے یا شک وشبہ سے کام لیتا ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ انکے دلوں میں کجی ہے اور انکے ذہنوں میں پراگندگی پائی جاتی ہے۔اس لئے یہ چمکتے سورج کو بھی منہ چڑھانے سے باز نہیں آتے ہیں ......میاں آسماں کی بلندیوں پر تھوکنے سے کس کا

نقصان ہوتا ہے ظاہر ہے اپنا ہی چہرا گندہ ہوتا ہے۔اس لئے کچھ کہنے اور بولنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس بارے میں خوب سوچ سمجھ لینا چاہئیے کہ ہم کیا ہیں اور کیا کرنے جارہے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ چھوٹا مونھ اور بڑی بات ہو جائے بڑوں کو تو اس پر کلام کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہ ایسے چھوٹے ہیں کہ بن بلائے مہمان بن جاتے ہیں اور پھر بڑوں کی بارگاہ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے گستاخیاں ان کی عادت میں شامل ہوتی جارہی ہیں اور عصبیت ان کے رگ وپے میں دھیرے دھیرے سرایت کرتی جارہی ہے یہ ایسی شامت اعمال ہے کہ اس سے خود بھی برباد ہورہے ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں ملوث کررہے ہیں خدا بچائے ایسی جرأت سے اور بیباکی سے محفوظ رکھے........

کیا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ حسام الحرمین کے شائع ہونے سے مخالف کے خیمہ میں کیا اثر پڑا ہوگا؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے شائع ہوتے ہی باطل فرقوں میں کھلبلی مچ گئی ہوگی اور ان کی اضطرابی کیفیت خود ان کے چہرہ ومہرہ سے نمایاں ہورہی ہوگی وہ اپنے قلبی اضطراب کو دبائے تو کس طرح دبائے؟ جب دبانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی شور وغوغا مچانے لگے مخالفوں نے کیا کہا اور کتنا کہا ہے اسے تو یہی افراد جان سکتے ہیں دوسروں کو اس بات کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟

اس کتاب کے شائع ہوتے ہی علمائے دیوبند کہنے لگے کہ حرمین شریفین کے علماء مشائخ کو امام احمد رضا نے دھوکہ دیا ہے اور ان سے اصل حقیقت کو چھپایا ہے.......ہم کہیں گے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ دھوکا ایک کو دیا جاسکتا ہے دو یا تین کو دیا جاسکتا ہے درجنوں کو دھوکہ کوئی کیسے دے سکتا ہے؟ جو اس قدر بھی سمجھ نہ رکھے اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ ہاں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جب مخالف کمزور ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ تال بھی ٹھوک سکتا ہے سرمست ہاتھی کی مانند وہ میداں میں اتر بھی سکتا ہے......اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور حالات کیا رخ اپنا سکتے ہیں اس بارے میں کیا کہا جائے یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے وہابیوں نے اس

پر اپنے ردعمل کا کیا اظہار کیا اور کس قدر اظہار کیا ہے؟ حالات کے مطالعہ سے ہی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

کہا جاتا ہے چور چور موسیرا بھائی ہوتا ہے جتنے بھی باطل فرقے ہیں سب کے سب ایک دوسرے کے لئے موسیرا بھائی ثابت ہوئے...... ان سب نے آپس میں گٹھ جوڑ کرکے،، المہند ،، نامی ایک کتاب تحریر کی ...... یہ کتاب کیا تھی ؟ کذب و دروغ کا پلندہ ہے...... جس میں نہ معلوم کہاں کہاں سے اور کیا کیا پیش کیا گیا ہے اس کتاب میں یہ بھی دعوی کیا گیا کہ،، حرمین شریفین ،، کے علماء نے،، حسام الحرمین نامی کسی کتاب کو دیکھا ہی نہیں......ہم کہتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے کہ اہل علم کا ایک اصول ہوتا ہے جب وہ کسی موقف کو اختیار کر لیتے ہیں تو دوبارا اس کے خلاف نہیں جاتے ہیں کہ یہ علم کا میدان ہے سیاست کے گلیارے نہیں ،، المہند ،، نامی کتاب کی قلعی کھل جانے کے بعد وہ افراد جنہوں نے کتاب لکھنے کی سازش تیار کی تھی آئے دن ذلتوں اور نکبتوں میں دھنستے چلے گئے ......اپنوں نے بھی انہیں دھتکار دیا اور غیروں نے بھی۔ اب آپ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیں.....کیا ان کا یہ رویہ درست تھا؟ جب،، حسام الحرمین،، آ ہی گیا تھا تو انصاف کی بات یہ تھی کہ جن باتوں پر ان کے اوپر کفر کا فتوی عائد کیا گیا تھا ان عبارتوں پر یہ افراد سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے اور یہ دیکھتے کہ جو گرفت کی گئی ہے کیا وہ واقعی درست ہے؟ اگر درست ہے تو ہمت کرتے اور توبہ ورجوع کرکے اپنی جماعت کے چہرہ پر جو سیاہ دھبہ لگا تھا اسے صاف کردیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کرکے خود اپنی جماعت اور اپنی ملت کے افراد کو دلدل میں دھکیل دیا اور زندگی بھر کے لئے ذلت و رسوائی کے گڈھے میں پھینک دیا...... یہ رویہ نہ انصاف پر مبنی ہے اور نہ ہی ہم اسے دانشوری سے تعبیر کرسکتے ہیں........ دیکھئے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بناوٹی پھولوں سے نہ کبھی خوشبو آئی ہے اور نہ ہی کبھی آسکتی ہے ٹھیک اسی طرح جو کام اپنی نفسیات کے لئے کیا جاتا ہے یا جس میں کوئی ذاتی غرض شامل ہوتی ہے؟ اس کی

عمر زیادہ نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اہل علم اس کی تائید کرتے ہیں اور پھر وہ طبقہ جو اہل حق کہلاتا ہے۔اس کی تائید کیسے کرسکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں یہ ممکن بھی نہیں ہے ......امام احمد رضا کے فتوے کی جب اہل حق نے تائید کی تو اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کے ذریعہ مسئلہ تکفیر کے تعلق سے کیا گیا کوئی بھی اقدام علمائے دیوبند سے ذاتی مخاصمت کی بنیاد پر نہ تھا اور نہ ہی اس میں کوئی نفسیاتی پرخاش تھی بلکہ معاملہ شان الوہیت کی صیانت کا تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے تحفظ کا تھا۔جس دریدہ دہنی سے یہ افراد کام لے رہے تھے ایسی حالت میں کسی بھی صاحب ایماں کا نیم بسمل کی طرح تڑپنا نہ صرف مناسب تھا بلکہ انسب تھا اگر اس ناگفتہ صورت حال کے سبب میرے امام سیدی اعلی حضرت کو دلی اذیت پہونچی تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ یہ تو دین و مذہب کی بات ہے۔عشق ومحبت کی بات ہے۔اگر دنیا داری میں بھی ایسی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے۔تو اس سے بھی بہت سے افراد تڑپتے پائے گئے ہیں اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

امام احمد رضا فاضل بریلوی چونکہ مجدد تھے۔عاشق رسول تھے۔ان کے سینہ میں ملت کا درد تھا قوم مسلم کی خیرخواہی اور اس کی فلاح و بہبودی کے بارے میں سوچنا ان کی حیات پاک کا نصب العین تھا۔اس لئے انہوں نے صراط مستقیم پر گرے پڑے کانٹوں کو صاف کیا۔کہ یہ ان کا فرض منصبی تھا اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا انصاف کی بات بھی تھی کہ دیوبند کے علماء اس فتوی پر سنجیدگی سے غور کرتے اور ان ساری کتابوں کو نذر آتش کردیتے......جن میں اس طرح کی دریدہ دہنی کی گئی تھی......لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کرکے مکروفریب کی راہ اختیار کی اور پھر وہ نغمہ چھیڑ دیا جو ان کی زبان سے زیب نہیں دیتا ہے وہ کون سا نغمہ تھا اس کا اجمالی طور پر گزشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے مگر مزید معلومات کے لئے علامہ عبدالحکیم صاحب

شرف قادری کی یہ تحریر پڑھیئے کہ علماء دیوبند کی ایک جماعت نے مل کر ایک رسالہ ،،المہند المفند ،، ترتیب دیا جس میں کمال چابکدستی سے یہ ظاہر کیا کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو اہلسنت وجماعت کے ہیں حالانکہ باعث نزاع عبارات متعلقہ کتابوں میں بدستور موجود تھیں صدرالافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ نے ،،**التحقیقات لدفع التلبیسات** ،، میں لکھ کر ایسی تمام عبارتوں کو طشت ازبام کر دیا.....اس کے آگے علامہ شرف قادری صاحب تحریر کرتے ہیں اور بایں الفاظ لکھتے ہیں کہ

یہ فتوی علمائے دیوبند سے کسی ذاتی مخاصمت کی بنا پر نہ تھا بلکہ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر ایک فریضہ ادا کیا گیا تھا مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگوی ناظم تعلیمات شعبۂ تبلیغ دارالعلوم دیوبند اس فتوے کے بارے میں رقم طراز ہیں

> اگر (مولانا احمد رضا) خاں صاحب کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے

(اشد العذاب ص۱۴)

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ناموس رسالت کی پاسداری کا کما حقہ فریضہ ادا کیا اور علماء دیوبند کا اصرار کہ ان کے اکابر کی عزت پر حرف نہیں آنا چاہئے خواہ وہ کچھ کہتے اور لکھتے رہیں اس مقام پر پہونچ کر یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ حق پر کون ہے؟ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بریلوی اور دیوبندی نزاع کی اصل بنیاد یہ عبارات ہیں نہ کہ فروعی مسائل مولانا مودودی اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

> جن بزرگوں کی تحریروں کے باعث بحث ومناظرہ کی ابتدا ہوئی وہ تو اب مرحوم ہو چکے اور اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے مگر افسوس ہے کہ

> جو تلخی اور گرمی آغاز میں پیدا ہوئی دونوں طرف سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے

مودودی صاحب تلقین فرمارہے ہیں کہ کہ اب نزاع کو جانے بھی دو۔نزاع کرنے والے تو اگلے جہاں میں پہنچ چکے ہیں.....حالانکہ نزاع ان بزرگوں کی ذات سے نہ تھا وجہ مخاصمت تو عبارات تھیں جواب بھی من وعن موجود ہیں جب تک ان کے بارے میں متفقہ فیصلہ نہیں ہو جاتا اس نزاع کے خاتمے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی

(پیرایہ آغاز حسام الحرمین)

جو افراد شعور وادراک سے کام لیتے ہیں اس بات سے واقف ہیں ہمارے مخالف نے حسام الحرمین کے اثر کو زائل کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا جتن کئے اور آج بھی کر رہے ہیں مگر شاید انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ اس کا اثر نہ پہلے زائل ہوا تھا اور نہ اب زائل ہوا گا اور نہ ہی قیامت تک زائل ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فتوی اخلاص پر مبنی ہے اور جو اخلاص پر مبنی ہوتا ہے اس سے جو خوشبو آتی ہے اس میں کچھ الگ ہی ندرت ہوا کرتی ہے۔اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے علمائے دیوبند نے ایک یہ بھی حیلہ کیا کہ ہندو پاک کے علماء میں سے کسی بھی عالم نے حسام الحرمین کی تائید نہیں کی ہے......اس کے دفاع کے لئے حضور شیر بیشۂ اہلسنت حضرت علامہ مولانا حشمت علی خاں رضوی نے متحدہ ہندو پاک کے ۲۵۰/سے زائد نامور علماء کی حسام الحرمین پر تصدیقات حاصل کیں اور اسے ''الصوارم الہندیہ،، کے نام سے شائع کر دیا.......

اِس دور میں بھی کچھ اسی قسم کے حالات ہیں کہ اپنے اور بیگانے دونوں قسم کے افراد اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے کوشاں ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اس دور کے علماء سے بھی حسام الحرمین پر تصدیقات لئے جائیں ان تصدیقات کو بھی کتابی سائز میں شائع کیے جائیں ..... یہ بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ضرورت کا احساس

ہمارے کچھ دوستوں کو ہو چلا ہے خاص طور پر سراج ملت حضرت سید شاہ سراج اظہر صاحب رضوی اور حضرت مولانا مفتی ولی محمد صاحب رضوی باسنی ناگور شریف اب دیکھئے وہ ساعت سعید کب آتی ہے؟ اور یہ سنہرا باب کب روشن ہوتا ہے؟اس کا انتظار ہمیں بھی ہے اور ہمارے تمام ساتھیوں کو بھی ہے

تیرہواں باب

مصدقین علماء ومشائخ کے مختصر تذکرے

تتمہ باب دوازدہم

اب ہم اس باب کے آخیر میں ان علماء کرام کے حالات مختصر انداز میں پیش کر رہے ہیں جنہوں نے ،،حسام الحرمین،، کی تائید کی اور اپنی تصدیق سے اسے مزین کیا تاکہ آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ حسام الحرمین پر تقریظ لکھنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کیسے کیسے عظیم افراد ہیں جب اس قدر عظیم افراد اس کی تصدیق فرمائیں تو ظاہر ہے کہ علم والے افراد حسام الحرمین کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے بلکہ انہیں اس پر غور کرنا پڑے گا اور اس کی حقیقت اور واقعیت کو گہری نظر سے دیکھنا پڑے گا اور اس پر تأمل کرنا ہی ہوگا

علامہ تاج الدین الیاس

.....آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۹/۱۹۱۱/ء سے قبل وہیں وفات پائی مفتی احناف تعینات رہے مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی کے شاگرد ہیں ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء کو علی پاشا مرحسین مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے جنہوں نے شہریوں سے حقارت اور توہین و تذلیل کا رویہ اختیار کیا تو بغاوت کا جذبہ پھوٹ پڑا جس نے بڑے مسلح تصادم کی اور فتنہ کی صورت اختیار کر لی اس موقع پر شیخ تاج الدین الیاس نے فریقین کے درمیان مصالحت کی بھرپور کوشش کی... ملفوظات اعلی حضرت میں آپ کا ذکر ملتا ہے حسام الحرمین کے علاوہ آپ کی تقریظ ،،الدولۃ المکیہ،، پر بھی ملتی ہے ۱۲ منہ

(تاریخ الدولۃ المکیہ از مولانا عبدالحق انصاری ص ۱۱۶)

مولانا عثمان بن عبدالسلام داغستانی

(۲)....آپ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں اسی پاک سرزمین پر وفات پائی اس مقدس شہر میں آباد احناف کے ایک ایسے گھرانے کے ایک اہم فرد جو دو صدیوں تک وہاں کی علمی دنیا میں نمایاں رہا آپ کے جد اعلی محدث و فقیہ صاحب تصانیف شیخ عبدالسلام بن محمد امین (وفات ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء) داغستان کے مقام شروان سے ہجرت کر کے ۱۱۴۰ھ کو مدینہ پاک آئے شیخ عثمان نے مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی وغیرہ سے تعلیم پائی مسجد نبوی میں مدرس و امام وخطیب ادیب و نعت گو شاعر نیز ۱۳۰۳ھ سے ۱۳۱۹ھ تک مفتی احناف تعینات رہے آپ کی تصنیفات یہ ہیں ...مجموعہ فتاوی ۲ جلد سرالحرف، شرح مسند الامام احمد بن حنبل نیز اپنے اجداد کی تصانیف کو مرتب کیا ان سب کے مخطوطات مدینہ منورہ میں آپ کی نسل کے پاس محفوظ ہیں آپ کے فرزند شیخ محمد بن عثمان داغستانی علماء میں سے ہوئے آپ کی تصدیقات امام احمد رضا کے مختلف کتابوں پر موجود ہیں....۱۲ منہ (تاریخ الدولۃ المکیہ ص ۱۱۶)

سید احمد الجزائری

(۳)......آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے شیخ سید عبدالقادر جیلانی بغدادی کی نسل سے ہیں اور انہیں کے سلسلہ طریقت سے وابستہ ہیں مفتی مالکہ مدینہ منورہ شیخ محمود عطار دمشقی نے گنگوہی انبہٹوی کے رد میں ،،استحباب القیام لکھی تو آپ نے اس پر تقریظ قلمبند کی فاضل بریلوی سے آپ کی ملاقات کا ذکر ملفوظات میں ملتا ہے اسی دوران آپ نے ،،حسام الحرمین،، تقریظ لکھی اور ۱۳۲۹ھ میں آپ نے دولت مکیہ کے مندرجات پر چند سطور کی تصدیق لکھ کر اسے مہر سے مزین کیا ان دنوں آپ فتوی نویسی کرتے تھے مگر حکومت سے کچھ تعلق نہ تھا بعد ازاں آپ مستقل حکومت کی طرف سے مفتی مالکیہ مقرر ہوئے سرکار سے معاش معقول بھی مقرر ہوگئی اور حکام میں شمار ہوئے جب آپ نے ۱۳۳۰ھ میں دولۃ مکیہ پر

مفصل تقریظ پر لکھی تو آپ نے اس پر آپ کی تصدیق اور تقریظ دونوں اس کتاب پر الگ الگ صفحات پر موجود ہیں جو مطبوع بھی ہیں آپ نہایت قابل ترین عالم دین تھے ۱۲ منہ

(تاریخ دولت مکیہ ص ۱۱۴)

مولانا شیخ عباس بن محمد امین رضوان

(۴)......آپ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۸ء کو مدینہ پاک میں پیدا ہوئے اور اسی شہر پاک میں ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء میں آپ کا وصال ہو گیا آپ بہترین صلاحیت کے مالک تھے مسجد نبوی میں مدرس رہے شیخ الدلائل ،شاعر ،شافعی عالم اور ماہر علم حدیث تھے آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے الف ،،فتح البر لشرح الوطر (علم مصطلا حات حدیث) ب،،اعلام الناس باسانید السید عباس (علم روایت) ج،،نیل الھد ایہ الی فہم اتمام الروایہ لقرأۃ النقایہ د،،واسطۃ العقد الفرید المنظوم مما تناثر من فرائد الاسانید ۔س،،عمدۃ الطلاب منظوم (علم اصول فقہ) ۔خود اس کی شرح ،،نخبۃ فتح المنعم الوھاب لشرح عمدۃ الطلاب ۔ص،،کفایۃ الطلاب المنظوم اور اس کی شرح ارشاد الاحباب الی انوار کفایۃ الطلاب (علم فرائض) ۔ص،،اتحاف الاخوان بشرح قصیدۃ الصبان (علم عروض) ض،،فتح رب الارباب بما اہمل فی لب الالباب (علم انساب) آپ نے اعلی حضرت فاضل بریلوی کے فتوی مبارکہ،،حسام الحرمین پر تصدیق فر مائی اور اسے اپنی مہر سے زینت بخشی اس کے علاوہ آپ الدولۃ المکیہ کے مصدقین میں سے بھی ہیں جنت البقیع میں واقع گنبد سیدنا عباس میں مدفون شخصیات پر بھی کتاب تحریر کی ہے جس کا نام،،فرائد العقو دالدر یہ ہے

(ماخوذ از تاریخ دولت مکیہ از مولانا عبدالحق انصاری ص ۱۱۹/۱۲۰)

شیخ سید اسماعیل بن خلیل

مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اتنبول میں وفات پائی سن وفات ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء ہے حنفی عالم مسجد حرم میں واقع مکتبہ حرم مکی کے نگراں و مدیر اعلی ۔ملفوظات اعلی حضرت میں متعدد

مقامات پر آپ کی فاضل بریلوی سے ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے علاوہ ازیں دونوں کے درمیان مراسلت رہی فاضل بریلوی کے نام آپ کے دو خطوط کا عربی متن نیز انکے اردو ترجمے مطبوع ہیں آپ ۱۳۲۸ھ میں ملاقات کے لئے بریلی آئے قبل ازیں مکہ مکرمہ میں فاضل بریلوی سے خلافت پائی الدولۃ المکیہ کے علاوہ حسام الحرمین اور فتاوی الحرمین میں آپ کی تقریظیں موجود ہیں.......

شیخ محمد سعید بن محمد سالم بابصیل

۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وفات بھی وہیں پائی پہلے مسجد حرم میں مدرس ہوئے پھر عثمانی حکومت نے ،،مفتی شافعیہ،، نامی اہم منصب آپ کے سپرد کیا بعد ازاں پورے مکہ مکرمہ مختلف سرکاری مناصب پر خدمات دینے والے جملہ علماء کرام کے نگراں منصب،،شیخ العلماء،، پر آپ کو تعینات کیا گیا جس پر اپنی وفات تک خدمات انجام دیں اور ،،شیخ الاسلام،، کے لقب سے جانے گئے آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں ان میں رد وہابیہ پر بھی آپ کی کتاب ہے جس کا نام ،،القول المجد ی فی الرد علی عبداللہ بن عبدالرحمان السندی ہے جو جکارتہ سے شائع ہوئی اور یہ ہندوستان کے غیر مقلد بشیر سہسوانی کی تصنیف ،،صیانۃ الانسان کے تعاقب میں لکھی گئی دیگر تصانیف میں تصوف پر ،،اسعاد الرفیق ،،ان کتابو کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں آپ نے ،،حسام الحرمین،، کے ساتھ ساتھ الدولۃ المکیہ پر تقریظ لکھی ہے......(ماخوذ از تاریخ دولت مکیہ)

شیخ محمد عابد بن حسین مالکی

حسام الحرمین پر تقریظ لکھنے والے علماء میں آپ کا بھی نام آتا ہے آپ کی پیدائش بھی مکہ شریف میں ہوئی اور وفات بھی یہیں پائی سن ولادت ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۹ء ہے اور وفات کی سن ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء ہے مسجد حرم میں مدرس تھے اور آپ کا مکان بھی کسی بڑے مدرسہ سے کم نہ تھا آپ کے والد بھی فقہ مالکیہ کے مفتی رہے ان کے بعد اس خاندان کہ بہت

افراد مختلف اوقات میں اسی منصب پر فائز تھے اپنے خاندان کے دیگر افراد کی مانند آپ بھی عثمانی اور پھر ہاشمی عہد حکومت میں مفتی مالکیہ کے منصب پر تعینات رہے آپ تحریر میں کافی مہارت رکھتے تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی رہے ہیں آپ نے اپنے والد کی کتاب ،،توضیح المناسک،،کی شرح ہدیۃ المناسک کے نام سے تصنیف کی ہے اس کے علاوہ القول الفصل فی تائید سنۃ السدل علی مذہب الامام مالک بن انس ۔ اعذب المقال فی دلیل الارسال اور کچھ کتابیں تصوف پر بھی لکھی ہیں جو اس طرح ہیں رفع البدع والفساد عن حدیقۃ الذکر والاوراد۔رسالۃ فی اثبات التوسل وغیرہ

شیخ محمد صالح بن صدیق کمال

آپ امام وخطیب اور مدرس رہے ہیں اس کے بعد جدہ شہر کے قاضی مقرر کئے گئے مگر جب دل میں دیدار کعبہ کا شوق غالب ہوا تو آپ منصب قضا سے استعفی دے کر مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر دوسال کے بعد مکہ مکرمہ میں نائب قاضی کے عہدہ پر مقرر ہوئے سعودی دور حکومت میں جب آپ کو منصب قضا سونپنے کی بات آئی تو آپ نے صاف طور پر انکار کردیا آپ گورنر بھی رہے آپ فقہ حنفی کے مفتی اور شیخ العلماء کے منصب پر فائز رہے علم فقہ میں آپ کو کافی مہارت حاصل تھی اور،،ہدایہ،،پڑھانے میں تو آپ کو پورا ملکہ حاصل تھا۔ القول المختصر المفید لاہل الانصاف فی بیان الدلیل لعمل ااسقاط الصلوٰۃ۔والصوم المشہور عند الاحناف آپ کی اہم کتابیں ہیں سن ولادت ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء اور سن وفات ۱۳۳۲ھ/ مطابق ۱۹۱۴ء ہے حسام الحرمین پر آپ کی تقریظ پائی جاتی ہے اس کے علاوہ الدولۃ المکیہ اور فتوی الحرمین پر بھی موجود ہے

شیخ احمد بن عبداللہ ابوالخیر مرداد

آپ مسجد حرام میں مدرس امام اور خطیب رہے اور مفتی احناف کے نائب بھی رہے حالانکہ اور آپ کو مفتی احناف کا عہدہ بار بار پیش کیا گیا مگر ہر بار آپ نے اسے قبول کرنے

سے معذرت خواہ ہوئے عثمانی دور حکومت میں اماموں خطیبوں کی نگرانی اور ان کے امور کی دیکھ بھال کے لئے ایک سربراہ منصب تشکیل دیا گیا اس منصب کا نام،،شیخ الائمہ والخطباء رکھا گیا مرداد خاندان کے افراد اس پر فائز رہے شیخ عبدالرحمان مرداد اس خاندان کے اولین فرد ہیں جس کو یہ منصب عطا کیا گیا اور عبداللہ ابوالخیر مرداد اس خاندان کے آخری فرد ہیں جو اس منصب سے وابستہ رہے ہیں آپ نے حسام الحرمین کی تصدیق فرمائی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی......ولادت سن ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء میں مکہ مکرمہ میں ہوئی اور آپ کی سن وفات ۱۳۳۵ھ/مطابق ۱۹۱۶ء ہے اللہ آپ کو غریق رحمت کرے کہ آپ سچے ہیں اس لئے آپ نے سچوں کا ساتھ دیا

شیخ محمد علی بن صدیق کمال

۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے آپ مدرس مسجد حرم،حنفی عالم دین اور جدہ کی شرعی عدالت میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے تو ضع ،انکساری اور صبر وقناعت آپ کی سرشت میں داخل تھی یہی وجہ کہ آپ اپنے اسی وصف خاص سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں حسام الحرمین پر آپ نے تقریظ فرمائی ۱۳۳۵ھ/مطابق ۱۹۱۷ء میں خاص مکہ شریف میں آپ کا وصال ہوا.....

شیخ عمر بن ابوبکر باجنید

آپ ۱۲۷۴ھ/مطابق ۱۸۵۷ء میں یمن کے جنوبی علاقہ حضرموت کے گاؤں،،الماء،،میں پیدا ہوئے پھر وہاں سے ہجرت کرکے مکہ شریف آ گئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے اور اسلامی علوم وفنون میں کامل عبور حاصل کیا قرآن مقدس کے بہترین حافظ اور سلسلہ علویہ صوفیہ کے مرشد،معمر،مسجد حرم میں کتب حدیث وتفسیر ور فقہ شافعیہ کے اچھے مدرس تھے ہاشمی دور حکومت میں،،مفتی ہاشمیہ،،کے منصب پر فائز رہے اہل بیت سے محبت فرماتے تھے اور اسی میں آپ نے شہرت پائی مملکت ہاشمیہ حجاز کے بانی شاہ

حسین بن علی کے محل میں آپ کا خطاب ہوتا تھا اور بادشاہ متعدد امور و معاملات میں آپ پر اعتماد کرتا تھا ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں آپ کا وصال ہوا اس طرح ایک کامیاب عہد آپ کے جانے سے رخصت ہوگیا.... حسام الحرمین اور فتاوی الحرمین میں آپ کی تقریظ و تصدیق موجود ہے.....

شیخ صالح بن محمد بافضل

خاص مکہ شریف میں آپ کی پیدائش ہوئی سن ولادت ۱۲۷۷ھ/مطابق ۱۸۶۰ء ہے شافعی عالم اور مسجد حرم میں تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم کے بھی مدرس تھے تالیف وتصنیف میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے آپ نے علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی کی کتاب،، تحفۃ المحتاج لشرح المنہاج،، پر چار جلدوں پر مشتمل حاشیہ تحریر فرمایا... حسام الحرمین پر آپ کی تقریظ مطبوع ہے

شیخ سید محمد مرزوقی ابوحسین بن عبدالرحمان حسینی

حضرت مرزوقی صاحب نے ،،حسام الحرمین،، پر تقریظ لکھی اس کے علاوہ ،،الدولۃ المکیہ ،، پر بھی آپ کی تقریظ موجود ہے آپ اپنے دور کے اچھے اور بڑے عالم تھے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء مکہ شریف میں پیدا ہوئے بہترین حافظ تھے حنفی عالم اور مسجد حرم کے مدرس تھے اس کے علاوہ نماز تراویح کے امام تھے عثمانی عہد حکومت میں نائب قاضی رہے نیز متعدد سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر تعینات رہے ہاشمی عہد میں محکمہ تعلیم کے اعلی ادارہ نیز خلافت کانفرنس کے رکن بھی رہے سعودی عہد میں مقامی عدالت کے صدر جج اور مؤتمر اسلامی کے رکن ودیگر اعلی عہدوں پر فائز رہے آپ کے بعد آپ کے بیٹے شیخ سید حمزہ مرزوقی ابوحسین سعودی مجلس شوری کے رکن رہے اور آپ کے پوتے بھی سعودی وزیر تعلیم کے دفتر میں مشیر رہے آپ کا وصال ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا....

شیخ محمد علی بن حسین مالکی

مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور طائف میں وفات پائی اور مزار بھی یہیں طائف میں ہے

آپ مدرس، صدر مدرس، مفتی مالکیہ اور عدالتی نظام کے سربراہ رہے ہیں علم نحو میں مہارت تامہ کے باعث ،، امام النحو ،، سے مشہور ہوئے تقریباً آپ ۶۵ کتابوں کے مصنف ہیں ان میں سے کچھ شائع ہوئی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ہرفن مولی تھے سن ولادت ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء ہے اور آپ کا وصال ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء ہے حسام الحرمین اور الدولۃ المکیہ میں آپ کی تقریظیں پائی جاتی ہیں

شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین مالکی

آپ فقہ مالکی کے مفتی رہے ہیں تعلیمی محکمہ میں سربراہ اور رکن کی حیثیت رکھتے تھے عدالتی نظام کے کسی ایک شعبہ کے صدر بھی رہے ہیں علم نحو سے آپ کو کچھ زیادہ ہی شغف تھا اس فن میں آپ کی کتاب بھی موجود ہے آپ حق پسند تھے اور حق بات ہی بولتے اور لکھتے تھے اس لئے آپ نے حسام الحرمین پر تقریظ لکھی آپ کا وصال ۱۹۳۰ء میں ہوا

شیخ اسعد بن دہان

آپ بھی عہد رضا سے تعلق رکھتے ہیں مکہ شریف میں آپ کی ولادت ہوئی فقہ حنفی کے بہترین عالم تھے سرکاری عہدوں پر بھی فائز رہے آپ نے حسام الحرمین پر تصدیق کی اور اسے اپنی مہر سے مزین کیا ۱۹۱۹ء میں آپ کا وصال ہوا

شیخ عبدالرحمان دہان

آپ حافظ قرآن اور فقہ حنفی میں خصوصی مہارت رکھتے تھے حافظ مدرس اور تفسیر وحدیث میں بھی مہارت رکھتے ہیں حسام الحرمین میں آپ کی تقریظ پائی جاتی ہے ۱۹۱۸ء میں آپ کا وصال ہوا اور مکہ ہی میں آپ مدفون ہیں

مقرظین کے حالات اور سوانحی خاکہ کے لکھنے میں مولانا عبدالحق انصاری کی کتاب ،،تاریخ دولۃ مکیہ،، سے مدد لی گئی ہے اور اسی کتاب کو سامنے رکھ کر ان سب کا تعارف پیش کیا گیا ہے تعارفی خاکہ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس بات کا اندازہ لگالیں کہ تکفیر کا

مسئلہ کس قدر اہم ہے کہ اس کے تعلق سے امام احمد رضا نے کیا آواز بلند کی کہ ان کی اس آواز میں حرمین شریفین کے علماء اور مشائخ کے آوازیں ایک کے بعد ایک شامل ہوتی گئی انہیں آوازوں کی شمولیت نے اس مسئلہ کو اجماعی مسئلہ بنا دیا...... بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں اور بھی آوازیں شامل ہوتی گئیں ...... متحدہ ہندو پاک میں جس قدر اہل سنت کے علماء مشائخ تھے سب نے حسام الحرمین میں موجود فتوی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی تصدیق فرمائی ہے انہیں تصدیقات کے مجموعہ کا نام ،، الصوارم الہندیہ ،، ہے اس کے تصدیق کرنے والوں میں تقریباً ۲۶۸ رعلماء شامل ہیں..... انہیں تمام حقائق و بصائر کے پیش نظر میں اس بات ہم حق بجانب ہیں کہ علماء دیو بند کی تکفیر کا مسئلہ کسی ایک شخص کی انفرادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اب یہ ایک اجماعی مسئلہ ہو چکا ہے ..... جب کوئی مسئلہ اجماعی ہو جاتا ہے تو ہر ایک مسلمان پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی اتباع کریں اور اس سے انحراف کی کوشش نہ کریں کہ اس طرح کی کوشش بڑی خطرناک ہوتی ہے .... ظفر ادیبی مبارک پوری کا جو حشر ہوا وہ سب پر روشن ہے اسی طرح خلیل احمد بجنوری کانٹوں بھری جس راہ پر چلے یہ بھی کوئی پوشیدہ نہیں ہے اجماعی تکفیر سے بدکنے کا یہی حال ہوتا ہے اور ایسا ہی برا انجام ہوتا ہے

چودھواں باب

عشق و ایمان کی باتیں

عشق وایمان کی باتیں

اس بات میں اب کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کے،،امام سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی،،امام عشق ومحبت تھے۔ان کی ہر ایک تصنیف میں جلوہائے عشق پائے جاتے ہیں۔اسی لئے ان کی نثر بھی شاہکار ہے اور ان کی شاعری بھی یہی شان رکھتی ہے...... ہندوستان میں شاعروں کی کمی نہیں ہے۔یہاں ایک سے بڑھ کر ایک شاعر نظر آتا ہے۔کہنے والوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نعتیہ شاعری بھی کی ہے.....مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری میں جو ندرت اور بانکپن پایا جاتا ہے......اوروں کے یہاں یہ وصف خال خال نظر آتا ہے۔جب کبھی کسی جلسہ میں،،اعلیٰ حضرت،،کی نعت پڑھی جاتی ہے تو اس جلسہ کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے اور اس کے طرب وکیف میں اضافہ دکھائی دیتا ہے...... جب امام احمد رضا کی نعت نہیں پڑھی جاتی ہے تو اس جلسہ کی کامیابی بھی اندھیروں میں کھو جاتی ہے اور ظلمتوں میں گم ہو جاتی ہے......ممکن ہے ہماری یہ بات آپ کو انہونی لگتی ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ہم ایسی کوئی بات نہیں کرتے جو انہونی ہو......یہ اور بات ہے کہ لوگ ہونی کو بھی انہونی سمجھ بیٹھتے ہیں۔جن کی سرشت میں یہ بات پائی جاتی ہے انہیں اپنے آپ کا محاسبہ کرنا چاہئے اور فکر وتدبر سے کام لینا چاہئے.....جو اتنا بڑا عاشق ہو اور جس کے دل میں

حب وولا کا سمندر جوش مارتا ہو۔ہم یہ کیسے سمجھ لیں کہ ان کی دینی خدمات بھی نفسیات کی نذر ہوگئیں......امام احمد رضا کو دیکھئے اور ضرور دیکھئے......ان کی حیات کا مطالعہ کیجئے اور ضرور کیجئے......مگر دور سے نہیں بلکہ ان سے قریب آکر ان کی جلوہ سامانیوں کا مشاہدہ کیجئے...... علماء دیوبند کی،،تکفیر،،میں اسی قسم کے نور وسرور پائے جاتے ہیں اور کیف وطرب کی ہزاروں تجلیاں دکھائی دیتی ہیں۔کسی بھی راہ میں بچھے ہوئے کانٹوں کو صاف کرنا بہت بڑی بات ہے ۔یہ عمل کسی،،عمل جراحی،،سے کم نہیں ہے۔اسی کو ہم دانشوری سے موسوم کرتے ہیں اور یہی حقیقت بیں نگاہ بھی ہے۔حسام الحرمین،،کے شائع ہوتے ہی غیروں میں اضطراب پھیل گیا اب تک ہم غیروں کا شکوہ کرتے تھے مگر اب اپنوں نے بھی غیروں کی روش اپنا لی ہے ......اب ہم روئیں تو کسے روئیں؟اس جہاں میں کون ہے جو ہمارا مداوا کر سکے؟نہیں کوئی نہیں ہے.....یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ،،طبیب حاذق،،وہی ہوتا ہے جو،،عمل جراحی ،،کے بعد بھی ہمارا خیال رکھے......ہوسکتا ہے یہ خیال کہیں اور بھی رکھا جاتا ہو اور ہمارے یہاں نہ پایا جاتا ہو......جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے خیر یہ ان کا خیال ہے جو ان کے پاس ہے اس بارے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟......اعلیٰ حضرت بھی ایک طبیب حاذق کا مرتبہ رکھتے تھے.....اعلیٰ حضرت نے سیدھی راہ کو صاف کیا اور اسے مثل آئینہ چمکا دیا۔اس کے باوجود اسے تنہا نہیں چھوڑا بلکہ ایک مشفق اور محسن ہونے کی حیثیت سے انہوں نے نہ سماج کو اکیلا چھوڑا اور نہ ہی معاشرہ کو.....بلکہ اس کا مداوا بھی کیا اور اس پر کسی نہ کسی کو نگراں بھی بنا دیا .....علاج کس طرح کیا جائے؟اس کے علاج کرنے کا کیا طریقہ ہے؟اس بات کو ہمارا امام بہت ہی بہتر انداز میں جانتا تھا......انہوں نے اپنی قوم کو پیغام دیا....اور کیسا پیغام دیا؟اسے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے جائیے اور اپنے کانوں سے سنتے جائیے۔امام احمد رضا فاضل بریلوی پوری ملت اسلامیہ سے درج ذیل لفظوں میں مخاطب ہوتے ہیں......ان لفظوں کو ذرا غور سے دیکھئے اور ان لفظوں کے جھروکوں سے جو درد اور تڑپ ابھرتی ہے اسے بھی محسوس

کرتے جایئے آپ فرماتے ہیں کہ

مسلمان بھائیوں سے دست بستہ عرض ہے۔ پیارے بھائیو!۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو۔ اور آپ کے صدقے میں اس ناچیز کثیر السیأت کو دین حق پر قائم رکھے اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت دل میں سچی عظمت دے اور اسی پر ہم سب کا خاتمہ کرے آمین یاارحم الراحمین

(تمہید ایمان بآیات القرآن ص ۲۶)

اس تحریر سے صاف طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور ان کی سچی عظمت و وقار کا اپنے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی مطالبہ کرتے ہیں جو انہوں نے مانگا وہ انہیں مل گیا یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی اور اس کے صبح و شام اسی تناظر میں بسر کر دیئے......اپنی تحریر کو بھی اسی تناظر میں دیکھا اور جب غیروں کی تحریریں سامنے آئیں تو اسے بھی اسی تناظر میں دیکھا کہ اس سے پرے ہٹ کر کسی بھی تحریر کو دیکھنے میں خطرہ اور نقصان ہی ہے...... یہاں تک کہ،، علماء دیوبند،، کی تحریروں کو بھی انہوں نے اسی نظر سے دیکھا امام احمد رضا کی اس تحریر سے ہمیں ایک،، معیار،، ملتا ہے اور ایک،، کسوٹی،، ہمارے ہاتھ لگتی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں بھی امام احمد رضا کی تحریر کو اسی نظریئے سے دیکھنا چاہئے اگر چہ تکفیر کا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو مگر افسوس اس بات پر ہے کہ دور حاضر میں تکفیر کے مسئلہ کو اس نظریہ سے نہیں دیکھا جا رہا ہے۔ اسے دیکھنے کا جو معیار ہے۔ اس معیار کو اہل علم نے اپنایا نہیں اور نہ ہی اسے اہمیت دی....اسی لئے ان کا قدم پھسل گیا جس مقام پر قدم پڑنا چاہئے وہاں نہیں پڑا اور جہاں نہیں پڑنا چاہئے وہیں پڑ رہا ہے اسی لئے کسی کہنے والے نے بڑی سچی بات کہی ہے......

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے
مسافرو روشِ کارواں بدل ڈالو

کسی کی تحریر کو دیکھنے کے لئے درج ذیل معیارات اپنانا چاہئے

الف.....ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی چیز اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کا یہ عقید ہونا چاہئے کہ اللہ جل شانہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے اور اس کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے تو پھر کذب کی نسبت اس کی طرف کس طرح جائز ہو سکتی ہے کہ کذب اور جھوٹ ہر دور میں عیب اور نقص رہا ہے کسی بھی دور میں کسی دانشور نے کذب کو نہ اچھا سمجھا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی اسے اچھا تصور کر سکتا ہے اس کے باوجود کچھ افراد نے اللہ کی ذات کی طرف اس کی نسبت کر ڈالی......

ب.........اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ رسول سے میری محبت۔ اطلاقی محبت ہو یعنی ہمیں انہیں ماننا ہی ہے اور اس بنیاد پر ان کی تعظیم کرنا ہمارے لئے عین ایمان ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ایمان کا تقاضا ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے ان کا ادب بجالایا جائے ان کی شان میں ایسی کوئی بات نہ کہی جائے اور نہ ہی ایسی کوئی تحریر لکھی جائے جس سے ان کی شان میں کسی قسم کی تخفیف پائی جائے اور سوء ادبی کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو علمائے دیوبند کی تحریروں میں نہ صرف تعظیم کا فقدان ہے بلکہ ان میں سوء ادبی بھی پائی جاتی

ہے......اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان کے خلاف ایکشن لیا جو تکفیر کے روپ میں ہمارے اور آپ کے سامنے ہے......اگر اس معیار کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جاتا تو شاید انہیں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں میں سچائی نظر آتی....لیکن معاملہ یہ ہوا کہ جب معیار بدلا تو مسائل میں بھی انہیں خامیاں دکھائی دیں .... وہ خامیاں کیا ہیں شاید آپ کو معلوم ہوں......اگر آپ نہیں جانتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لیں....یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہم پہلے غیروں سے اس قسم کی باتیں سنا کرتے تھے مگر اب اپنے لوگ بھی وہی باتیں کرنے لگے ہیں جو غیر کیا کرتے تھے......جب ان کے سامنے،،مسلک اعلیٰ حضرت اور علماء دیوبند کی تکفیر کی بات آتی ہے تو فوراً ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ،،یہ لوگ کلمہ گو ہیں اور اہل قبلہ سے ہیں تو پھر انہیں کافر کیسے کہا جائے؟ اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اور کن لوگوں پر اس کی تعریف صادق آتی ہے اور اہل قبلہ ہونا انسان کو کہاں تک بچا سکتا ہے ؟اور کہاں نہیں بچا سکتا ہے...... یہ ایک طویل اور لمبی بحث ہے حالانکہ میں اپنی کتاب ،،مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر،، میں ہم اس کی پوری بحث کر چکے ہیں اس لئے ہم گزارش کریں گے کہ اس بحث کو وہیں پڑھیں....مگر فوری طور پر مجھے یہ خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے وہ کتاب آپ کے پاس موجود نہ ہو......اس لئے ہم اس گزارش پر زور ڈالنے کے بجائے یہاں پیش کر رہے ہیں......اور اس قسم کی بحث اس مقام پر بآسانی سمجھ میں آجائیگی کہ آپ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہیں اور کمربستہ ہیں......اس مقام پر اس بحث کو لانے کا ایک دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ ہماری نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کی مقدس تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ کسی طرح صحیح سمت کا تعین ہو سکے.....

عشق وایماں اور انصاف ودیانت کی بات یہ ہے کہ جب کسی عالم دین کا کوئی فتوی سامنے آئے تو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اس کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر توبہ کرنے کی بات آئے تو توبہ کر لینی چاہئے ترک تعلق کی بات آئے تو اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے مگر دور

حاضر کا ایک زبردست المیہ یہ ہے کہ اس دور کے انساں قوت عمل سے مکمل طور پر عاری ہو چکے ہیں اور توبہ کرنے سے گریز کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں غیروں میں تو یہ مرض پہلے ہی سے پایا جاتا تھا اسی لئے علمائے دیوبند آج تک توبہ نہ کر سکے نہ اسماعیل دہلوی اور نہ ہی اس کے ماننے والوں نے توبہ کی اور نہ ہندوستان کے کسی باطل فرقہ نے توبہ کی.......یہ مرض ایسا متعدی مرض ہے کہ وہ مرض اب اپنوں میں بھی پایا جارہا ہے بلکہ ہمارے یہاں یہ مرض دس ڈگری اور زیادہ آگے ہے اب اگر ہم روئیں۔تو کہاں روئیں آنسو بہائیں تو کس کے لئے آنسو بہائیں؟ زمیں اگر نرم.اور گرو غبار والی ہوتو آنسو بہانے سے نم ہوسکتی ہے .....مگر ہائے افسوس کہ یہ زمیں عام زمیں سے بہت زیادہ ہٹی ہوئی ہے...... یہ زمیں کنکروں کی زمیں ہے ......پتھروں کی زمیں ہے ...... یہ بنجر زمیں ہے ......اس لئے اب رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں..... بلکہ ہمیں ان کے مقابلہ میں اپنا حوصلہ بلند رکھنا چاہئے جس طرح وہ حملہ کرے اسی انداز میں ہمیں جواب دینا چاہئے کہ یہاں معاملہ اصول کا ہے قواعد اور قانون کا ہے ......علمائے دیوبند کی تکفیر کے مسئلہ کو لے کر جب ہم کچھ باشعور طبقہ کے ذہن وفکر میں جھانکتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسا باشعور طبقہ ہے؟ جس کے علم نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ ہی اس کے دل کے تاریک گوشوں کو روشن وتابناک کیا اس طبقہ میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں یہ لوگ کیسے ہیں؟ اسے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلا طبقہ....ان افراد کا ہے جو بے علم اور نادان ہیں ان میں کچھ تو واقعی نادان ہیں کہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ظاہری طور پر باشعور ہیں مگر فکری استعدادوں اور ذہنی صلاحیتوں میں بالکل کورے ہیں جب ہم ان کے یہاں قدم رکھتے ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں کہ

الف....فلاں تو ہمارا استاد ہے بزرگ ہے ارے بھئی وہ تو ہمارا دوست ہے ہم اسے کافر کیسے کہیں؟ ان سے ترک تعلق کیسے کریں؟ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے....میں کہونگا

یہ کوئی عذر، عذر نہیں ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے جب کوئی رسول کا دشمن ہو۔ان کی بارگاہ کا گستاخ ہو۔خواہ وہ باپ اور بھیا ہی کیوں نہ ہو؟ اس سے الگ ہو جانا چاہئے.....مگر اس دور میں کون الگ ہوتا ہے لوگ تو اس میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہیں اپنا دوست بنانے میں لگے ہوئے ہیں....مسلمانو! آنکھیں کھولو! اور ہوش سے کام لو! جو ان کی بارگاہ کا گستاخ ہو وہ ہمارا نہیں ہوسکتا ہے اگر چہ وہ ہمارا باپ ہو یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار ہو......حضرت سیدنا ابوبکر کی بارگاہ میں ایمان لانے کے بعد ان کے بیٹے عبدالرحمان نے عرض کیا.....اے میرے والد فلاں جنگ کے موقعہ پر آپ میری تلوار کی زد میں آ گئے تھے میں چاہتا تو آپ کو قتل کر سکتا تھا مگر میں نے باپ سوچ کر آپ کو چھوڑ دیا......حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا اے عبدالرحمان اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو میں ضرور قتل کر دیتا کہ تم اس وقت میرے لئے صرف میرے آقا کے دشمن تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں یہ ان کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو باپ، بیٹا یا دوست سمجھ کر غیروں سے معاملات استوار کر لیتے ہیں

ب.......جناب من! یہ لوگ بھی تو مولوی ہیں۔ عالم ہیں۔امام ہیں۔خطیب ہیں۔ مدرسہ چلاتے ہیں اور تبلیغ بھی کرتے ہیں۔تو انہیں برا کس طرح کہیں اور انہیں کافر کیسے کہیں ......ایسوں کی بارگاہ میں عرض ہے کہ جب وہ گمراہ ہے تو اب مولوی نہیں، عالم نہیں، اس کی تبلیغ کسی کام کی نہیں، نہ ان کی نماز، نماز ہے اور نہ ہی ان کا روزہ روزہ ہے کہ یہ تمام چیزیں جبھی فائدہ دیتی ہیں جب ایمان سلامت رہے اور اس کی بارگاہ کا گستاخ نہ بنے......سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عظیم بارگاہ ہے جہاں فرشتے بھی باادب ہو کر آتے ہیں.....اور خدمت عالی میں ادب بجا لاتے ہیں......اب اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی شان کے خلاف کوئی لفظ یا جملہ استعمال کرتا ہے تو ظاہر ہے کوئی بھی مسلمان اسے کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ افسوس ہے اس نظریہ سے دیکھنے والوں نے اسے دیکھا نہیں اسلئے ان کی سوچ کا دھارا کہیں اور پہنچ گیا۔ایسے ہی افراد سے میری گزارش ہے ہمالہ کی چوٹی سے

نیچے آئیے اور زمین پر آ کر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے

دوسرا طبقہ.....ایسے افراد پر مشتمل ہے جو نہایت ہی شاطر دماغ ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ضروریات دین میں سے کسی دینی ضرورت کے انکار کے سبب کسی کو کافر نہ کہا جائے اور اس انکار کو کفر کے اسباب میں شمار نہ کیا جائے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کلمہ پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتا ہے......اسے بھی کافر نہ کہا جائے اس طرح کا خیال ہمارے ہندوستان میں بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ایک لابی ایسی ہے جو اس نظریہ کو پورے ہندوستان میں عام کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے......حالانکہ دوسرے ملکوں میں یہ خیال پہلے ہی سے رائج ہو چکا ہے......ستم بالائے ستم یہ کہ،،افتراق امت،،اور خلود و دخول کے مسئلہ کو اسی خیال مذکور کے ساتھ نظم کر کے دیکھا گیا......یہ وہ خطر ناک زہر ہے جو اہلسنت و جماعت کے جسم و روح میں اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے...... اس لئے ضرورت اس بات کی ہے ہماری جماعت کا دانشور طبقہ اس بات کو سمجھے اور اس کی دفاع کے لئے کوئی مؤثر رول ادا کرے اگر اس میں کوتاہی برتی گئی تو یہ ہماری جماعتی کوتاہی ہوگی جس سے ہماری جماعت کا مستقبل اندھیروں میں ڈوب جائیگا.........امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی کتاب تمہید ایمان میں بڑی تفصیل سے یہ واضح کیا ہے کہ اہل قبلہ کیا ہے؟ اور کلمہ گو سے کیا مراد ہے؟

ایمان کی تعریف

جن امور کے بارے میں قطعی طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تبارک وتعالی کے پاس سے لائے ان سب امور میں دل سے آپ کی تصدیق اور زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب اور بعض محققین اشاعرہ کا ہے ،،رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین،،ایمان کی تعریف دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ،، تمام ضروریات دین کو دل سے حق ماننے اور زبان سے ان کی حقانیت کے اقرار

کرنے کا نام ایمان ہے......اس مقام پر،،ضروریات دین،،سے وہ دینی باتیں مراد ہیں جن کا دین سے ہونا ایسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرہ برابر شبہ نہ ہو اور ان کا دینی بات ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو...... جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت، انبیائے کرام کی نبوت، جنت و نار، حشر و نشر وغیرہ مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں...... آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا......خواص سے مراد علماء ہیں اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم نہیں مگر علماء کی صحبت میں رہتے ہوں اور مسائل شرعیہ سے ذوق رکھتے ہوں نہ کہ وہ لوگ جو کوردہ اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہ پڑھ سکتے ہوں ایسے لوگوں کا کسی ضروری دینی امر سے ناواقف ہونا اس ضروری کو غیر ضروری نہ کردیگا

(ماخوذ از تمہید ایمان)

اسی،،تمہید ایمان،، میں ایک اور مقام پر ہے کہ ایمان صرف جمیع ضروریات دین کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے رہا اقرار باللسان؟ تو وہ ایمان کا رکن نہیں بلکہ دنیا میں اجرائے احکام کے لئے شرط ہے یہ جمہور اشاعرہ کا مختار ہے اور یہی امام علم ھدی حضرت ابو منصور ماتریدی اور بعض احناف کا قول ہے لیکن اس بات پر ان حضرات کا بھی اتفاق ہے کہ تصدیق قلبی کے صدق کے لئے یہ لازم ہے کہ آدمی اس بات کا اعتقاد رکھے کہ جب اس سے اقرار کا مطالبہ ہوگا تو وہ اقرار کرے گا پھر اگر اس سے اقرار کا مطالبہ کیا گیا اور اس نے اقرار نہ کیا تو یہ،،کفر عناد،، ہے یعنی دین اسلام کی حقانیت کو دل سے ماننے کے باوجود زبان سے انکار کرنا......اس کے علاوہ تمہید ایمان میں ایک مسئلہ یہ بھی آیا ہے ....لہٰذا جو شخص کسی ضروری دینی بات کا منکر ہو کافر ہے اگرچہ دوسری تمام باتوں کو مانتا ہو خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھے کتنے ہی روزے رکھے کتنی ہی زکوٰۃ و خیرات کرتا ہو اور کتنی ہی تبلیغ کرے کیوں کہ اعمال صالحہ کی بنیاد ایمان ہے اگر ایمان ہی نہ ہو تو اعمال صالحہ کالعدم ہیں

(ماخوذ از تمہید ایمان)

،،تمہید ایمان،، کے اقتباسات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ضروریات دین کے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ایمان ہے اب اگر کوئی ان میں سے کسی دینی ضرورت کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے اس کا کلمہ پڑھنا یا اہل قبلہ میں سے ہونا اس کے کافر ہونے کے راستہ میں مانع نہیں ہے یہ تمام علمائے دیوبند جن کے اوپر،،حسام الحرمین،، میں کافر ہونے کا حکم نافذ کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند نے دینی ضرورت کا انکار کیا ہے......لہٰذا ان افراد کے کلمہ گو یا اہل قبلہ میں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا......تو پھر اس کے بہانے سے ان حضرات کو بچانے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے؟ اور اس کوشش کے لئے،،وجہِ جواز،، کیا ہے؟ آج جو لوگ کلمہ گو ہونے یا اہل قبلہ ہونے کا نغمہ چھیڑ رہے ہیں۔ شاید وہ،،کلمہ گو،،اور،،اہل قبلہ،، ہونے کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں ہیں......اگر وہ اس سے واقف ہوتے تو اس قدر کچی بات ان کی زباں سے نہ نکلتی....اور جب انہوں نے یہ بات چھیڑ ہی دی ہے تو آیئے اس پر بھی تھوڑی سی گفتگو کر لی جائے تاکہ بات سمجھ میں آجائے کہ اس کا کیا معنی ہے اور اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

اہلِ قبلہ کا معنی کیا ہے؟

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل قبلہ وہ ہے جو ہمارے قبلہ کی جانب منھ کر کے نماز پڑھتا ہے حالانکہ اس کا یہ معنی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے جو تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو ان میں سے کسی بھی ایک بات کا منکر ہونا قطعاً یقیناً اور اجماعاً کافر و مرتد ہے ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے شرح فقہ اکبر میں ہے۔

فی المواقف لا یکفر اهل القبله الا فیما فیه نفی الصانع القادر العلیم او شرک او انکار للنبوة او ما علم مجیئه بالضرورة او المجمع علیه کاستحلال المحرمات ولا یخفی ان المراد بقول علمائنا لا یجوز تکفیر اهل القبله بذنب لیس مجرد التوجه الی القبله فان الغلاة من الروافض

الـذین یدعون ان جبرئیل علیه السلام غلط فی الوحی فان الله تعالی ارسله الـی عـلـی رضـی الـله تعالی عنه و بعضهم قالو ا انه اله و ان صلو الی القبله لیسـو بـمومنین و هٰذ هو المراد بقوله صلی الله علیه وسلم من صلی صلاتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک مسلم

(شرح فقه اکبر ص ۱۹۹ ملا علی قاری)

اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے

مواقف میں ہے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے جب کہ وہ صانع، قادر اور علیم کی نفی نہ کرے یا وہ شرک میں مبتلا نہ ہو جب کہ وہ نبوت کا انکار نہ کرے ہاں اس وقت اس کو کافر کہا جائیگا جب وہ ضروریات دین اور اجماعی باتوں میں سے کسی کا انکار کرے جیسے حرام کو حلال جاننا اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہمارے علماء جو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کے باعث اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے اس سے نرا قبلہ کو منھ کرنا مراد نہیں کہ غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰ ۃ والسلام کو وحی میں دھوکا ہوا کہ اللہ تعالی نے انھیں مولی علی کرم اللہ وجہ کی طرف بھیجا تھا اور بعض تو مولی علی کو خدا کہتے ہیں یہ لوگ اگر چہ قبلہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھیں مسلمان نہیں اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے جس میں فرمایا کہ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منھ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے.....

،،شرح فقہ اکبر،، کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہا جائیگا اور یقیناً کہا جائیگا اگر وہ کسی دینی ضرورت کا انکار کرتا ہے خدائے عز وجل کو کذب و دروغ سے پاک ماننا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو آخری نبی جاننا اوران کی بارگاہ میں ادنیٰ

سی گستاخی نہ کرنا بھی ضروریات دین میں سے ہے......لہٰذا اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتا ہے یا اس کی بارگاہ میں کسی قسم کی گستاخی کرتا ہے تو اسے کافر کہا جائیگا......جس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علمائے دیوبند کو ان کی گستاخیوں کے سبب کافر کہا ہے۔ایسی صورت میں انہیں،،اہل قبلہ،، ہونے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا......ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ ہم انہیں کس طرح کافر کہیں؟ وہ تو کلمہ گو ہیں یا اہل قبلہ سے ہیں تو یہ ان کا قصور فہم ہے۔ان کی سمجھ کا پھیر ہے۔اس طرح کی باتوں سے وہ قوم وملت کو دھوکا دے رہا ہے اوران کی آنکھوں میں دھول جھوک رہا ہے......مسلمانو! ایسوں سے ہوشیار رہو۔خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہو اور کتنے ہی بڑے منصب پر فائز کیوں نہ ہو۔اسلام کسی بڑے کو نہیں دیکھتا ہے۔اس کے قول اور عمل کو دیکھتا ہے۔اعتقاد اور نظریہ کو دیکھتا ہے۔اسی،،شرح فقہ اکبر،، میں ایک دوسرے مقام پر ہے۔ملاحظہ کیجئے اور پھر اس کی اہمیت کا اندازہ لگایئے،،

اعلم ان المراد باهل القبله الذین اتفقوا علی ماهو من ضروریات الدین کـحـدوث الـعالم وحشرر الاجساد وعلم الله تعالی بالکلیات و الجزئیات ومـا اشبـه ذالک مـن الـمسـائـل الـمهـمات فمن واظب طول عمره علی اطـاعـات والـعبـادات مـع اعتـقـاد قـدم العالم او نفی الحشر او نفی علمه سبـحانه بالجزئیات لا یکون من اهل القبله وان المرادبعدم تکفیر احد من اهـل الـقبـلـه عـنـد اهل السنةانه لا یکفرمالم یوجد شئی من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدر عنه سئی من موجباته......

(شرح فقہ اکبر۔ص۱۸۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ جان لو کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین پر اتفاق کرتے ہوں......جیسے دنیا کا حادث ہونا،تمام جسموں کا حشر کیا جانا

اور اللہ تعالی کا کلیات و جزئیات کا عالم ہونا اور انھیں کی مانند اہم مسائل وغیرہ......لہٰذا جس کسی نے بھی اپنی پوری زندگی طاعات وعبادات کی اور اس کے ساتھ ساتھ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھا یا اس نے مرنے کے بعد اجسام کے اٹھائے جانے کا انکار کیا یا اس بات کا عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالی جزئیات کا علم نہیں رکھتا ہے......تو ایسا شخص ،،اہل قبلہ،، سے نہیں ہے اور جہاں ہمارے علماء نے فرمایا کہ ،،اہل قبلہ،، میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے تو اہل سنت کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت تک اس کو کافر نہ کہا جائے جب تک کہ علامات کفر میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے اور اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہ ہو جو موجبات کفر میں سے ہو الخ......اس اقتباس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس سے کوئی کفر ثابت ہوتا ہے اور یقینی طور پر اس کا ثبوت ہو جاتا ہے تو اسے کافر کہنے میں تأمل نہ کیا جائے یہ اور بات ہے کے اس کے یقینی ثبوت کے لئے برسوں انتظار کیا جائے جیسا کہ علمائے دیوبند کی تکفیر میں برسوں انتظار کیا گیا اور جہاں کہیں کفر کے ثبوت میں کسی بھی زاویہ سے اگر شبہ وارد ہو جاتا ہے تو اس کے کفر سے ،،کف لسان،، کیا جائے جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسماعیل دہلوی کے کفر سے ،،کف لسان،، کیا اس ،،کف لسان،، کا سبب یہ ہے کہ اسماعیل دہلوی کی کتابوں سے جو کفری عبارات سامنے آئی ہیں کیا ان عبارات کے لکھنے سے یہی کفر مراد ہے؟ یہ یقینی طور پر ثابت نہ ہو سکا۔اس لئے اعلیٰ حضرت نے ،،کف لسان،، کیا......ہمارے علمائے کرام نے اس کا ایک اور سبب یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ اس نے توبہ کر لی ہے مگر ان کی یہ توبہ والی روایت یقین کے درجہ پر نہ پہونچی تھی۔ اس لئے آپ نے ،،کف لسان،، کیا ہے۔اس کے علاوہ یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر پر اس دور کے معاصر علماء کا اجماع نہیں ہوا تھا بلکہ اس میں خود اختلاف موجود تھا اس لئے اس مسئلہ میں آپ نے ان کی پیروی کی جنہوں نے اس سے اختلاف کیا تھا کہ کفر کا معاملہ بہت ہی زیادہ نازک ہوتا ہے اور اس میں شدید خطرے ہوا کرتے ہیں اور یہ

انتہائی عذاب کی بات ہے۔اس لئے اس میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے.....

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے کفر کے معاملہ میں جو احتیاط برتی ہے ایسی احتیاط شاید ہی کسی کے یہاں پائی جاتی ہو......اس کے باوجود اس مسئلہ کو لے کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کوشش کی جا رہی ہے اور علماء دیوبند کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں چلائے جا رہے ہیں اس کے پسِ پردہ کیا مقصد ہے؟ اور کون سا جذبہ کام کر رہا ہے......اس بات کو وہی بتا سکتے ہیں جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں ہم آپ سے کیا بتائیں؟

ڈوبتوں کو تنکوں کا سہارا

یہ ایک محاورہ ہے جسے اردو ادب سے تعلق رکھنے والے بولتے رہے ہیں اور اسے اپنی ادبی فن پاروں میں استعمال بھی کرتے رہے ہیں شاعری میں بھی یہ محاورہ استعمال ہو رہا ہے اور نثری ادب میں بھی اس کے جلوے دیکھنے کو مل جاتے ہیں.......مگر اس سے مایوسی اور قنوطیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب ڈوبنے والا اپنی حیات اور زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے اور ناامیدی اس کا نصیب بن جاتی ہے تو وہ تنکوں کو ہی اپنی زندگی کا سہارا بنا لیتا ہے اور یہ تصور کر بیٹھتا ہے کہ یہی تنکے ہمیں حیات دے سکتے ہیں.......کچھ اسی طرح کے حالات اس مقام پر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں......تکفیر کے مسئلہ کے تعلق سے ،،امام احمد رضا،، نے جو دلائل اور براہین پیش کئے ہیں وہ اس حد تک قوی ہیں کہ اس کے زور وقوت کو کم نہیں کیا جا سکتا ہے اس بات کا احساس غیروں کو بھی ہو چکا ہے اور انہیں بھی ہو چلا ہے جو اپنے ہو کر غیروں جیسا برتاؤ کر رہے ہیں اور انہیں کے طرز پر اپنی فکر وسوچ کو ڈھال رہے ہیں جاہل اور گنواروں کی طرف سے اگر یہ باتیں سامنے آتیں تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس بیچارے کو کچھ معلوم نہیں.....لیکن یہ معاملہ ان کی جانب سے پیش کیا گیا جو اس دور میں علم وحکمت اور فکر وشعور کی شاہین تصور کئے جا رہے ہیں اس لئے ہم انہیں معذور افراد کے زمرہ میں نہیں رکھ سکتے ہیں بلکہ میں ان افراد کے بارے میں یہی کہونگا کہ انہوں نے اپنی علمی اور فکری صلاحیتوں کو امام احمد رضا فاضل

بریلوی کے علم وحکمت کے سامنے بونا پایا اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو مایوس جانا اور ڈوبنیوالوں کی مانند تنکوں (کلمہ گو ہونے اور اہل قبلہ میں سے ہونے) کا سہارا لیا اور اس سہارے نے بھی سہارا نہیں دیا......اس لئے ان کی قسمت میں اب رونے کے سوا بچا کیا ہے ؟ یہی اس کا اوڑھنا ہے اور یہی اس کا بچھونا ہے .... میں نے یہ بات اس لئے تحریر کردی تا کہ وہ ان کی زندگی میں کامیابی کی لہر دوڑ سکے مگر انسان جو چاہتا ہے اسے سب کچھ کہاں مل پاتا ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا......امام احمد رضا کا یہ مسئلہ تکفیر مذہبی صداقتوں پر مبنی ہے ہم اسے رد کریں تو کس بنیاد پر کریں.......کہ یہ افرادزمیں پر کھڑے ہیں اور امام احمد رضا فکر شعور کی اس بلندی پر ہیں جہاں بڑے بڑے بھی اس بلندی کو چھو نہیں سکتے ہیں اس لئے انہوں نے تنکوں کا سہارا لیا اور پھر ہر کہنے لگے کہ امام احمد رضا نے کیا کیا ہے؟ سوائے اس کے اہل قبلہ کو انہوں نے کافر بنا دیا ہے......لہذا ایسے لوگوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ کسی بھی مسئلہ کو عشق وایماں سے دیکھیں اس پر سیاست نہ کریں اور نہ ہی اپنا الوسیدھا کرنے کی کوشش کریں......یہ مذہب کا معاملہ ہے سیاست کا نہیں اور نہ ہی اسے خاندانی روایات سے جوڑنے کی کوشش کریں بلکہ ان سب سے بالاتر ہو کر سوچنے اور سمجھنے کی روش اپنائیں کہ اسی میں بھلائی ہے اپنی بھی بھلائی ہے اور قوم وملت کی بھی بھلائی ہے

☆☆☆

پندرہواں باب

صلح کلیت ایک نیا فتنہ

شکاری لے کے جال آیا ہوا ہے

یہ عنوان کسی شعر کا دوسرا مصرعہ ہے پورا شعر اس طرح ہے

ہواؤں میں ابھی رہنا پرندو
شکاری لے کے جال آیا ہوا ہے

یہ شعر مجھے اچھا لگا کہ کم از کم کوئی ایسا ہمدرد تو ہے جو اپنے ساتھیوں کو شکاری کے جال سے بچنے کی تلقین کر رہا ہے کہ..اے پرندو! تم ابھی زمیں پر نہ آنا بلکہ ہوا میں ہی رہن۔اس لئے کہ کوئی شکاری اپنا جال بچھائے تمہاری تاک میں ہے۔اگر تم نے اپنے مقام کو چھوڑ دیا اور کسی لالچ میں آکر زمیں پر اتر آئے تو یہ شکاری تمہارا شکار کر بیٹھے گا اور تم کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے.....اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ خود بھی شکاری کے جال سے بچا ہوا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کے جال سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔یہ اس پرندہ کی فطرت ہے جو فکر وشعور سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کے دائرہ میں بھی نہیں آتا ہے۔اس سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں جنہیں ہم ترتیب وار ذیل میں درج کر رہے ہیں

اولاً....... یہ کہ ہر ایک کو اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کا خیال رکھنا چاہئے کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں اس خیال سے غافل نہیں ہونا چاہئے کہ غفلت کے سبب بہت سی دشواریاں

پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر اتنا بڑا نقصان ہو جاتا ہے کہ ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا ہے

ثانیاً........ یہ کہ کوئی بھی اپنے مقام اور مرتبہ سے نیچے اسی وقت آتا ہے جب اس کے دل میں کوئی طمع یا لالچ ہوتا ہے۔لالچ کے بغیر کوئی اپنی حیثیت سے نیچے نہیں آتا ہے

ثالثاً........ یہ کہ لالچ خواہ کیسا بھی ہو وہ اس کے مقام اور فضل سے بہت ہی کم حیثیت رکھتا ہے۔نہ اس میں تقدس ہوتا ہے اور نہ ہی پاکیزگی ہوتی ہے۔ہاں اس سے پیٹ تو بھر سکتا ہے جسم میں بڑھوتری تو ہوسکتی ہے اس سے روح کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی دل کو سکوں ملتا ہے اور نہ ہی سرشت میں کوئی جلا نصیب ہوتی ہے

رابعاً........ یہ کہ جب کوئی لالچ کے پھندہ میں پھنس جاتا ہے اور حرص اس کا نصیب بن جاتا ہے تو وہ غیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی جیسا بن جاتا ہے اور اس کی اپنی آزادی ختم ہو جاتی ہے..... بتائیے ایسا انسان بھی کوئی انسان ہے جو دوسروں کے سہارے اپنی زندگی بسر کرے

خامساً........ یہ کہ جب وہ غیروں کے ہاتھوں میں آجاتا ہے تو پھر وہ اپنے من سے کام نہیں کرتا ہے بلکہ وہ وہی کرتا ہے جو اسے اس کا نیا آقا کہتا ہے۔اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ہے۔نہ اپنے لئے اور نہ ہی غیروں کے لئے اور حدتو یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے لئے بھی کچھ نہیں کرسکتا اس کا جمالیاتی شعور بھی معطل ہو جاتا ہے اور احساس زیاں بھی جاتا رہتا ہے

یہ چند باتیں تھیں جنہیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کردی ہے۔ان باتوں پر غور کیجئے اور بتائیے کہ اس میں کون سی بات جھوٹ ہے؟ اور کس میں سچائی ہے؟ اس مقام پر اس بات کا بھی خیال رہے کہ مذکور بالا شعر میں پرندہ صرف استعارہ ہے اس استعارہ سے مراد انسان بھی لیا جاسکتا ہے اور انسانوں میں بھی وہ انسان مراد لیا جاسکتا ہے جو صاحب ایمان ہے اور جس کے دل میں عشق و وفا کا گلشن آباد ہے.....فرقۂ ناجیہ سے تعلق رکھنے والا ہر ایک شخص اپنے دل کے آباد ہونے کے سبب خوش وخرم رہتا ہے اور اس کے چہرہ مہرہ سے تابانیاں جھلکتی

ہیں۔انہیں یہ تابانیاں کہاں سے نصیب ہوتی ہیں؟انہیں بتانے کی ضرورت نہیں آنکھ والے ان تابانیوں کو دیکھ لیتی ہیں اور پہچان بھی لیتی ہیں.....اگر فضائی آلودگی کے سبب یہ تابانیاں آپ کی آنکھوں میں نہیں سما پاتی ہیں تو اپنی آنکھوں پر بریلی کا چشمہ لگایئے سارے جلوے دکھائی دیں گے کہ یہ چمک انہیں کے در کی چمک ہے۔جہاں سے ہر ایک کو تابانیاں ملی ہیں یہ جلا یہ صفا کس کی صفا ہے؟ ظاہر ہے یہ سب میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفا ہے انہیں کے رخِ انور کی تابشیں ہیں جو ہر طرف بکھری ہوئی ہیں میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسے جو کچھ بھی ملا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے ہی ملا ہے جسے جو کچھ بھی دیتا ہے وہی دیتا ہے اس جہاں میں کون ہے جو کسی کو دے

کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

فضائی آلودگی کو میرے اعلیٰ حضرت نے دور کیا اور ہماری آنکھوں کو دیکھنے کے قابل بنادیا اس لئے میں کہتا ہوں آپ ایک ایسے مصلح ہیں اُ قائد اور رہنما ہیں کہ ایسا کوئی قائد ان کے دور میں دوسرا نظر آتا نہیں۔بات یہیں تک محدود نہیں کہ انہوں نے ہمیں صرف بتایا ہے اور ہماری رہنمائی کی ہے بلکہ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار بھی کیا ہے اور دشمنوں کی آہٹ کا احساس بھی دلایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تمہارا یہ دشمن کس قدر شاطر دماغ ہے اور اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ اس کی علامت کیا ہے؟ اور اس سے ملنے جلنے سے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔انہیں تمام پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے یقینی طور پر آپ کو اسباب کا احساس ہو جائیگا کہ امام احمد رضا مسلمانوں کے بہی خواہ تھے ان کے دین وایماں کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے اس سلسلے میں انہوں نے کبھی بھی کوتاہی سے کام نہیں لیا ان کے

یہاں نہ عمل میں کوتاہی ہے اور نہ ہی فکر وشعور میں کوتاہی ہے اسی تناظر میں امام احمد رضا کے ان اشعار کا مطالعہ کریں۔آپ فرماتے ہیں کہ

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

ایک وہ شکاری ہے جو کچھ دانے ڈال کر پرندوں کو اپنے دام میں گرفتار کرنے کی فکر میں جٹا ہوا ہے۔ایک امام احمد رضا کے دور کے شکاری تھے جو شکار کرنے میں کافی مہارت رکھتے تھے۔کیسے شکار کیا جائے اس کا ہنر جانتے تھے۔اسی لئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ،،وہ چور بلا کے ہیں،،ان کے چرانے کا عمل بھی کچھ الگ انداز کا ہے جو کوئی چراتا ہے تو اپنے سرقئہ عمل کا احساس بھی کرا جاتا ہے.....مگر یہ ایسے چور ہیں کہ مال چوری ہو جاتا ہے پھر بھی اسے احساس تک نہیں ہوتا اور ستم بالائے ستم یہ کہ چوری کرنے والوں کو قائد بھی مانا جارہا ہے اور اسے پیشوائی کا حق بھی دیا جارہا ہے......اے اللہ یہ کیسے شکاری ہیں؟ کہ اس کا راز کبھی کھلتا نہیں ہے ایسے شکاریوں کے تعلق سے امام احمد رضا نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ان سے دوری بنائے رکھو کہ یہ خود دھوکہ میں رہتا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ دیتا ہے یہ شہد دکھاتا ہے اور زہر پلاتا ہے۔دکھاتا کچھ ہے اور پلاتا کچھ اور ہے۔یہ اس کی عادت بھی ہے اور اس کی فطرت بھی ہے۔ایسوں سے بچنا بہت زیادہ مشکل ہوا کرتا ہے......اعلیٰ حضرت کے دور میں شکاری ایک نہیں انیک تھے ان کے شکار کرنے کا انداز بھی الگ اور جداگانہ تھا.....اہلسنت وجماعت اور اس کے سرمایۂ عشق ومحبت کو اچکنے کیلئے مختلف قسم کے شکاری آئے اور شکار کرنے کے لئے انہوں نے نت نئے حیلے اور بہانے تلاش کئے.....اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں کوئی خوف اور باک نہیں ہے کہ ہماری جماعت کے افراد ذی وقار نے اس کے تمام حیلوں اور

بہانوں کو ناکام بنادیا۔اس بات پر ہماری جماعت کو فخر تھا اور آج بھی فخر ہے کہ انہوں نے مختلف میدانوں میں کامیابی حاصل کرلی مگر ایک میدان ایسا ہے جس میدان میں ہم ہار گئے اور ہمارا مخالف وہ میدان جیت گیا......

.ایک مرتبہ کا واقعہ ہے مارہرہ شریف میں عرس کے ایام تھے علمائے کرام کا ایک جم غفیر تھا جو وہاں حاضر تھا۔تقریباً نو بجے صبح کے وقت جیسے ہی بڑے دروازہ سے باہر سڑک پر نکلے تو حضرت مشاہد ملت،مناظر اہلسنت حضور مشاہد رضا خاں صاحب سے ملاقات ہوگئی۔سلام و مصافحہ کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو رہی ......اسی دوران باطل فرقوں کی بات آگئی حضرت نے فرمایا: مولانا! اب ہم لوگ پریشان ہوگئے

میں نے عرض کیا حضرت وہ کیسے؟

ارشاد فرمایا دیکھو! ہم ان کے مقابلے ہر میدان میں کامیاب رہے۔مناظرہ میں ہمیں کامیابی ملی۔تحریر میں بھی ہمارا جواب نہیں ہے۔اب رہی بات تقریر کی تو سن لو ہمارے حریف کے یہاں کوئی مقرر نہیں ہے بتاؤ ان کے یہاں نظامی صاحب جیسا مقرر ہے؟ میں نے کہا......نہیں!......پھر ارشاد فرمایا بتاؤ......رئیس القلم جیسا کوئی مصنف اور مناظر ان کے پاس ہے؟ میں نے کہا نہیں.....پھر بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر میدان میں شکست کھانے کے باوجود ان کے افراد کم نہیں ہو رہے ہیں

میں نے عرض کیا حضور! بات تو بڑے پتہ کی ہے۔لہٰذا آپ ہی بتایئے ایسا کیوں؟

آپ نے ارشاد فرمایا: مولانا اتنا بھی نہیں جانتے

میں نے عرض کیا۔حضور! آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ اور میری کیا بساط؟ کہ میں کچھ جان سکوں۔تو آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

مولانا اندر ہی اندر جو لفافہ چلتا ہے اس کی کاٹ میرے پاس کیا ہے؟

حضرت کی بات واقعی دل میں اتر رہی تھی انہوں نے جو کہا یہی حقیقت ہے اس میں شبہ

کی کوئی گنجائش نہیں......

بات چل رہی تھی شکاری کی.....اعلیٰ حضرت کے دور میں درج ذیل شکاری تھے جو اپنے اپنے جالوں کو بچھائے ہوئے تھے اور شکار کے لئے ہر طرف کوششیں کر رہے تھے

الف......انگریز بھی ایک شکاری تھا......اسی نے ہندوستان میں وہابی کو شکاری بنایا اور شکار کرنے کا ہنر بھی دیا۔اسماعیل دہلوی کو شہید کا لقب بھی اسی نے دلوایا۔تاکہ لوگ اس کے دام فریب میں پھنستے چلے جائیں........

ب......نیچری بھی ایک شکاری تھا۔جس نے ہمیں تعلیم و تربیت اور نئی تہذیب کے نام پر دھوکہ دیا۔اس سے کیا ہوا؟ اس سے ہمیں ترقی نصیب ہوئی۔علوم جدیدہ سے ہم آشنا ہوئے مگر اس ترقی سے ہمارے دل کی دنیا سونی ہوگئی۔روح اپنی لطافتوں اور بہاروں کو دیکھنے کے لئے ترس گئی اسی لئے اقبال نے کہا تھا

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی پر طائرِ دیں کر گیا پرواز

ج......دیوبندی بھی پرانا شکاری ہے....

د......قادیانی تو بہت بڑا شکاری ہے......

س......تبلیغی جماعت بھی شکاری ہے

ص......جماعت اسلامی مسلمانوں کو شکار کرنے میں بڑا ماہر ہے

ط......ندویت میں ان سب کا ہنر پایا جاتا ہے اور سب سے زیادہ چالاک شکاری ہے

غرض کہ امام احمد رضا کے دور میں تنہا ان کی ذات تھی اور اتنے شکاری تھے جو مختلف جہات میں پھیلے ہوئے تھے اور اپنے اپنے کاموں کو نہایت ہی تیز رفتاری سے انجام دے رہے تھے بیک وقت ہر ایک سے قلمی جہاد کرنا یہ امام احمد رضا فاضل بریلوی ہی کے بس کی بات تھی انہوں نے ہر ایک کے خلاف قلمی جہاد کیا جس کی قدرے تفصیل ذیل میں درج کی

جارہی ہے۔

(۱)......انگریزوں کے خلاف ۔۔اس میں نصرانی اور عیسائی دونوں شامل ہیں۔امام احمد رضا نے ان کے خلاف تین کتابیں تصنیف کیں

☆......**الصمصام علی مشکک فی آیة علوم الارحام**

☆......**بیل مژده آراء و کیفر کفران نصاری**

☆......**هدم النصرانی والتقسیم الایمانی**

(۲).....امام احمد رضا نے وہابیوں کے خلاف ایک دو نہیں بلکہ پورے طور پر ۷۶ر کتابیں لکھیں ان کتابوں کے تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھیئے ،،حیات اعلی حضرت جلد چہارم ص۱۱۷/۱۲۰مطبع امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر بریلی

(۳)......نیچری کے خلاف بھی آپنے کتابیں لکھی ہیں یہ کتابیں تعداد میں تقریباً ۷ر ہیں اس کے علاوہ امام احمد رضا نے مرزا غلام احمد قادیانی،قاسم نانوتوی،رشید احمد گنگوہی،خلیل احمد انبہٹوی،اور اشرف علی تھانوی کے خلاف الگ الگ کتابیں تصنیف کیں .....امام احمد رضا کے اسی قلمی جہاد کا نتیجہ تھا کہ ہر ایک باطل فرقہ اور ان کے عقائد ونظریات اور افکار وخیالات مسلمانوں پر واضح ہو گئے ۔خواص نے ان نظریات کو جانا...عوام بھی اس سے واقف ہو گئے اور سبھی جاننے لگے کہ وہابی کیا ہے؟ نیچری کسے کہتے ہیں؟ قادیانی نے کیا کیا؟اور دیوبندیوں کے عقیدے کیا ہیں؟اس لئے ان کے بڑھتے قدموں پر روک لگ گئی اور ان کی کوششوں پر کسی حد تک پانی پھر گیا......خدالگتی بات یہ ہے کہ جب کسی کی پول کھلتی ہے تو اسے اپنی خفگی کا احساس ہوتا ہے مگر باطل فرقہ کے افراد اس قدر بے حس ہیں کہ شاید ہی ایسے افراد کہیں ہوتے ہوں؟ کہ ان کی پول بھی کھل گئی اور ندامت کا احساس بھی نہ ہوا..... میاں!اس کا احساس اسے ہوتا ہے جسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے اور اس کے نصیب میں توبہ کی توفیق کہاں؟ایسے ہی لوگ گناہوں پہ جری اور بیباک ہوتے ہیں۔ان کا جب ایک حربہ

ناکام ہو جاتا ہے تو پھر دوسرے حربہ کے استعمال پر اپنی توجہ مبذول کر لیتے ہیں...... ہندوستان میں بھی اس طرح کے داؤ پیچ کھیلے گئے او پھر ایک ،،مجلس علماء،، قائم کی گئی..... اس مجلس کا نام،،ندوۃ العلماء،،رکھا گیا

ندوۃ العلماء کا تاریخی پسِ منظر

ندوۃ العلماء۔ نام تو بڑا اچھا ہے۔اس کی ابتدا بھی اچھے اور خوبصورت ماحول میں کی گئی۔اہل سنت وجماعت کے بڑے بڑے علماء اس میں شریک ہوئے جس سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب ہندوستان میں اچھے اور خوشگوار اثرات مرتب ہونگے سماج اور معاشرہ میں صالح تغیرات آئیں گے۔اہل علم اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے ....مگر بچھو کی فطرت میں ڈنک مارنا ہے تو وہ مارے گا ضرو۔رکوئی بھی ہو وہ سب کچھ بھلا سکتا ہے مگر کوئی اپنی فطرت بدل دے ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ فطرت کسی کی ہو بدلتی نہیں ہے۔اس کا کام ڈنک مارنا ہے تو وہ ماریگا اور ضرور مارے گا۔اس کے لئے اسے موقعہ کی تلاش ہوتی ہے۔جیسے ہی اسے موقعہ مل جاتا ہے وہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ کیجئے اور درج ذیل تحریر کا مطالعہ کیجئے....

ندوہ کی داغ بیل ۱۳۱۰ھ میں پڑی اور ۱۳۱۱ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی......،،استاذ الاساتذہ حضرت مفتی عنایت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۷۷ھ کانپور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا ۲ر برس تک خود ہی مدرس اول رہے، اس کے بعد اپنے لائق فائق شاگرد استاذ العلماء(مولانا لطف اللہ) کو اپنی جگہ رکھ کر حج کے لئے روانہ ہوئے۔حضرت مولانا لطف اللہ ۷ر برس تک کانپور میں اپنے درس سے،،طلبائے علوم دینیہ ،کو فیضیاب فرما کر علی گڑھ تشریف لے گئے۔اور جانے کے بعد مسجد میں لوگوں کو درس دینا شروع کیا......مگر آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بھی مدرسہ فیض عام رہا اور طلبہ برابر پڑھ کر فارغ التحصیل ہوا کئے۔۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں جو طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ان کی دستار بندی کا

جلسہ تھا اور مشاہیر وقت استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی ، اور حضرت حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی، حضرت استاذی مولانا احمد حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ فیض عام کانپور، مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی قادری چشتی وغیرہم اکابر علماء و مشائخ کرام تشریف فرما تھے کہ انکے باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ علماء کی ایک مجلس قائم کی جائے اور آئندہ سال ،، فیض عام ،، کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہندوستان کے تمام علماء کو اس کے لئے عام دعوت دی جائے اور اس مجلس کا نام ،ندوۃ العلماء قرار پایا جس کے ناظم مولانا محمد علی مونگیری مقرر ہوئے ،،

(حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم ص ۱۲۴)

اس کی ابتدا کو دیکھئے۔ اس میں کوئی بھی ایسا عالم نہیں جن کے بارے میں کسی کو شک و شبہ ہو اس سے تو یہی اندازہ ہو رہا تھا۔ یہ مجلس ایک بہتر اور لاجواب مجلس ہوگی جو ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے کام کرے گی۔ سماج و معاشرہ کی اصلاح اور مسلمانوں کے مابین علم دین کی اشاعت کرے گی اور قوم وملت کی فلاح و بہبودی پر کام کریگی۔ یہ امید یقیناً لائق تحسین تھی اور امید افزا بھی۔ ملت کے افراد اس کا نام سن کر خوش ہو رہے تھے کہ ہاں اب یہ کام ہوگا اور تمام علماء ایک ہی جھنڈے کے تحت جمع ہو جائیں گے ...... مگر ہر امید پوری ہو ضروری نہیں کچھ پوری ہوتی ہے اور کچھ دم توڑ دیتی ہے یہی کچھ حال یہاں بھی تھا۔ ذیل میں کچھ مناظر ملاحظہ ہوں

دوسرے سال مدرسہ فیض عام کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے جس میں مدرسہ کے ۱۴؍ فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ہوتی ہے ...... اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ انسان جب کوئی اچھا کام کرنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے تو شیطان چپ کے سے آتا ہے اور اس میں شریک ہو جاتا ہے اور پھر اس طرح کی باتیں بناتا ہے جیسے وہ ہمارا مونس و ہمدرد اور غمخوار ہو۔ یہ جلسہ سن ۱۳۱۱ھ ۱۵/۱۶/۱۷/ شوال مطابق ۲۲/۲۳/۲۴/ اپریل ۱۸۹۴ء کی تاریخوں میں ہوا۔ استاذ العلماء

مولانا لطف اللہ اس جلسہ کے صدر تھے ، جناب شاہ سلیمان صاحب نے اپنی تلاوت کلام پاک سے اس کی شروعات کی..... اعلیٰ حضرت امام اہلسنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں اور محدث سورتی مولانا وصی احمد صاحب قبلہ بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔ آپ دونوں کو اس بات کی قطعی خبر نہ تھی کہ اس میں کیا کھچڑی پک رہی ہے اور کیا منظر سامنے آنے والا ہے اور شیطان اس کے پسِ پردہ کیا کھیل کھیل رہا ہے؟ رات میں اسٹیج پر دیکھا گیا تو یہاں کا منظر ہی عجیب تھا۔ یہ ایک دینی مذہبی جلسہ نہ ہوکر ایک میلہ سا بن کر رہ گیا ہے کہ اس میں باطل فرقے کے لوگ بھی شریک ہیں۔ کاش اس میں صرف علمائے اہلسنت ہی شریک ہوتے تو اس کا منظر ہی کچھ اور ہوتا اور یہ مجلس جماعت کے لئے بہت ہی زیادہ کار آمد اور مفید ثابت ہوتی شاید ایسا ہونا اس کے مقدر میں نہ تھا..... اس جلسہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لوگوں نے بتایا کہ..........

،، شوال ۱۳۱۱ھ میں پہلا اجلاس ہوا یہ اجلاس اپنی شان میں اعلی اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا۔ اس کی ایک شان یہ تھی کہ ہر فرقہ کے صنادید علماء شریک جلسہ تھے۔ علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں سے، مولوی غلام الحسنین شریک جلسہ تھے..... ظاہر ہے جب مختلف الخیال اور مختلف عقیدہ کے لوگ مدعو ہیں اور ہر مذہب والا اپنے مذہب کو حق بتاتا ہے تو یقیناً ہر ایک وہی بولی بولے گا جس کا وہ معتقد ہے..... تو یہاں بھی وہی ہوا جو ہونا تھا......

اہل حدیث نے اپنے مذہب کا پرچار کیا اور شیعہ نے اپنی بات رکھی اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اس جلسہ سے کس کو کیا ملا؟ اہل سنت کو فائدہ پہونچا یا نقصان ہوا؟ اس فیصلہ کو اپنے دل پر چھوڑ دیجئے۔ جو وہ کہے اسے ہی تسلیم کر لیجئے کہ یہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا.......

اعلیٰ حضرت نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ نے اشارہ سے محدث سورتی کو بلایا اور ارشاد فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ پھر دونوں صدر اجلاس مولانا لطف اللہ کے پاس پہونچے اور اپنا احتجاج پیش

کیاانہوں نے کہامیں بھی دیکھ رہاہوں کہ یہ کیا ہورہاہے؟ پھرمولانامحمدعلی مونگیری سے کہا گیا ۔توانہوں نے یہ کہا۔اس سال جو ہواسو ہوا آئندہ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا......ندوۃ العلماء کے اراکین نے خاص خیال رکھنے کی بات کہی مگر آئندہ سال اس سے بھی زیادہ اختلاط بڑھ چکا تھااور آئندہ بھی بڑھتا چلا گیااور اس میں مزید شناعتیں آتی گئیں ایک کے بعد ایک اور قباحتوں کا یہ حال تھا کہ وہ تہہ بتہہ ہوتی چلی گئیں۔امام احمد رضا فاضل بریلوی اوران کے ہمنوا علماءاس جماعت سے علاحدہ ہوگئے مثلاً۔تاج الفحول حضرت علامہ الشاہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور محدث سورتی وغیرہ.....امام احمد رضا خاموش نہ رہے کہ وہی پرانا شکاری ہے جو نیا جال لے کے آگیا ہے اور مسلمانوں کوضرر پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کررہا ہے اس مقام پر بھی میرے امام نے اپنی قیادت سے قوم مسلم کو اس کے دام تزویر میں آنے سے روکا اور اس کی جال میں پھنسنے سے بچایا۔کیاان کا یہ احسان کوئی کم ہے ؟ کہ انہوں نے ہمارے ایماں کی صیانت فرمائی۔ ایمان کے لٹیروں اور بھیڑیوں سے ہمیں بچایااورانہوں نے نہ صرف ہمیں بچایا بلکہ ہمارے لئے ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کے روپ میں ایک محفوظ پناگاہ عطا کی....جہاں آج ہم اپنے سروں کو چھپائے ہوئے ہیں۔اس دور میں امام احمد رضا کے خیمہ میں علماء ومشائخ کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی جن کے اسماء گرامی ،،حیات اعلی حضرت جلد چہارم ص،۱۳۲رتا ۱۵۰رموجود ہیں یہ تعداد۳۱۳رتک پہونچتی ہے جوخوداپنے آپ میں ایک سواداعظم ہےامام احمد رضا فاضل بریلوی نے ندویت کے رد میں ۱۷رکتابیں تحریر فرمائیں اور مسلمانوں کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ ان سے دور رہواوران کے شاطر دماغوں سے اپنے ایمان اوراپنے عشق ووفا کی حفاظت کرو۔یہ دشمن اور دشمنوں سے جدا ہے یہ ہمارے اورتمہارے لباسوں میں ہیں انہیں پہچاننا بہت زیادہ مشکل ہے۔اس کی پہچان کے لئے کسی کا سہارا لینا پڑے گا۔دنیا جانتی ہے اہل علم جانتے ہیں ارباب شعور جانتے ہیں کہ وہ سہارا صرف ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، ہے امام احمد رضا کا ان

کے سامنے صرف نام لے لیجئے اگران کے چہرے پر چمک ابھرتی ہے ان کے لبوں پر مسکان پھیلتا ہے تو پھرجان لیجئے وہ سنی صحیح العقیدہ ہے اوراگران کے چہرے پر مردنی چھا جاتی ہے تو وہ بدعتی ہے اس کا عقیدہ فاسد ہے اس کے فکر ونظر میں کہیں نہ کہیں بگاڑ ہے اس لئے اس سے دوری بنائے رکھو نہ اس کے ساتھ جاؤ اور نہ اسے اپنے ساتھ لاؤ کہ یہ دوستی کے لائق نہیں ہے۔اس کے ساتھ آنے اور جانے سے محبت میں کمی آجاتی ہے کچھ اسی طرح کا تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ندویت کے دلدادگان نے یہی تو چاہا کہ یہ ہمارے ساتھ آئیں اور ہم ان کے ساتھ جائیں تا کہ ان کے دلوں میں عشق ووفا کی جورعنائیاں ہیں ان میں کمی آجائے یا بالکل محو ہوجائے۔اللہ تعالی بھلا کرے امام احمد رضا کا۔کہ انہوں نے بروقت ہمیں خواب غفلت سے بیدار کیااوران کے جھانسے میں آنے سے ہمیں بچالیا....ندویت نے قوم وملت کو کیا دیا؟اس پرکبھی غور کیا؟اگر غورنہیں کیا ہے تو اب کرلیجئے.....ذیل میں ندویت کے توسط سے جوخرابیاں سماج ومعاشرہ میں سرایت کرگئیں ہیں بیان کی جارہی ہیں

الف.....ندویت نے غیروں کو اپنے ساتھ بٹھایا اور مسلمانوں سے بھی کہا جس طرح ہم غیروں کے ساتھ بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھو...یہ سراسر،،صلح کلیت،، ہے اس کے سوا اور صلح کلیت کیا ہے؟ صلح کلیت اسلام کے ادوار میں سے کسی بھی دور میں پسندیدہ نہ رہی ہے اور نہ ہی آج پسندیدہ ہے۔اسی لئے امام احمد رضا کی آواز پر ۳۱۳رعلماء ومشائخ نے لبیک کہا اوران کا ساتھ دیا۔ان کی آواز میں اگر خلوص نہ ہوتا۔اگر محبت نہ ہوتی۔درد اور تڑپ نہ ہوتی تو کوئی بھی ان کے ساتھ نہ جاتا۔ان سب کا ساتھ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک بڑی جماعت تھی،جوسواداعظم تھی....

ب.......ندویت نے مسلمانوں میں افتراق پیدا کردیا اور ہماری ملت کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا۔اس طرح کا انتشار اسلام میں پیدا کرنا اور اسلامی جمعیت کو نقصان پہونچانا ہر دور میں مذموم رہا ہے۔اس اختلاف کو کبھی بھی محمود نہیں کہا جاسکتا ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا

کہ یہ اراکین کیسے تھے؟ جو اچھوں کے زمرہ سے نکل کر غیروں کے زمرہ میں چلے گئے۔ یہ کیسی دانشوری ہے؟..... کہا جاتا ہے شیطان کبھی خاموش نہیں رہتا ہے اس کا سازشی ذہن چلتا ہی رہتا ہے ہم اور آپ تو تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں مگر یہ عجیب مخلوق ہے نہ وہ تھکتی ہے اور نہ ہی اس کے بہکانے کے عمل میں کمی آتی ہے ایک صورت میں ناکام ہوتا ہے دوسری تدبیر نکالتا ہے۔ دوسری میں جب اسے مایوسی ہوتی ہے تو کسی تیسرے کی تلاش میں صحرا کی خاک چھانتی ہے پہاڑوں کا چپہ چپہ تلاش کرتی ہے اور جب کوئی حیلہ مل جاتا ہے تو اس کو عملی جامہ پہنانے میں جٹ جاتی ہے دور حاضر میں بھی ایک حیلہ سامنے آیا اور وہ حیلہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کا انکار ہے آیئے اس کے بارے میں کچھ تفصیل سے باتیں کرتے ہیں۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا انکار

ہمارا دانشمند طبقہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ دو چار سال پہلے ہماری جماعت کے کچھ سر پھروں نے اس بات پر اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی کہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کا بولا جانا بالکل غلط ہے اور اس کا نعرہ لگانا بھی حماقت ہے۔ نادانی ہے..... منکرین مسلک اعلیٰ حضرت کے لئے،، سر پھروں،، کے استعمال سے کسی کو اذیت ہوگی اور کوئی اندر ہی اندر کڑھتا ہوگا اور کسی کی آنکھوں میں غصہ کی مارے خون بھی اتر آیا ہوگا..... اگر اس طرح کی ناراضگی درست ہے تو پھر میرا استعمال کرنا بھی درست ہوگا کہ جہاں آپ کو غصہ آئیگا۔ وہیں مسلک اعلیٰ حضرت کے استعمال اور اس کے نعرے لگانے سے خوشی بھی ہوگی۔ بس یہی خوشی میرا مطلوب ہے۔ میرا مقصود ہے۔ مسلک اعلی حضرت کا انکار نفی کی جانب لیجاتا ہے اور اس استعمال کیا جانا اثبات کہلاتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اثبات و انکار دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ضد کا ضابطہ یہ ہے کہ جب انکار پر غصہ آئے تو ظاہر ہے اثبات پر کسی کو خوشی ہوگی۔ اور جب آپ کو اپنا غصہ پیارا ہے تو ہمیں بھی اپنی خوشی پیاری ہے۔

اس کے علاوہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کا وجود و اطلاق اس کے انکار کا انکار کرتا ہے تو پھر

اس کے انکار سے کیا فائدہ؟ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب کوئی کام بغیر کسی فائدہ کے انجام دیا جاتا ہے تو پھر ایسے شخص کو،، سر پھرا نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے؟ سر پھرا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ،، مسلک اعلیٰ حضرت،، کی ترکیب کے تعلق سے جن پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہئے تھی ان پر تو انہوں نے غور نہ کیا اور جن پہلوؤں پر کبھی غور نہیں کرنا چاہئے ان پر غور کیا اس صورت میں انہیں سر پھرا نہ کہا جائیگا تو پھر کیا کہا جائے؟ اس کا تعین آپ خود ہی کر لیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں بڑے ہی وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ،، انکار،، بھی شیطانی حیل میں سے ایک عظیم حیلہ ہے۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ انکار کسی پرانے شکاری کے شکار کرنے کا نیا انداز ہے۔ اس طرح کا انداز بھی کتنا غلط ہے؟ اسے کوئی پڑھا لکھا ہی جان سکتا ہے وہ کیا جان سکتا ہے؟ جو علم،، کے عین اور،، فن،، کی فا سے واقف نہ ہو۔ اس بنیاد پر بھی کسی کو سر پھرا کہنے میں مجھے کوئی تأمل نہیں ہے..... یہ انکار بھی،، ندویت،، سے ملا جلا ہے بلکہ یہ اسی کی ہو بہو تصویر ہے۔ اسے اُٹھایئے اور اِسے بٹھایئے اور اسے اِٹھایئے اور اُسے بٹھایئے

یہ انکار کیسا انکار ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ انکار کس سے متعلق ہے؟ اسم و لقب سے یا مسمیٰ سے یا پھر دونوں سے ہے یہ صرف اسم سے متعلق ہو اور مسمیٰ سے نہ ہو یا مسمی سے متعلق ہو اور اس کا اسم سے کوئی لینا دینا نہ ہو ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم اور مسمیٰ دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے اور یہ دونوں تساوی کی نسبت سے منسلک ہوتے ہیں.... اسی تلازم اور نسبت تساوی کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسم کے وجود سے مسمیٰ کا تصور ذہن میں آتا ہے اور جب تک مسمی کا تصور رہے گا اسم کی توانائی بھی پائی جائیگی...... اس تمہیدی اور ضروری گفتگو کے بعد میں دعوت فکر دیتا ہوں ان افراد کو اور ان کے تمام بہی خواہوں کو کہ وہ آئیں اور دیکھیں اور پھر غور کریں۔۔ کہ غیر شعوری کیفیت میں بے قابو قلم نے کیا گل کھلایا ہے؟ اور

لوگ تو چمن آرائی میں اپنی پوری عمر صرف کر دیتے ہیں اور اپنے خون جگر کو اس میں شامل کر کے اس کی بہاروں کو جنم دیتے ہیں.....مگر کچھ نادان دوستوں کی نادانی کے سبب،، مسلک اعلیٰ حضرت،، سے انکار کو اگر صرف اسم سے انکار تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اور مسمیات کے درمیان تلازم اور نسبت تساوی کے پائے جانے کے سبب یہ مسمیات سے بھی انکار ہوگا جس کے نتیجہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ افراد اس انکار کی بدولت امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے تجدیدی کارناموں اور ان کے دوسرے علوم وفنون کا بھی انکار کر رہے ہیں۔ یہ انکار کہاں تک جائز ہو سکتا ہے؟ یہ پہلو ابھی بھی جواب سے تشنہ ہے.....اور جب آپ نے اس کا انکار کر ہی دیا ہے تو یہ انکار ان لاکھوں افراد کے دلوں کیلئے ضرر رساں ثابت ہوگا جنہوں نے اس کے وضع وتعیین، فروغ وارتقاء، اور نشر واشاعت میں بہت زیادہ کوششیں کی ہیں..... اسلام کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتا ہے بلکہ وہ دلداری اور دلبستگی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ کسی ایک کا بھی دل دکھانا غیر اخلاقی بات ہے اور اسلام کے مزاج وسرشت سے بالکل جدا ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں جس جماعت کی اُٹھان ہی غلط ہو اس سے کوئی کیا امید رکھ سکتا ہے؟ اور لوگ ایسوں پر اعتبار ہی کیا کریں گے؟ اس صورت میں ان افراد کا شہد بھی کسی زہر ہلاہل سے کم نہ ہوگا اگر چہ یہ شہد،، اسلاف شناسی کی ہی صورت میں پائی جائے ۔۔۔۔مسلک اعلیٰ حضرت،، نے کسی کا کیا بگاڑا ہے اس نے کسی کا گھر نہیں اجاڑا ہے اور نہ ہی کسی کے آشیانہ سے تنکوں کو اٹھایا ہے.....کیا اس کا یہ قصور ہے؟ کہ انہوں نے ہر ایک کے کھیت وکھلیان کی سبز وشادابی کو برقرار رکھا ہے اور جس کسی نے بھی اس کے اسلاف کی طرف غلط نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ میرے امام نے اسے کبھی بخشا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اپنی ترچھی نگاہ سے اس کے ایک ایک کس بل کو توڑ کر رکھ دیا ہے.....مگر ہائے افسوس!......کہ آج پھر یہی افراد خود اپنے ہی ہاتھوں سے اس حصار کو توڑ رہے ہیں جس حصار کی بنیاد پر ہمارا وجود باقی ہے اور سلامت ہے اور اسی مسلک اعلیٰ حضرت سے ہمارا تشخص بھی برقرار ہے۔ یہ

کیسی اندھیر نگری ہے کہ پھر ہمیں اسی مقام پر دوبارہ لا کر کھڑا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جہاں سے ہماری زندگی کے سفر کا آغاز ہوا تھا

ندویت اور انکار میں کوئی فرق نہیں

میں نہایت ہی وثوق کے ساتھ یہ کہنے جارہا ہوں کہ ندویت اور دور حاضر کے انکار میں کوئی فرق وبعد نہیں۔ دونوں ایک ہی سکہ کے دو پہلو ہیں کوئی چت ہے تو کوئی پٹ ہے اور کوئی پٹ ہے تو کوئی چت ہے....اس کے باوجود انکار کے دامن سے بڑی مسموم ہوائیں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور ایسی مسموم ہوائیں کہ جو سراپا کو جھلسا دیتی ہیں اور من کی دنیا میں آگ لگا دیتی ہیں۔ فکر وشعور، ادراک وتعقل کو بھی بے چین کر دیتی ہیں۔ یہ انکار صرف صلح کلیت ہی نہیں ہے بلکہ مہا صلح کلیت ہے۔ ندویت نے عملی طور پر صلح کلیت کا پیغام دیا تھا اور یہ انکار عملی طور نہیں بلکہ نظریاتی طور پر صلح کلیت کو فروغ دے رہا ہے اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ جب عمل ونظریہ کے نقصانات کی بات آتی ہے تو اس جہت میں نظریہ کو اہمیت اور ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے میں بھی انکار کے پہلو کو زیادہ خطرناک صورت میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ وہ زلزلہ ہے جو ساتوں زمیں کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیگا۔ اس انکار سے وہ پہلو بھی دہل جائیگا جس نے اسے انجام دیا اور وہ آغوش تربیت بھی لرز اُٹھے گی جنہوں نے اسے نشو ونما کے مرحلوں سے گزرنے میں سہارا دیا ہے۔

میں ان آنکھوں میں جھملاتے آنسوؤں کو دیکھ رہا ہوں جنہوں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی.......آج بھی وہ اپنی درد بھری آواز میں یہی کہہ رہے ہونگے کہ میری محبتوں چاہتوں کا یہی صلہ ملا کہ میرے گلشن ہی کو تاراج کر دیا گیا میرے چمن اجاڑ دیئے گئے جس شاخ پر میں نے اپنا آشیانہ بنایا تھا اسی شاخ کو کاٹ دیا گیا جسے میں نے سینچا تھا اسے خود میرے اپنوں نے کہیں کا نہیں رکھا۔ اسے زمیں دوز کر دیا گیا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ ان کی زباں سے یہی درد اور نقاہت بھری آواز آرہی ہوگی کہ

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
تجھ کو اس سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتا وفا کیا ہے؟

ندویت نے عملی طور پر،،صلح کلیت،،کی داغ بیل ڈالی اور دورحاضر کے انکار نے اسے نظر یہ دیا۔اسے وسعت عطا کی ہے اور اسے گھر گھر پہونچانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔یہ دور کیسا بھیانک دور ہے۔کل جسے ظلمتوں سے تعبیر کیا جاتا تھا آج اسی کو تہذیب کا نام دیا جارہا ہے۔کل جسے ہم بزدلی کی علامت قرار دیا کرتے تھے آج اسی کو شجاعت و بہادری کا نام دیا جارہا ہے یہ کس قدر افسوس کی بات ہے......افسوس ہائے افسوس.....جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ نہ پورا ہوا ہے اور نہ ہی آئندہ اس بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

یہ دو،،صلح کلیت،،ہی سے موسوم ہوتا جارہا ہے جسے دیکھئے وہ اسی کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے بلکہ نہایت ہی سرعت و تیزی کے ساتھ اس کی جانب دوڑ رہا ہے۔انفرادی طور پر بھی یہ مزاج بنتا جارہا ہے اور اجتماعی طور پر بھی......مدارس بھی اس میں کوشاں ہیں اور خانقاہیں بھی.....وہ جو کسی دور میں اعتباریت کی سندیں بانٹ رہا تھا.....آج کے دور میں اس کا حال یہ ہے کہ،،صلح کلیت،،کو وہی بڑھاوا دے رہا ہے اور اسی کو اپنی آنکھوں کا پتلی بنائے ہوئے ہے۔محض اس لئے کہ ان کے مزاج کی انفرادیت کے لئے علم وفن کی ساری تابشیں آڑے آرہی ہیں......مسلک اعلیٰ حضرت،،کو نقصان پہونچانے والوں میں ایسی تقدس مآب شخصیتیں بھی پیش پیش ہیں جو کسی دور میں بہاروں کو جنم دیا کرتی تھیں اور رعنائیاں بانٹا کرتی تھیں........ایسے ہی افراد میں ایک،،تبلیغی جماعت،،کے بانی کا ہم نام بھی ہے جو مذہب اہلسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کیلئے سراپا خطرہ بنا ہوا ہے ہم اس کی تنظیم کو،،دعوت

اسلامی،،سے موسوم کرتے ہیں

دعوتِ اسلامی کیا ہے؟

یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کی بنیاد خلوص،للٰہیت،رضائے مولیٰ اور اشاعت حق وانصاف پر نہیں ہے بلکہ سائنسی کرشموں پر ہے اور خرق عادات کارناموں پر ہے۔خوبصورت خوابوں اور نفسیات کو خوش کرنے والے مناموں پر ہے۔اس جماعت کے خوابوں کا مطالعہ کرنے سے نفسیاتی رجحانات کو تو آسودگی مل سکتی ہے۔مزاجوں کی انفرادیت کو تو سکوں میسر ہوسکتا ہے مگر مذہبیات کو آسودگی نصیب ہوا ایسا ممکن نہیں ہے۔اس کے تعلق سے میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ کسی تنظیم کو پرکھنے کے لئے درج ذیل چیزوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے.......

اول.....ضرورت وافادیت
دوم......اس کا بانی کون....؟
سوم......تنظیم کے کارکنان
چہارم.....تنظیم کی نوعیت
پنجم.......اغراض ومقاصد وغیرہ وغیرہ

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی جائے تاکہ اس کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور اس کی اچھائی اور برائی کے مابین خط امتیاز نمایاں ہو جائے ذیل میں ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی جارہی ہے

الف......ضرورت وافادیت

کہا جاتا ہے،،ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے......کیوں کہ اسی کی کوکھ سے کوئی بھی شئی وجود میں آتی ہے اگر ضرورت کے تقاضے نہ ہوں تو کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی اس چیز کا تصور کسی ذہن میں آسکتا ہے۔اس بناء پر دعوت اسلامی کے لئے ضرورت کی

تلاش جاری ہے،،دعوت اسلامی،، کے نام ہی سے واضح ہوتا ہے کہ اس تنظیم کا تعلق،،دعوت وتبلیغ اور رشد و ہدایت سے ہے۔اس کے لئے نظریہ بھی چاہیے اور عمل بھی.....کہ نظریہ کے بغیر عمل کی کوئی بھی عمارت زمین پر کھڑی نہیں کی جاسکتی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس کا نظریہ کیا ہے؟ جس پر یہ تنظیم عمل کرنا چاہتی ہے اور اپنی بات دوسروں تک پہونچانا چاہتی ہے ۔جس دور میں یہ تنظیم وجود میں آئی۔اس وقت ہماری جماعت کا تبلیغی ڈھانچہ اپنی نوعیت میں نہایت ہی منفرد تھا اور یہ سارے امور ہماری جماعت کے عالموں، مفکروں اور فاضلوں کے مقدس ہاتھوں میں تھا کہیں مدارس تھے اور کہیں مساجد.....کہیں مکاتیب تھے اور کہیں جلسہ و جلوس.....کیا تبلیغ کے یہ ڈھانچے اپنی اپنی جگہ پر کامیاب نہ تھے اگر کامیاب نہ تھے تو اس میں اصلاح کرانی چاہیئے تھی.....آخر اس کی اصلاح کی طرف کوئی توجہ کیوں نہ دی گئی.....اگر یہ اصلاح کسی کے بس میں نہ تھی تو ان ارباب فکر و نظر کو کہا جاتا جو اس شعبہ کے روح رواں تھے اور اگر یہ بات بھی آپ کی انانیت کو پسند نہ تھی تو اس سے ثابت ہوتا ہے اس تنظیم کی ضرورت کوئی اور شئی نہ تھی بلکہ خود اس کی اپنی انانیت تھی.....اس سے آپ خود ہی سمجھ لیجئے کہ اس کی ضرورت،،انانیت ہے.....انانیت کی بنیاد پر جو تنظیم وجود میں آتی ہے وہ کیسی ہوگی؟ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے اور اگر مدارس و خانقاہ اور علماء کرام کا منفی کردار ہی اس کی ضرورت ہے جیسا کہ اس تنظیم سے تعلق رکھنے والے افراد سمجھتے ہیں تو یہ بھی ایک غلط اور منفی سوچ ہے اور جہاں اس طرح کی سوچ ہوتی ہے تو نہ افراد ہی سماج و معاشرہ کے لئے مفید ہوتے ہیں اور نہ تنظیم ہی بابرکت اور بافیض ہوتی ہے.......اور اگر اس کی ضرورت یہ تسلیم کرلی جائے کہ تبلیغی جماعت کی کاٹ کی جائے اور اس کے اثرات زائل کردیئے جائیں۔تو یہ ضرورت بھی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کے سہارے کسی تنظیم کا وجود عمل میں لایا جائے......اس بات کو سبھی ارباب فکر جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت اس لئے وجود میں آئی تھی کہ علمائے دیوبند اپنے کفری عقائد و افکار کے سبب بدنام ہوچکے تھے اور کوئی بھی ان سے ملنا جلنا پسند نہ کرتا تھا اسی سے

متاثر ہوکر تبلیغی جماعت نے ان کفری عقائد کو چھپایا اور نماز و روزہ اور کلمہ کے نام پر مسلمانوں کے درمیاں سرخرو بننے کی ٹھان لی......جب ان کے دام تزویر میں کوئی سیدھا سادھا انسان پھنستا تھا اور جب وہ پورے طور پر ان کا ہو جاتا تھا تب کہیں جاکر ان کے رگ و پے میں گندے عقائد کے جراثیم بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ پہونچا دیا کرتے تھے اسی کو کہا جاتا ہے،،شہد دکھائے زہر پلائے......ذرا اب آپ خود ہی بتایئے ہماری جماعت کے علماء ،مدرسین، خطباء، مشائخ اور مصنفین میں کیا خامیاں تھیں جنہیں چھپانے کے لئے دعوت اسلامی کا قیام عمل میں آیا......اگر ایسی کوئی بات ہے تو زباں کھولئے اور بتایئے.....کیا ہماری یہ خامی ہے؟ کہ ہم امکان کذب پر تنقید کرتے ہیں یا ہماری یہ غلطی ہے؟ کہ ہم علم غیب کی باتیں کرتے ہیں اور اگر میری یہ خطا ہے کہ علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں یا ہماری بھول یہ ہے کہ ہم،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کے توسط سے فرقہ ناجیہ کے عقائد و مسائل پر عمل کرتے ہیں۔کیا انہیں تمام چیزوں کی اصلاح کرنا یہی ضرورت ہے؟ بہر حال اس گفتگو سے ثابت ہوگیا کہ اس تنظیم کی ضرورت وافادیت ایک چیستاں ہے ایک ایسا معمہ ہے جو نہ سمجھنے کا ہے اور نہ سمجھانے کا ہے.....سوچئے سمجھئے اور بتایئے....

ب......اس کا بانی کون؟

تنظیم،،دعوت اسلامی،، کا بانی کون ہے؟ یہ بھی اب تک اندھیرے میں پڑا ہوا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس تنظیم کا روح رواں کون ہے؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے اس کا بانی رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب ہیں۔آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے۔کاش اگر وہ ہوتے تو یہ مسئلہ فوری طور پر حل ہو جاتا.....علامہ جیسی شخصیت اس تنظیم کا بانی ہو کوئی بھی ہوش مند طبقہ اس سے اتفاق نہیں کرسکتا ہے اور میں اس قدر وثوق سے یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ علامہ نے قوم و ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جو خدمات انجام دیئے ہیں ان خدمات کے پیش

نظر وہ اس تنظیم کے بانی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اس تنظیم نے کیا کیا؟ وہی کیا جسے علامہ نہیں چاہتے تھے اور اگر بالفرض مان لیا جائے اس کا بانی علامہ ہی ہیں تو یہ ان کے لمحوں کی خطا ہے جسے قوم برسوں سے بھگت رہی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہمیں صدیوں بھگتنا پڑے.....اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس تنظیم کے کارکنوں نے مولانا موصوف کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے شیشہ میں اتار لیا ہو حالانکہ ان کی فطرت اور ذہانت وفطانت کے سبب تو اس کا امکان بہت ہی کم نظر آتا ہے میں نے یہ محسوس کیا کہ مولانا خود اس تنظیم سے بیزار تھے اور آخر میں ان کی یہی رائے تھی کہ اس سے دوری بنائی جائے کیونکہ وہ مستقبل کے خطرات کو محسوس کر رہے تھے اس پہلو کو میں یہیں روکتا ہوں.....اور جو لوگ انہیں بانی قرار دیئے جانے کے لئے کوشاں ہیں وہ لوگ ان کے حق میں اچھا نہیں کر رہے ہیں...

ج.....تنظیم کے کارکنان

اس کے،،کارکنان،، میں،،سرپرست وصدر، مجلس شوری ومنتظمہ کے ممبران اور مبلغین بھی شامل ہیں یہ سارے افراد کس طرح کے ہوں؟ اور ان کے لئے کیا شرائط ہیں؟ یہ بات تو طے ہے اس تنظیم کا مبلغ بننے کے لئے سنی صحیح العقیدہ ہونا کوئی شرط نہیں ہے کوئی بھی اس کا رکن ہوسکتا ہے دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے افراد تقیہ بازی کر کے دعوت اسلامی میں گھلے ملے ہیں اس کا کوئی بھی مبلغ نہ باطل فرقوں کا رد کرتا ہے اور نہ ہی،،مسائل ما بہ النزاع،، کو بیان کرتا ہے۔ میں ان حضرات سے جاننا چاہونگا کہ آپ حضرات کو رد وتنقید سے اس قدر بیر کیوں ہے؟ اگر آپ باطل فرقوں کا رد نہیں کرتے ہیں تو اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کو مسائل سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ نظریہ وعمل بڑے مبلغ کے بھی ہیں اور چھوٹے مبلغ کے بھی......دعوت اسلامی کا یہ وہ کارنامہ ہے جسے ہم نہ مسجدوں میں چھپا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے گھروں میں..... بلکہ اسے بھی آپ کو طشت از بام کرنا ہوگا کہ وہ کون لوگ تھے اور اب کون لوگ ہیں........دعوت اسلامی کے مبلغ کیسے ہوتے ہیں؟ ذیل میں ملاحظہ کیجئے

اوّل.....اس کے بہت سے مبلغین سنی صحیح العقیدہ نہیں ہیں

دوم......یہ سب کے سب غیروں سے بھی ملتے ہیں اور اپنوں سے بھی

سوم......صلح کلیت کو فروغ دینا ایک اہم مقصد ہے

چہارم.......یہ لوگ زیادہ تر بے پڑھے لکھے نہیں ہوتے ہیں

پنجم..........بہت سے مبلغین علماء اور مشائخ سے الجھتے ہیں

ششم......الیاس قادری کے سوا سب کو برا جانتے ہیں

ہفتم........انہوں نے لفظ ''مدینہ،، کا جگہ بے جگہ استعمال کر کے اس کی معنویت کو ختم کر دی اور اس کے وقار کو مجروح کر دیا.....بتایئے وہ کون ایسا مسلمان ہے جو اسے پسند کرے گا کہ لفظ مدینہ کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا جائے؟

ہشتم......یہی وہ کارکنان ہیں جنہوں نے،،میٹھے میٹھے رسول،، کے استعمال کو رواج دیا حالانہ اردو زبان وبیاں میں اس کا معنی غلط سمتوں کی جانب لے جاتا ہے

نہم......ان کا عمامہ بھی سنت کے طور پر نہیں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ اسے ٹریڈ مارک کی صورت میں انجام دیا جا رہا ہے اس لئے اس کے باندھنے پر کوئی ثواب نہیں۔ کہ حدیث پاک میں ہے **انما الاعمال بالنیات**....کہ عمل کا ثواب نیتوں پر موقوف ہوا کرتا ہے

دہم.......بہت سے مبلغین علماء کی برائی بیان کرتے ہیں

یہ کل ۱۰/ پہلو ہیں جو بیان کر دیئے گئے ہیں انہیں پہلوؤں کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تبلیغ ہے یا پھر دھوکہ ہے؟

د.......تنظیم کی نوعیت

اس موقعہ پر،، تنظیم کی نوعیت،، سے مراد اس کی موجودہ حیثیت ہے۔ خواہ اس کا تعلق نظریہ سے ہو یا پھر عمل سے ہو......اس اعتبار سے جب ہم،،دعوت اسلامی،، کا مطالعہ کرتے ہیں تو میرے سامنے اس کے ایسے ایسے حالات منکشف ہوتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر کہا جاسکتا

ہے کہ یہ تنظیم ،،مسلک اعلیٰ حضرت،، کی تنظیم نہیں ہے اور نہ اسے مسلک اہلسنت و جماعت سے کوئی تعلق ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اس پر،، صلح کلیت،، کا غلبہ نظر آرہا ہے ہندوستان میں برسوں پہلے بنام،،طریقۂ کار کا خلاصہ،،ایک،،خصوصی تحریر،، جاری کی گئی تھی جو تقریباً ہر ایک مبلغ کے پاس پائی جاتی تھی اسی میں ۴؍نمبر پر ہے

۴۔ بیان میں باطل فرقوں کا رد ہو نہ تذکرہ صرف ضرور تاً مثبت انداز میں اپنے مسلک حقہ کا اظہار ہو......ٹھیک اس سے پہلے ا؍پر ہے.....دعوت اسلامی کے اجتماعات صرف اور صرف تبلیغی نوعیت کے ہونگے معراج و میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اعراس بزرگان دیں وغیرہ کے جلسہ وجلوس کا انعقاد دعوت اسلامی کے نام سے نہ کیا جائے الخ

حضرات گرامی! یہ تحریریں آپ کے سامنے ہیں۔ان تحریروں پر غور کریں۔عملی طور پر دعوت اسلامی نے ان مسائل سے اجتناب کا ارادہ کیا۔ جو ہمارے اور غیروں کے درمیاں وجوہ اختلاف ہیں مثلاً معراج، میلاد، اعراس، اسی طرح، علم غیب، شفاعت، وسیلہ، امکان کذب اور مسئلہ خاتمیت کا بھی تذکرہ نہ کیا جائے ......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مسائل کا تذکرہ کیوں نہ کیا جائے؟ اس کے پسِ پردہ کیا سربستہ راز ہے؟ کہ جس کے کھل جانے کے سبب ان کے دلوں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو جائیگی؟ اور ان کے خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو کر رہ جائیگا؟ اس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ان کی نفسیات پر کوئی زبردست دباؤ ضرور ہے یہ دباؤ کس کا ہے؟ اس کا جواب خود ان کے ذمہ ہے۔ان کے دلوں میں اسی نرم گوشہ کا پایا جانا۔اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ یہ ان سے قریب ہیں جن سے دوری بنائے رکھنے کا احادیث میں تلقین کی گئی ہے......اور جن سے قریب ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ان سے دوری اختیار کرنے میں،، دعوت اسلامی،، والوں کو دلچسپی ہے۔ایک اور تحریر میں ہے ۔میں اس تحریر کی بات کر رہا ہوں جس پر خود،، مولوی الیاس قادری،، کا دستخط موجود ہے۔ حالانکہ جب اس تحریر پر گرفت کی گئی تو انہوں نے سرے سے اس تحریر کا انکار کر دیا۔مگر ان کا

یہ انکار کچھ زیادہ فائدہ مند ثابت نہ ہوا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کی پرانی عادت رہی ہے جب انکی کسی تحریر پر گرفت ہوتی ہے تو اس تحریر کو وہ بازاروں سے غائب کرا دیتے ہیں یا پھر اس کا انکار کر دیتے ہیں۔اسی بنیاد پر ان کا یہ انکار کام نہ آیا.......اچھا وہ تحریر یہ ہے کہ...اپنے مرکز ،خانقاہوں سے دوری بنائے رکھو۔ورنہ خانقاہوں سے لوگ بیعت ہوتے رہیں گے خانقاہوں سے بیعت ہونے والے دین کے کام میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں ....کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا ہے؟ کہ سنی خانقاہوں، سجادہ نشینوں، اور ان کے مریدوں سے دوری بنائے رکھو کہ یہ لوگ دین کے کاموں میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں..... ہاں اس کا مطلب یقیناً یہی ہے کہ خانقاہ والے صرف اور صرف سنی ہیں غیر سنی کوئی بھی خانقاہ والے کم از کم ہندوستان میں نہیں ہیں۔لہٰذا ان سے دوری بنائے رکھو.....اور اعلیٰ حضرت کی نعتیں پڑھ پڑھ کر ان میں گھسنے کی کوششیں بھی کرتے رہو......اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری جماعت میں نہ جانے کتنے،، گھس پیٹھیے،، موجود ہیں خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ ہم سے دوری اور غیروں سے رغبت یہی تو ہے صلح کلیت......اگر واقعی مریدین کام نہیں کرتے ہیں تو پھر انٹرنیٹ کے ذریعہ کسی کو مرید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ یہ تو دین کا کام کرتے ہی نہیں......تو پھر آپ کے مریدین کہاں سے کریں گے؟ کیا یہ اُن سے الگ ہونگے؟ کہ یہ زمینی مریدین ہیں اور وہ انٹرنیٹی مریدین ہیں۔ بھلا بتایئے دونوں میں کتنا فرق ہے؟ بہرصورت یہ بات تو طے ہے کہ دعوت اسلامی کا،،مسلک اعلیٰ حضرت،، سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اب آیئے اس کے آخری پڑاؤ پر۔

اغراض ومقاصد

دعوتِ اسلامی کے تعلق سے میں نے ۲۰۰۳ء میں بنام،،دعوت اسلامی،، کا ایک تجزیاتی مطالعہ،، لکھا تھا۔میری معلومات کے اعتبار سے،،دعوت اسلامی،، کے مضر اثرات ہی اس کے اغراض ومقاصد ہیں......

دعوتِ اسلامی اور اس کے مضر اثرات

دعوت اسلامی سے مسلمانوں کو فائدے کم ہو رہے ہیں اور نقصانات زیادہ ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ عوام میں علم بیزاری کی فضا بھی ہموار ہو رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں نفرت وتعصب کی بادسموم کا طوفان اٹھنے کو تیار کھڑا ہے بس دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سنی مسلمانوں پر رحم فرمائے دعوت اسلامی سے مرتب ہونے والے اثرات درج ذیل ہیں

(۱) حصول علم پس پشت اور جہالت کو فروغ

(۲) علماء کی روش سے انحراف

(۳) تکفیر وتردید سے انکار اور اس کے خلاف ترغیب کا ماحول

(۴) صلح کلیت کا فروغ

(۵) عوام اہلسنت میں انتشار واختلاف

(۶) شخصیت پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان

(۷) بیجا تنقید میں اضافہ

(۸) عمامہ شریف اور مدینہ پاک کی ناقدری

(۹) خوابوں سے خود کو آراستہ کرنا

(۱۰) سب کو چھوڑ کر صرف ایک کو پکڑنے کا منفی رجحان

یہ وہ حقائق وبصائر ہیں۔ جن کا کوئی بھی انسان انکار نہیں کرسکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کا تردد پایا جاتا ہے۔ ان عبارتوں کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی انسان اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے......لہٰذا اب بات سمجھ میں آگئی کہ دعوت اسلامی واقعی طور پر،، صلح کلیت،، کو فراغ دے رہی ہے اور اس کے اثرات کو سماج ومعاشرہ میں رفتہ رفتہ سرایت کرتے جارہے ہیں اور ٹھنڈی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی مانند سلگ رہے ہیں ضرورت ہے کہ اس پر توجہ دی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چنگاری کسی نہ کسی دن،، کوہ آتش فشاں،، بن کر

پھوٹ پڑے اور اہلسنت وہ جماعت کو اپنی لپیٹ میں نہ لیلے .....دعوت اسلامی والوں نے دعوی تو،، احیائے سنت،، کا کیا اور کام اس کے خلاف کررہے ہیں۔ اگر احیائے سنت ہی کرنا ہے تو ان سنتوں کو زندہ کیجئے جن پر سردست عمل نہیں کیا جارہا ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ مرتدوں کا بائیکاٹ کیا جائے ان سے دوری بنائی جائے۔ جن راستوں پر وہ چلیں ان راستوں سے حتی المقدور بچا جائے ....مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یہ حضرات احیائے سنت کے بجائے اماتت سنت میں گرفتار ہوتے چلے جارہے ہیں ......تحریک دعوت اسلامی کے علاوہ ایک اور تحریک ہے جو صلح کلیت کو زبردست صورت میں فروغ دے رہی ہے یہی وہ تحریک ہے جو منہاج القرآن سے جانا جاتا ہے اس کے بانی،، طاہر القاری،، ہیں......

ادارہ منہاج القرآن

طاہر القادری، اس ادارہ کے بانی ہیں انہوں نے اپنی زور بیانی سے بہت سے بے پڑھے انسانوں کو مرعوب کر رکھا ہے۔ مگر آج تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اپنی زندگی کو کس رخ پر لے کر چل رہے ہیں اور ان کے فکر وشعور کا دھارا کس طرف کو بہہ رہا ہے۔ جو انسان اپنی حیات وزیست میں کسی سمت کا تعین نہیں کرسکتا ہے تو پھر وہ کیا کرسکتا ہے؟ اور وہ کس طرف جا سکتا ہے.؟...ان کے مضامین اور مقالوں کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنا کاسئہ گدائی لئے ہوئے ہر دروازہ پر جاتا ہے اور بھیک میں جو کچھ مل جاتا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے.....حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسے کسی ایک سمت پر چلنا چاہئے وہ سمت کیا ہو؟ اس کا تعین خود آپ کو کرنا ہے دنیا تو انہیں دانشور کہتی ہے مفکر اور محقق کہتی ہے اس کے باوجود وہ تعین سمت میں حیران وپریشان ہیں اور اضطرابی کیفیات سے دوچار ہیں.......ایسا اس لئے ہے کہ انہیں کہیں سے کوئی فیض نہیں مل رہا ہے اگر کہیں سے کوئی فیض ملتا تو شاید وہ پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوتا......طاہر القادری کا معاملہ کوئی چھپا ہوا معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ دن کے اجالے کی مانند روشن وتابناک ہے.....کہنے والوں نے بہت

ہی اچھی بات کہی ہے کہ ،،صلح کلیت،، کا سب سے بڑا داعی ،، طاہر القادری،، ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ اسلام کے جس قدر فرقے ہیں۔ خواہ وہ ناجی فرقہ ہو یا باطل فرقہ ہو۔ ان میں فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں ..... ان فرقوں کے مابین اختلافات کو ،،فروعی اختلافات،، سے تعبیر کرنا واقعی نادانی اور جہالت ہی ہے۔ ہوسکتا ہے ان کی رسائی اصل حقیقت تک نہ ہو پائی ہو۔ جہاں ایسی صورت پائی جاتی ہے اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی شئی کے پاتال تک پہونچنا بہت مشکل کام ہے پاتال تک وہی انسان پہونچ سکتا ہے۔ جو صحراؤں اور کانٹوں پر چلنے کا عادی ہو۔ پھولوں کے سیج پر سونا اور مخمل کے فرش پر چلنے کا جو عادی ہوتا ہے۔ وہ کسی اصل حقیقت تک کیسے پہونچ سکتا ہے؟؟ میں یہ بات بتادینا چاہتا ہوں کہ جہاں ،،فروعی اختلاف،، ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں کوئی فرقہ تشکیل نہیں پاتا ہے۔ ہاں اس کے نتیجہ میں مسلک کی تشکیل ہوسکتی ہے .....فرقہ کی تشکیل کا فلسفہ یہ ہے کہ جب اعتقادی نظریات تشکیل پاتے ہیں تب کہیں جا کر فرقہ کا وجود ہوتا ہے لہٰذا جس قدر بھی فرقے ہیں ان میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ بنیادی اختلاف ہوتا ہے۔ نظریاتی اختلاف ہوتا ہے اور اعتقادی اختلاف ہوتا ہے .....یہی وہ حقیقت ہے جو طاہر القادری پر منکشف نہ ہو پائی ......اس اختلاف کو فروعی بتانے کا مطلب صرف یہی ہے کہ طاہر القادری ان تمام فرقوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے جو نہ صرف غلط ہے بلکہ سو فیصد غلط ہے کسی بھی زاویہ سے اس پر صحیح ہونے کا شائبہ بھی نہیں گزر سکتا۔ طاہر القادری کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ اس میں کہیں سے کوئی دھندلا پن دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ،، فاسد خیالات اور غیر شرعی نظریات،، عام ہو چکے ہیں ...... ہماری جماعت کے دانشوروں نے اس بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کردیا ہے اور انہوں نے یہ بتادیا ہے کہ طاہر القادری کی حقیقت کیا ہے اور اس کے خرافات کی کیا حیثیت ہے؟ طاہر القادری کے تعلق سے زیادہ کچھ لکھنے سے بہتر یہ ہے کہ میں اس کتاب کا تعارف پیش کردوں .....جو موصوف کے بارے میں لکھی

گئی ہے اس کتاب کا نام ،،طاہر القادری،، کی حقیقت کیا ہے؟ ہے اس کے مؤلف ہماری جماعت کے بے نظیر عالم دین، بے مثال مفتی حضرت علامہ مفتی ولی محمد صاحب رضوی ہیں اور ،،سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور شریف (راجستھان) نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ۵/ابواب ہیں اس کے علاوہ ابتدائیہ، آغاز سخن، اور تقدیم ہے

باب اول............تأثرات

باب دوم..............تنقیحات

باب سوم...............تعاقبات

باب چہارم...........مقالات

باب پنجم.............تائیدات

میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کا اس کا مطالعہ کریں اسی سے اندازہ ہو جائیگا کہ طاہر القادری کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ موصوف جب ہندوستان آئے تھے ان کے ماننے والوں نے انہیں مجدد کی حیثیت سے تعارف کرایا تھا اپنی اس حیثیت کے تعارف کرانے کے سبب موصوف نے اس پر نہ تو ،،نا،، کہا اور نہ ہی اس پر انہوں نے ،،ہاں،، کہا بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کرلی .....یہ خاموشی بھی رضا کی دلیل ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں مجدد کہیں .....کیا اسلام و سنیت کے خلاف بات کرنے والا اور اسلام و مسلماں کے دشمنوں سے میل ملاپ کرنے والا مجدد ہوسکتا ہے.؟ انہیں سوالوں کے جوابات کے لئے باب پانژدہم کا مطالعہ کیجئے......

☆☆☆

سولہواں باب

خواب، جو پورا نہ ہو سکا

کس قدر سنہرا خواب تھا؟

خواب تو بہر حال خواب ہے۔خواب دیکھنے پر آج تک کسی نے بھی پابندی نہیں لگائی ہے۔اس طرح کے خوابوں کو دیکھنے پر نہ کوئی غیر پابندی لگا سکتا ہے اور نہ ہی خواب دیکھنے والا خود اس پر پابندی عائد کرسکتا ہے۔خواب اچھا بھی ہوا کرتا ہے اور برا بھی ہوا کرتا ہے۔اللہ پاک کی طرف سے بھی خواب کا ورود ہوتا ہے اور اس کی طرف سے بھی خواب آتا ہے جو انسانوں کا ازلی دشمن ہوا کرتا ہے۔جس خواب سے دل کو سرور، روح کو کیف ونشاط اور ذہن کو سکوں میسر ہو جائے بس وہی سچا خواب ہے۔خواب بہر حال خواب ہے خواہ وہ خواب کیسا بھی ہو......اس سے کسی کو انکار نہیں کہ خواب دیکھنے والا خواب ہی دیکھتا ہے۔اس کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ہے جو خواب دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔وہ بہت لالچی اور حرص والا ہوا کرتا ہے.......کچھ ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جو ہمیشہ خوابوں کی دنیا میں رہا کرتے ہیں وہ صرف خوابوں کو ہی دیکھتے رہتے ہیں.....

انکا کوئی ایسا خواب نہیں ہوتا ہے جو کبھی نہ آتا ہوا.......یہ خواب وہ ہوتا ہے کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا ہے اور کبھی شرمندۂ تعبیر ہو بھی جاتا ہے ....مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خواب وہی شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے جس پر اللہ پاک کی جانب سے فیضان ہوا کرتا ہے یا پھر اس کی توفیق شامل حال ہوا کرتی ہے.....

خواب دیکھنے والوں نے خواب دیکھا کہ میں ،،مجدد،، ہوں یا یہ دیکھا کہ میرے مجدد ہونے کا اعلان ہو چکا ہے جو لوگ خواب دیکھ رہے ہیں انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ ،،مجدد ہونا،، کوئی خواب نہیں ہے کہ اس طرح کے خوابوں سے کیا ہوتا ہے؟ ارے وہی تو ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے......ایسے ہی افراد سے میرا مشورہ ہے وہ خواب دیکھنا بند کردیں......خوابوں کے چرچے بہت ہو چکے ہیں اور اب تو حال یہ ہے خوابوں کو سنتے، سنتے دل پک سا گیا ہے

مجدد کیا ہوتا ہے؟

مجدد عربی زبان وادب کا لفظ ہے کسی چیز کو نیا کرنے، کسی چیز کو صاف ستھرا بنانے والا لفظ مجدد کا معنی ہے۔اس کے لغوی معنی کا تقاضا کچھ بھی ہو مگر ہر نیا کرنے والا مجدد نہیں ہوتا۔میں پوچھنا چاہتا ہوں۔کیا نئی عمارت بنانے والا بھی مجدد ہے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے! بلکہ مجدد وہ ہوتا ہے جو دین کو نیا کرتا ہے اور سنتوں کو زندہ کرتا ہے اور بدعتوں کو مٹایا کرتا ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے......حضرت ابوھریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان اللہ تعالی یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مأیۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا بےشک اللہ تعالی اس امت کے لئے ہر صدی پر ایک ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس کے دین کو از سرنو نیا کردے گا اسے ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اسے بیان کیا ہے۔اس حدیث پاک میں ایک جملہ آیا ہے جو،،از سرنو دین کو نیا کردے گا،،اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئیگا بلکہ وہ اسی دین کو نیا کریگا......جس دین پر بدعتوں کی کائی جم جاتی ہے یا جس کے رخ زیبا پر گرد وغبار آجاتے ہیں یا پھر اس دین کو صاف ستھرا کریگا جو خرافات کی نذر ہو جاتا ہے اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ،، ہر صدی کے شروع،، میں آتا ہے۔اس کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے مجدد دو صدی کو پاتا ہے جس صدی کا وہ مجدد ہوتا ہے اس سے پہلے والی صدی میں اس

کی شہرت ہو جاتی ہے خواہ علم وفن میں اس کی شہرت ہو....شعور وادراک میں اس کی شہرت ہو......زہد واتقاء میں اس کا مشہور ہونا بھی اس کے مجدد ہونے کی علامت ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس صدی کا وہ مجدد ہے اس کا کچھ زمانہ بھی اس نے پایا ہو ......مجدد ہر دور میں رہا ہے۔کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں کوئی مجدد نہ رہا ہو......مجدد ہونے کی تاریخ بھی پرانی ہے۔ایک صدی میں مختلف مجدد بھی ہو سکتے ہیں

مجدد کے شرائط

مجدد ہر کوئی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔جب یہ شرائط پائیں جائیں گے تبھی کوئی مجدد ہوسکتا ہے۔ذیل میں اس کے شرائط بیان کئے جا رہے ہیں

(۱).....مجدد وہ ہوتا ہے جو سنی صحیح العقید ہوتا ہے۔اگر کوئی دین سے ہٹا ہوا ہے یا اگر کسی کے نظریات کفری ہیں۔بدعتی ہیں یا جس سے گھروں میں،سماج،معاشرہ میں اختلاف پیدا ہو جائے وہ کسی صورت میں مجدد نہیں ہوسکتا ہے

(۲).....مجدد وہ ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کا بہترین عالم ہو۔فاضل ہو۔علوم وفنون میں شہرت رکھتا ہو،منقولات اور معقولات کا جامع ہو۔مشاہیر زمانہ میں اشہر ہو۔مرجع انام ہو۔حق بات کہنے میں چکتا نہ ہو۔ان کے دل میں نہ خوف ہو اور نہ ہی ڈر ہو......دین کی حمایت کرنے والا ہو اور بدعت کو مٹانے والا ہونا چاہئے۔حق بات کہنے میں بے خوف ہو۔ملامت کرنے والا لاکھ ملامت کرے مگر ان پر کسی کی ملامت کا کوئی اثر نہ پڑے.....

(۳).......مجدد وہ ہوتا ہے جو علوم شریعت کے ساتھ ساتھ علوم طریقت سے بھی واقف ہو نہ صرف واقف ہو بلکہ اس کے تمام اسرار ورموز سے آشنا ہو۔پورے طور پر خانقاہی مزاج رکھتا ہو اور باطن کی تربیت اور نشو نما سے مکمل آگاہی رکھتا ہو۔جہاں جس چیز کی ضرورت ہو اس کے استعمال پر پوری قدرت رکھتا ہو

(۴).......مجدد ہوتا ہے جو ہر قسم کی طمع اور لالچ سے پاک ہو۔بے لوث جذبہ رکھتا ہو۔

دنیاوی منافع اور جاہ ومنصب کی غیر ضروری خواش نہ رکھتا ہو اور ایسا نہ ہو کہ دینی خدمات کے سہارے وہ دنیا کے مناصب حاصل کرنا چاہتا ہو کہ اس قسم کی خواہش رکھنا کسی اچھے بھلے انسان کا م نہیں۔اس طرح کے امور وہی انجام دیا کرتے ہیں جو سیاست کے گلیاروں کو ،،فردوس بریں،،تصور کرتے ہیں۔میں نے یہ بات اس لئے کہی....کہ ایک صاحب ہیں جو دین کی باتیں کرتے ہیں اپنی چرب زبانی سے نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں مگر انہوں نے سیاست میں قدم رکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ انہیں دین سے کم اور دنیا سے زیادہ دلچسپی ہے۔لہٰذا ایسا شخص کبھی بھی مجدد نہیں بن سکتا ہے۔لاکھ سر پٹک کر مر جائے مگر کچھ ہونے والا نہیں ہے۔انہوں نے مجدد بننے کا جو خواب دیکھا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور نہ ہی اس صورت میں وہ مجدد بن سکتا ہے کہ،،ہنوز دلی دور است......

(۶)........میاں مجدد وہی ہوسکتا ہے جن کی پوری حیات کا یہی نصب العین رہا ہو کہ محبت کرے تو صرف اور صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور نفرت کرے تو صرف اور صرف اللہ کے لئے کرے۔اس کے علاوہ کسی اور جذبہ سے سرشار ہو کر نہ تو کسی سے محبت کرے اور نہ ہی کسی سے نفرت کرے اور جہاں محبت یا نفرت کرنے کا جذبہ کچھ اور ہو۔ایسا شخص کسی بھی صورت میں مجدد نہیں بن سکتا ہے....

(۶)......مجدد وہی ہوسکتا ہے جو صالحین کا بہترین عوض ہو اور اخلاف میں بھی افضل ہو اور نعم البدل ہو......صالحین کا بہتر عوض ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر آنے والا مجدد اپنے پیش رو مجدد کا بنیادی اور اعتقادی مسائل میں تابع ہو۔خاص طور سے ان کے تجدیدی خدمات اور کارناموں کا پاس ولحاظ رکھے۔ایسا نہ ہو کہ ہر آنے والا مجدد الگ الگ گل افشانی کرے اور اپنے لئے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائے کہ ایسا کرنے کی صورت میں اس قدر اختلافات نمایاں ہو جائیں گے کہ ہم ان اختلافات کو شمار نہیں کر سکتے اور نعم البدل کا مطلب یہ ہے کہ معاصرین میں سب سے اچھا اور بہتر ہو.......اس دور میں جو افراد مجدد بننے کا خواب دیکھ

رہے ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ اس کے خواب دیکھنے پر صرف مجھے ہی حیرت نہ ہوگی بلکہ ہر دانشمند طبقہ کو حیرت ہوگی ...... کیونکہ خواب دیکھنا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ ان کے دلوں میں مجدد بننے کی شدید خواہش پائی جاتی ہے۔خواہش جب تک خواہش رہتی ہے اس وقت تک خواب دیکھنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوتا ہے اور جب یہی خواہش شدید ہو جاتی ہے اور ان کی خواہش پوری ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی ہے تو یہ خواہشیں ناکام تمناؤں کے ذخیرہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ان ناکام تمناؤں کا باطن سے نکلنا ضروری ہوتا ہے۔اگر نہ نکلیں تو ایسی بے قراری پیدا ہوگی کہ اس حالت میں انسان کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ ہم زندہ رہیں۔اسی لئے یہ ناکام تمنائیں خواب کے راستے باہر آتی ہیں تا کہ انسان آرام سے اپنی زندگی بسر کر سکے ......اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ خواب دیکھنا تمناؤں کے ناکام ہونے کی دلیل وعلامت ہے۔ ہماری جماعت کے زیادہ تر علماء کرام اس بات پر اتفاق کرتے ہیں چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا تھے۔اور پندرہویں صدی کے مجدد حضور مفتی اعظم ہند تھے ۱۵/ویں صدی کی چوتھی دہائی میں ہم داخل ہو چکے ہیں......
اس دور کے حالات کو دیکھتے ہوئے اور کچھ لوگوں کی نفسیات کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مجددیت کا اعلان کرنے کے لئے ابھی سے پر تول رہے ہیں۔انہیں اس بات کی ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ اپنے مجدد ہونے کا اعلان کر دے......مگر ان کے دلوں میں کچھ اسی قسم کے خیالات اپنے بال و پر نکال رہے ہیں...... مجھے اس بات کے کہنے میں کوئی تأمل نہیں ہے کہ ابھی تک ایسے حالات نہیں بنے ہیں جن حالات میں کسی مجدد کی ضرورت پائی جاتی ہے جب اس طرح کے حالات بنیں گے تو ہو سکتا ہے ۱۵/ویں صدی کے نصف دہائی کے بعد کسی مجدد کا ظہور عمل میں آجائے...... میں نے ایسا اس لئے کہا کہ کوئی بھی مجدد دو صدیوں کو پاتا ہے گزشتہ صدی کے آخر میں شہرت پاتا ہے اور جس صدی کا وہ مجدد ہوتا ہے اس صدی میں اپنے تمام معاصرین پر فوقیت رکھتا ہے اور مرجع عوام وخواص ہوتا ہے......اور

پھر وہ اپنے تجدیدی کارناموں سے ایک جہاں کو سیراب کرتا ہے۔ ہر ایک کی تشنگی کو دور کرتا ہے۔ ایمانی، روحانی، علمی، فنی، فکری، سماجی، معاشی، اقتصادی، اور معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ ہر آنے والا مجدد حق وصداقت کے چہروں پر پڑے ہوئے گرد وغبار کو صاف ستھرا کرتا ہے اور اپنے پیشرو مجدد کی راہوں اور ان کے افکار ونظریات اور خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر مجدد اپنے پیش رو مجدد سے انحراف کرتا ہے۔اگر کہیں انحراف دکھائی دے تو یوں سمجھ لیجئے کہ ہم اس عمل انحراف کو تجدیدی کارناموں سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں .....میں یہ باتیں اس لئے پیش کر رہا ہوں تا کہ مجدد بننے کا خواب دیکھنے والے اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنی فکر و دانش کو کسی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیں۔اس کے بعد ہی مجدد ہونے کا خواب دیکھیں اور اس مسئلہ پر خوب اچھی طرح سے غور وفکر کر لیں اس کے بعد ہی کسی پہلو پر آنے کی کوشش کریں۔عجلت میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے خود ان کی اپنی شخصیت مجروح ہو جائے اور قول وفعل میں تضاد کی کیفیت پیدا ہو جائے.....

مجدد کب آتا ہے؟

مجدد کا کام دین کی تجدید، احیائے سنت اور راہ عمل، دعوت عمل کو فروغ دینا ہے اور ہر اس کام کی ہدایت دینا ہوتا ہے جو انسانیت کے لئے لازم وضروری ہو.....ان امور کی ضرورت اس وقت محسوس کی جاتی ہے...... جب سیدھی راہ خرافات کے دلدل میں پھنس جاتی ہے اور اس کے خدوخال بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں....اور کوئی بھی مجدد اس وقت آتا ہے جب دین حق تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے اور جب اس کے جسم و اعضا ٹیڑھے پڑ جاتے ہیں........اور اس طرح ہماری نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں کہ پھر اس پر عمل کرنا دو بھر ہو جاتا.....ایسی صورت میں کشمکش، تذبذب، حسرت و یاس اور ناامیدی ہر آدمی کی زندگی کا نصب العین بن جاتی ہے۔تب کہیں جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کسی ایسی ذات کو دنیا میں پیدا فرماتا ہے جو ہجوم حسرت کی ظلمتوں میں امید وآس کی

کرن بن کر آتا ہے اور پھر وہ دین کی تجدید کرتا ہے اس ذات میں وہ تمام صلاحیتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں جن کی اس دور میں ضرورت ہوتی ہے.......میں مانتا ہوں اس دور میں مسلمان اپنے مذہب سے دور ہوتا جارہا ہے اور بدعملیوں کا شکار ہو رہا ہے......نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور دوسری قسم کے کار ہائے خیر جنہیں ہماری حیات و زیست کا جزو لاینفک ہونا چاہئے مگر ہم اپنی غفلت کے سبب انہیں انجام نہیں دے پا رہے ہیں...... یہ خود مسلمانوں کی اپنی کمی ہے اور علمائے کرام کی لاپرواہیوں کا نتیجہ ہے......اس بات کے اعتراف میں ہمیں کسی بات کا خوف نہیں ہے ......اس کے باوجود اس دور میں بھی تبلیغ و اصلاح کی راہیں مسدود نہیں ہیں......تبلیغی امور انجام دیئے جارہے ہیں......مسلمانوں کو دعوت عمل دی جارہی ہے۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں درس و تدریس سے کام لیا جارہا ہے اور کہیں خطابت سے مسلمانوں کی اصلاح کی جارہی ہے ......اس لئے یہ راہ نہ کبھی مسدود تھی اور نہ ہی آج مسدود ہے۔ طریقہ تبلیغ آج بھی واضح ہے اور انہیں رہنما خطوط پر یہ کام چل رہا ہے جو ہمارے اسلاف کا اس سلسلہ میں طریقہ کار رہا ہے۔ یہ طریقہ گہن آلود نہیں اس لئے دور حاضر میں کوئی مبلغ مجدد نہیں ہوسکتا ہے اور وہ مبلغ جو اپنے اسلاف کے طریقوں کو چھوڑ کر تبلیغ کے لئے یہود و نصاریٰ کے طریقوں کو اپنا رہا ہے اور انہیں کے نہج پر چل رہا ہے وہ مجدد کیسے بن سکتا ہے۔ یہ بناوٹی پھول ہے جس سے خوشبو کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے انہیں اس حقیقی پھول کی تلاش کرنی چاہئے جس سے خوشبو بھی آئے اور اس کی نکہتوں سے دلوں کی کلیاں بھی مسکرا اٹھیں.....

دوسری بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجدد جب آتا ہے جب دین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے عقیدوں اور نظریوں میں انحرافی کیفیت نمودار ہوتی ہے ......اکبر نے ،،دین الٰہی،، کے ذریعہ عقیدۂ الوہیت کو پائمال کرنے کی کوشش کی.....تو حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے علمی اور روحانی کارناموں سے عقیدۂ الوہیت کی صیانت فرمائی اور جب عقیدۂ رسالت کو گوشۂ

گمنامی میں ڈالنے کے لئے وہابی، دیوبندی، قادیانی، نیچری، اور دوسرے باطل فرقوں نے کوشش کی تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قلمی جہاد فرما کر عقیدۂ رسالت کی حفاظت فرمائی اس لئے تمام علمائے اہلسنت نے انہیں ،،مجدد،، کے لقب سے ملقب کیا.....امام احمد رضا فاضل بریلوی چودہویں صدی کے مجدد تھے.......

پندرہویں صدی کا مجدد کون؟

۱۵ ویں صدی میں مستقل طور پر کوئی مجدد نہیں آیا یعنی ایسا کوئی مجدد نہیں آیا جس طرح کے مجدد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور حضرت مجدد الف ثانی تھے۔ ہاں! مرشد بر حق اور جلوۂ رشد و ہدایت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ایسے مجدد تھے جنہوں نے اپنے پیش رو مجدد کی تعلیمات اور ان کے اصول و نظریات کی مکمل طور پر اشاعت فرمائی اور اسے گھر گھر پہونچانے میں پوری کوشش فرمائی۔ آپ مجدد اس لئے ہیں کہ آپ نے گزشتہ صدی میں شہرت پائی اور ایسی شہرت پائی کہ آپ اپنے اسلاف اور صالحین کے بہترین عوض تھے اور اپنے معاصرین میں اتنے اہم تھے کہ آپ ہر ایک کے مقتدا و پیشوا تھے۔ اہل علم آپ پر اعتماد رکھتے تھے۔ اس دور میں جب بحرانی حالات پیدا ہوئے تو آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کلمۂ حق کے اظہار میں ذرا سا بھی تأمل سے کام نہ لیا.....ہندوستان میں ایک ایسا بھی دور آیا جب مسلمانوں کو زبردستی کافر بنایا جارہا تھا اور اس کے لئے منظم طور پر تحریک چلائی جارہی تھی۔ اس تحریک کو تاریخ میں ،،شدھی کرن،، کی تحریک سے جانا جاتا ہے حضور مفتی اعظم ہند نے اس کے مقابلہ میں ،،جماعت رضائے مصطفےٰ،، قائم فرمایا۔ آپ اور آپ کے ہم عصر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل اور حضرت صدر الشریعہ اور دوسرے علماء کرام نے وہاں وہاں سفر کیا جہاں جہاں مسلمانوں کو زبردستی کافر بنایا جارہا تھا۔ یہ مقابلہ اکثریت اور اقلیت کے مابین تھا ایک طرف پنڈت ہوا کرتے تھے اور دوسری طرف ہماری جماعت کے علماء ہوا کرتے تھے کہیں مناظرے ہوئے۔ کہیں لڑنے مرنے کا معاملہ آیا۔ اور کہیں سخت قسم

کی اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ایسے خطروں سے وہی گزرتا ہے جو اہل حق اور مومن کامل ہوا کرتا ہے۔نہ انہیں اپنی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں زادراہ کی فکر ہوتی ہے۔ان علماء کرام نے مشقتوں کو برداشت کیا۔خطروں سے نبرد آزما ہوئے۔مگر دین مصطفیٰ ﷺ میں ضعف نہ آنے دیا۔یہ وہ کارنامہ ہے جسے ہم ،،شان مجدد،، سے تعبیر کر سکتے ہیں......میرے مفتی اعظم کے دور میں ایک اور عظیم خطرہ پیدا ہوا اور وہ اس قدر عظیم خطرہ تھا کہ بڑے بڑے جبہ و دستار والے اور نام وشہرت والے خاموش تھے۔خانقاہ والوں کے منھ میں بھی زباں نہ تھی۔اہل خانقاہ اور درس گاہ والے ان خطروں کو محسوس کر کے گوشۂ گمنامی میں جا بسے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کی جبری طور پر نسبندی کی جارہی تھی۔بڑے بڑے صاحب کروفر اور جیالے انسانوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔انہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ کچھ کرنے کی بات تو جب ہوتی ہے جب ان کے ہوش ٹھکانے پر ہو۔جب ہوش ہی ٹھکانے پر نہ تھے۔تو وہ کیا کرتے؟ایسی ناگفتہ حالت میں ملت کی رہنمائی کا سوال تھا...... ہر ایک مکتبہ فکر سے وابستہ عالموں اور قائدوں کی حالت پتلی ہو چکی تھی وہ بھی اپنے اپنے تہہ خانوں میں جا چھپے تھے......خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ان میں اس قدر بھی تاب وتوانائی باقی نہ تھی کہ وہ اپنی کمیں گاہوں سے باہر آتے اور اپنے لبوں کو جنبش دیتے......ایسی نازک صورت حال میں جماعت وملت کی قیادت اور سیادت کی بات آئی....تو اسی بریلی کی سرزمیں سے ایک مرد مومن اور مرد مجاہد نے آوازِ حق بلند کی......کون مرد مجاہد؟ ہاں ہاں! وہ مرد مجاہد جن کی زبان سے ضعف ونقاہت کے سبب آواز بھی نہیں نکل پارہی تھی......مگر جب مذہب وملت کی صیانت کی بات آئی تو ایسے خطرناک دور میں اس مرد مجاہد نے اپنی نقاہت کا بھی خیال نہ کیا اور حکومت وقت کو للکار دیا کہ نسبندی ہمارے مذہب وشریعت میں ناجائز وحرام ہے کہ یہ معنوی اعتبار سے اپنی اولاد کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔اس لئے نسبندی حرام ہے

......حرام ہے......اور اشد حرام ہے....اس آواز حق کے بلند ہوتے ہی اوروں کی زبانیں بھی کھل گئیں اور آنکھوں سے پردہ بھی ہٹ گیا۔اس کے بعد عام مسلمان بھی بریلی کی طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ وہاں سے کیا حکم ہوتا ہے؟ بریلی جب مرکز ہے تو اس نے اپنے مرکز ہونے کا حق ادا کر کے بتا دیا کہ ملت کو جب جب ضرورت پڑی ہے۔ہم اس کے لئے تیار رہے ہیں۔اگر دین کے گلشن کو ہمارے خون جگر کی بھی ضرورت ہو۔تو ہم اس کے لئے تیار بیٹھے ہیں.....سرکار مفتی اعظم ہند کا یہ کارنامہ اس قدر بڑا کارنامہ ہے کہ ہم اس کی بڑائی کی پیمائش نہیں کر سکتے ہیں۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ کارنامہ ایسا ہے جو شان تجدید کے دائرہ میں آتا ہے۔اس کے باوجود اس کارنامہ کے سبب کسی نے بھی سرکار مفتی اعظم ہند کو،،مجدد،،نہیں کہا......حالانکہ مجدد کی تعریف،اس کے اوصاف،اس کے کمالات اور اس کے شرائط آپ کی ذات وشخصیت اور دینی خدمات اور کارناموں پر صادق آتی ہیں۔

بعد از وصال جب اس بات پر غور کیا گیا تو ہماری جماعت کے علماء نے پایا کہ مجدد کی تعریف آپ کی ذات پر صادق آتی ہے وہ سبھی کمالات آپ کی شخصیت میں پائے جاتے ہیں جو کسی مجدد کے لئے ہونے چاہئے اس کے شرائط کے بھی آپ جامع نظر آتے ہیں۔اس لئے ہماری جماعت کے علماء نے انہیں ۱۵ویں صدی کا مجدد کہا۔تقریر کے ذریعہ بھی اسے واضح کیا اور تحریر کے توسط سے بھی سرکار مفتی اعظم ہند کے مجدد ہونے پر علماء کرام سے تائیدیں حاصل کی گئیں.........۱۵رویں صدی میں اگر چہ کسی اور کے مجدد ہونے کا امکان تو ہے مگر صرف امکان کے ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ مزہ تو جب ہے کہ یہ امکان حقیقت میں تبدیل ہو جائے۔سرکار مفتی اعظم ہند جیسی عظیم شخصیت،شان زیبائی اور تقوی و پرہیز گاری،زہد وورع ،علم وادراک،فکر وشعور رکھنے والا پورے برصغیر میں کوئی بھی نظر نہیں آتا ہے جو اس منصب کا حق ادا کرتا ہو۔اس لئے کسی پڑھے لکھے انساں کا تصور بھی اس طرف نہیں جاتا کہ اس دور میں کوئی اونے پونے بھی مجدد ہوسکتا ہے......کوئی شخص اپنے آپ کو مجدد کہتا ہے یا اپنے

گرگوں سے کہلواتا ہے۔لکھواتا ہے یا اس کا اعلان کرواتا ہے۔تو ایسے تمام افراد کو ان نقلی دیوانوں میں شامل کرنا چاہیئے جنہوں نے محض میٹھا حلوہ حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو ،،اصلی مجنوں،، کی صورت میں پیش کیا تھا......ایسے افراد کے یہ دعاوے صرف اور صرف کذب اور دروغ پر مبنی ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہیں اصل مجنوں اور فرہاد بننا سب کے بس کی بات نہیں.....ہم آگے کسی باب میں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ دور حاضر میں جو مجدد ہوگا اس کی کیا خصوصیت ہوگی؟ اور اس کے اوصاف کس طرح کے ہونگے ؟

ذرا سوچیئے اور بتایئے؟

کیا ایسوں کو مجدد کہا جایئگا ؟ جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ لفظ ،،قادری،، لکھا ضرور ہے مگر اس کا جو اہتمام، ادب واحترام ہونا چاہیئے وہ اسے برقرار نہ رکھ سکے اور اس کے دائرہ سے نکل کر،،پادری،، کی سرحد میں جا کھڑے ہوئے کہ آنجناب خود بھی ان کے یہاں جاتے ہیں ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں بات صرف یہیں تک محدود نہیں بلکہ انہیں اپنے یہاں بلاتے بھی ہیں ان کی آؤ بھگت کرتے ہیں اور ان سے گلے ملتے ہیں...... کیا ایسا شخص مجدد ہوسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! کیا وہ مجدد ہوسکتا ہے؟ جس نے اللہ کے جمالیاتی تصور میں فاسد نظریات کو آنے کی دعوت دی ؟ کیا وہ مجدد ہوسکتا ہے؟ جس نے تمام باطل فرقوں کو فروعی اختلاف بتا کر انہیں اعتباریت کی سند عطا کردی؟ ظاہر ہے اس طرح کا کوئی بھی فرد مجدد نہیں ہوسکتا ہے!

دعوت اسلامی کے افراد نے بھی اس کے بانی کو،،مجدد،، کہا ہے اور لکھا بھی ہے مگر یہ بھی ان کا کھوکھلا دعویٰ ہے۔اس میں کسی زاویہ سے کوئی سچائی نظر نہیں آتی ہے۔کیا ایسے کو مجدد کہا جاسکتا ہے؟ جو کچھ بھی پڑھا لکھا نہ ہو۔کیا وہ مجدد ہوسکتا ہے؟ جو مجلس تبلیغ میں کسی گانے پر رقص کرتا ہو؟ ہاں! اگر ایسوں کو ناچنے والوں کا مجدد کہا جائے تو یہ ایک الگ بات ہے۔کیا ایسا مجدد ہوسکتا ہے ؟ جس نے ،،عمامہ شریف،، کی اہمیت گھٹا دی اور اس کثرت سے لفظ

،،مدینہ،، کا استعمال کیا کہ اس کا علَم ہونا بے معنی ہو کر رہ گیا۔اس طرح سے اس کا تقدس جاتا رہا اس کے جمالیات میں بھی کافی فرق آگیا۔ہیلو کی جگہ مدینہ کہا جاتا ہے کسی کو مدینہ کہہ کر آواز دی جاتی ہے دروازہ پر دستک دی جاتی ہے تو مدینہ، مدینہ کہا جاتا ہے اور اندر سے مدینہ کہہ کر ہی جواب دیا جاتا ہے ..... یہ وہ باتیں ہیں جو نظریات سے نہیں بلکہ مشاہدات سے تعلق رکھتی ہیں...... یہ بھی خیال رہے کہ یہ کسی ایک کا مشاہدہ نہیں بلکہ ہزاروں افراد کا مشاہدہ ہے اس لئے اسے جھٹلانا بہت زیادہ مشکل ہے۔

ان دو کے علاوہ اور بھی ایسے ہیں جو خود کو مجدد کہتے ہیں اور دوسروں سے کہلواتے بھی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے فقہی اصطلاحات میں سے ،،ضرورت وحاجت،، کو فقہ میں بتائے گئے اس کے معانی سے منحرف کر کے اپنی ضرورت کے تحت اس کے معانی گڑھ لئے اور پھر اس کے تحت بہت سے ناجائز کو جائز قرار دے دیا ہے۔یہ سب کیا ہے؟ اسے شریعت کی اتباع کہیں گے؟ یا پھر اپنی خواہشات کی پیروی کہیں گے؟

کیا زمانہ میں ایسا بھی کوئی مجدد ہوا ہے؟ جس کے موقف ونظریہ پانی کے بلبلوں کی مانند ہو کہ پہلے دعوت اسلامی والوں نے مسلمانوں کے گھروں سے ٹی وی نکلوا کر باہر پھینکوا دیا اور اب ان کا یہ حال ہے کہ پورا پروار ٹی وی کی اسکرین پر آنے لگا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اب مسجدوں میں اس کا استعمال کیا جارہا ہے۔انہیں اس بات کا بھی خیال نہیں آتا کہ یہ مسجد ہے۔خدا کا گھر ہے۔بہر حال مسجد کا بھی اپنا ایک تشخص ہے۔تقدس ہے۔پاکیزگی ہے۔ اس کی بھی کوئی حرمت ہے۔اسے کسی بھی حالت میں پائمال نہ ہونے دیا جائے۔مگر واہ رے پاکیزہ دامنوں کا ڈھونڈرا پیٹنے والے وہ خود بھی شعوری طور پر مسجدوں کی حرمت کو پائمال کررہے ہیں۔اگر ایسے لوگ مجدد دین ہوجائیں تو ہر ایک کی زبان پر ایک ہی سوال ہوگا ۔کیا اسی طرح کے مجدد دین ہوا کرتے تھے؟

اسلام کہتا ہے تم اپنی نیکیوں کو چھپاؤ کسی پر اپنی نیکیاں ظاہر نہ ہونے دو۔اسی لئے حکم

ہے۔نوافل اپنے اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔مگر یہ حضرات کیا کررہے ہیں؟اپنی نیکیوں کی نمائش کررہے ہیں اور نوافل کو تماشہ بنارہے ہیں۔اگر ایسے ہی تماشہ بیں اور نمائش کرنے والے مجدد بن جائیں تو پھر،،الامان،الحفیظ.....ابھی ہماری جماعت میں اہل علم موجود ہیں جو اچھی سوچ اور مثبت جذبہ رکھتے ہیں اور دین میں رخنہ ڈالنے والوں کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں اور ان کی پرواز کدھر کو ہوتی ہے؟اور ارادہ کس طرف کا ہوتا ہے؟ وہ اسے بھی جانتے ہیں ایسے فتنہ پروروں کی سرکوبی کی جائے۔دور حاضر کا یہی تقاضا ہے

پندرہویں صدی میں کسی دوسرے مجدد کے امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حدیث پاک کے مطابق ایک صدی میں کئی ایک مجدد ہوسکتے ہیں۔سابقہ زمانوں میں بھی ایک دور میں کئی ایک مجدد تھے،تو اس دور میں بھی کئی ایک مجدد ہوسکتے ہیں اور وہ مجدد کون ہوسکتا ہے ؟یہ ابھی واضح نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں ابھی تک کسی نے سوچا ہے۔

اس وقت جماعت اہل سنت بڑے ہی پُر آشوب دور سے گزر رہی ہے اندرونی خطرات بھی ہیں اور بیرونی حادثات سے بھی یہ جماعت دوچار ہے اندرونی خطرات میں باہمی نزاعات،آپسی اختلافات،اور خانقاہوں کے مابین متصادم نظریات آتے ہیں جو ہر ایک سنجیدہ انساں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہے ہیں اور بیرونی خطرات میں وہ ساری چیزیں آتی ہیں جو مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا پیغام لے کر آتی ہیں۔ایسی صورت میں ظاہر ہے ہم کمزور ہونگے اور ہمارے مقابلہ میں ہر کوئی آنے کو تیار بیٹھا ہوگا......نہایت ہی رازدانہ انداز میں ہماری جماعت کے کچھ افراد باطل فرقوں سے راہ ورسم پیدا کررہے ہیں اور ان سے تعلقات کو فروغ دے رہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ اس میں صرف چھوٹے ہی لوگ گرفتار ہیں بلکہ ایسے لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو پاکدامنی میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں....باطل فرقوں سے راہ ورسم رکھنا کیسا ہے؟ذیل میں کچھ احادیث کے ترجمے درج کئے جارہے ہیں۔

(ا).....باطل نظریات رکھنے والوں سے دوری بنائے رکھو.......نہ ان سے ملو۔اور نہ انہیں اپنے پاس بلاؤ.......اور نہ تم ان سے ملاقات کرو

(ب).......ان کی صحبت کا کم سے کم اثر یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ان کے دلوں سے عشق و فامحو ہوتے چلے جاتے ہیں......اور اس راہ میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ہیں وہ رفتہ رفطہ مٹتے جارہے ہیں.......

گزشتہ ابواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ پندرہویں صدی میں جو بھی مجدد ہوگا وہ کیسا مجدد ہوگا؟....اس بارے میں ہم نے غور کیا تو ہماری سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ ۱۵اویں صدی کا مجدد وہ ہوگا جو صلح کلیت کے خلاف جنگ لڑے گا اور مسلک اعلیٰ حضرت کے رخ زیبا کو پراگندہ کرنے والوں سے قلمی جہاد کرے گا،مسلک اعلیٰ حضرت کی حمایت اور اس کے اصول ونظریات کی حقانیت کو واضح کرے گا،اس کے تمام مضمرات کا انکشاف کرے گا،اس راہ میں جس قدر کانٹے سامنے آئیں گے ان سب کے خلاف اعلان جنگ کرے گا......دور حاضر میں بہت سے افراد مجدد بننے کا خواب ضرور دیکھ رہے ہیں مگر افسوس اس بات پر ہے کہ خواب وہی لوگ دیکھ رہے ہیں جو،،صلح کلیت،،کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں......یہ اور بات ہے حصہ لینے کی نوعیت الگ الگ ہو۔بہر حال جو صلح کلیت کو فروغ دے رہا ہے وہ مجدد نہیں ہوسکتا ہے اور وہ بھی مجدد نہیں ہوسکتا ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہو......ہم اپنے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ اس تحریر کو پڑھیں اور پھر اپنی ضمیر سے فیصلہ کریں۔ہمیں انتظار رہے گا کہ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

☆☆☆

سترہواں باب

مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف

اختلاف

اس بات کو ہم ثابت کر آئے ہیں کہ،،مسلک اعلی حضرت،،بعینہ مسلک اہلسنت ہے۔ دونوں میں تساوی کی نسبت پائی جاتی ہے۔اسی نسبت تساوی کا کرشمہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار دوسرے کے انکار کو مستلزم ہے۔اسی لئے ہم کہتے ہیں۔ ہر سنی بریلوی ہے اور ہر بریلوی سنی ہے انصاف کا تقاضا ہے۔مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف نہ کیا جائے اس کے باوجود کچھ لوگ اختلاف پر اتر آئے ہیں۔انہیں خود اپنے او پر غور کرنا چاہئے کہ ہم کیا ہیں اور کیا کر رہے ہیں.....اختلاف کبھی اصول ونظریات میں کیا جاتا ہے اور کبھی عملیات میں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اختلاف کو ایک زینت کے طور پر لیا جاتا ہے۔اس اختلاف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کریں اور یہ بتائیں کہ مجھے دیکھو! میں نے امام احمد رضا سے اختلاف کیا ہے۔اگر کسی کو اذیت دے کر فردوس بریں میں داخل ہو جائیں تو یہ کوئی کمال نہیں ہے۔کمال جب ہوتا جب وہ اس کا مستحق ہوتا اور استحقاق کسی کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کا عمل اذیت رسانی سے پاک اور منزہ ہوتا ہے.....ہم دیکھ رہے ہیں کچھ سالوں سے،،مسلک اعلیٰ حضرت،،سے اختلاف کرنے کی فضا ہموار کی جارہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ امام احمد رضا کوئی نبی تو ہیں نہیں کہ ان سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہ

ہو۔جولوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ان کی بارگاہ میں مؤدبانہ عرض ہے۔اس مقام پر شخصیت سے اختلاف کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہاں نظریات سے اختلاف کا معاملہ ہے۔ اصول سے اختلاف کی صورت ہے۔اس اختلاف کا حق اسی کو حاصل ہوتا ہے جونظریات اور اصول کی تشکیل کی صلاحیت رکھتا ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب کہ وہ علم وفن فکر وشعور اور ادراک میں امام احمد رضا سے بڑا ہو یا کم سے کم امام احمد رضا کے مساوی ہو......اگر مساوی نہیں ہے بلکہ ان سے صلاحیتوں میں کم ہے اور بہت ہی کم ہے۔تو پھر ان کے مسلک سے اختلاف ان کی ذاتی منفعت پر مبنی ہوگا یا پھر ان کے مسلک سے اختلاف محض اس مقصد کے تحت ہوگا کہ بڑوں سے اختلاف کرو اور اپنا نام روشن کرو.....یہ اختلاف ایسوں کے معاملہ میں زہر ہلال ثابت ہوگا......اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں نقصان اختلاف کرنے والوں کا ہی کا ہوگا۔اعلیٰ حضرت یا ان کے مسلک کا کوئی نقصان نہیں ہوگا........ہم چاہتے ہیں کہ اختلاف اور اس کی ساری نوعیّتوں کو تفصیل سے بیان کر دیں تاکہ آپ خود اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ ہمارا اختلاف،اختلاف کی کس نوعیت کے زمرہ میں آرہا ہے اور اس اختلاف سے کسے فائدہ ہوگا اور کسے نقصان؟ ذیل میں درج مضمون،،اختلاف،جماعتی انتشار کے تناظر میں لکھا جارہا ہے

اختلاف اسباب وعوامل اور اقدامات

معنیٰ ومفہوم۔۔۔۔یوں تو''اختلاف''کا معنیٰ ومفہوم واضح تر ہے۔سماج کا ہر ایک فرد اس سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ''اختلاف''کیا ہے؟اور اس کا معنیٰ ومفہوم کیا ہے؟اگر ہم لغت کی طرف رجوع کریں تو اس میں اس کا معنیٰ''جدائی/دوری/فاصلہ/اور تضاد''لکھا ہوا ہے۔ظاہر ہے۔یہ معانی سبھی کو معلوم ہیں۔سماج میں کوئی ایسا فرد نہیں جو ان معانی کو نہ جانتا ہو......''اختلاف''ایک ایسا لفظ ہے جو''تضاد''اور''تضایف''دونوں کو متضمن ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اختلاف کو سمجھنے کے لئے اس کے مدِمقابل لفظ''اتحاد''کو بھی پیشِ

نظر رکھنا پڑے گا اسے پیشِ نظر رکھے بغیر'اختلاف' کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔۔

اختلاف تضاد وتضایف کے تناظر میں۔۔۔۔

اختلاف واتحاد یہ دو ایسے الفاظ ہیں جو آپس میں ''متضاد'' و''متضایف'' بھی ہیں یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں کے مفہوم کو سمجھنا ایک دوسرے پر موقوف ہے۔اس کا ''مصداق،، بھی کچھ اسی طرح کی نوعیت رکھتا ہے۔یہ بات سب کو معلوم ہے جہاں ''اختلاف'' ہوگا وہیں اتحاد کی بات کی جاتی ہے اور جہاں اتحاد کی بہاریں ہوتی ہیں۔وہیں ،اختلاف، کا تصور بھی اُبھرتا ہے۔اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اختلاف،اتحاد میں بدل جانے اور اتحاد،اختلاف میں بدل جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسانی زندگی میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔کہیں اختلاف کے سبب انسانی زندگی میں آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور کہیں اتحاد کی وجہ سے قوس وقزح کی رنگینیاں جنم لیتی ہیں......لہٰذا کوئی بھی انسان نہ ''اختلاف'' سے مونھ موڑ سکتا ہے اور نہ ہی کلی طور پر ''اتحاد'' کے سبب اپنی زندگی میں ''شہرِ ارم'' جیسی دلکشی اور جاذبیت لا سکتا ہے۔موسم کی خوشگواری دونوں میں ہے'' اختلاف''میں بھی اور''اتحاد''میں بھی۔اس سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں کہ نہ ہم کلی طور پر''اختلاف'' کو مذموم تصور کر سکتے ہیں اور نہ ہی ''کلی طور'' پر''اتحاد'' کو گلے لگا سکتے ہیں ۔ہاں جہاں''اختلاف'' کی ضرورت پیش آئے وہاں''اختلاف''ضروری ہوگا اور جس مقام پر''اتحاد'' کی ضرورت ہو وہاں اتحاد ہی جاذبِ نظر دکھائی پڑتا ہے۔کہاں''اختلاف'' ہونا چاہئے؟اور کہاں نہیں ہونا چاہئے یہ انسانی ''فکر و دانش'' پر منحصر ہے۔اس کے ساتھ ساتھ'' شرعی تقاضے'' بھی اس معاملہ میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں اسی لئے اپنی فکر و دانش سے کہیں زیادہ اس معاملہ میں ''شرعی تقاضوں'' کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

خلاف کا جمالیاتی تصور۔۔۔''اختلاف'' کو ہر اعتبار سے برا تصور کرنا نہ صرف برا ہے بلکہ ایک زبردست خطا ہے۔''اختلاف'' کا ایک وہ تصور بھی ہے جس سے دلوں کو سرور اور

آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے اور قلب وروح میں تازگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور فکر ونظر میں بہار آجاتی ہے۔''اختلاف'' کا یہ تصور ہر دور میں رہا ہے۔ایسا نہیں کہ یہ،، جمالیاتی تصور،، صرف اسی دور کی خصوصیت ہے جو''صاحب فکر ونظر'' ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں ذیل میں جمالیاتی تصور کے کچھ نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔

(الف)۔اسلام نے عرب میں پوجے جانے والے تمام معبودان باطل سے'' اختلاف'' کیا اور ایمان والوں کو یہ بنیادی''عقیدہ'' دیا،، لا الٰہ الا اللہ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ذرا دیکھئے تو سہی کہ تمام باطل معبودوں سے''اختلاف'' کا یہ تصور کس قدر جمالیاتی ہے اور کس قدر دل کش،جاذبِ نظر'' ہے کہ اس سے عشق وایمان،قلب وروح کو تازگی اور سکوں میسر ہوتا ہے۔دنیا کا کوئی بھی دانشور اس''اختلاف'' سے نظریں نہیں چرا سکتا ہے۔۔

(ب)۔اسلام نے تمام''باطل فرقوں'' سے پرہیز کا حکم دیا کہ ان سے دوری بنائے رکھو اور انہیں اپنوں سے دور رکھو کہ اسی میں جماعت اور فرد دونوں کی بھلائی مضمر ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''**فایاکم و ایاھم لایضلونکم و لایفتنونکم** یعنی تم ان سے بچو اور خود سے انہیں دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں......ہم پوچھنا چاہتے ہیں یہ''اختلاف'' کیسا ہے؟موت یا عین حیات؟

ظاہر ہے۔یہ موت نہیں،عین حیات ہے!اس سے ایمان میں تازگی اور عشق ووفا میں طراوت پیدا ہوتی ہے۔اس کے برعکس ان سے دوستی کرنے،مصالحت سے پیش آنے اور ان کے ساتھ راہ ورسم رکھنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔نقصان ہی نقصان ہے۔اس کا ادنیٰ نقصان یہ ہے کہ دلوں سے محبت اور عشق ووفا رفتہ رفتہ کم ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان کو اس کا شعور تک نہیں ہو پاتا کہ کیا ہو رہا ہے۔جب پورے طور پر لوٹیا ڈوب جاتی ہے تب کہیں جاکر احساس ہوتا ہے۔اس وقت تک اہل اہواء وہوس کا مہلک زہر جسم کے ہر ایک رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور مداوا کی کوئی صورت نہیں نکل پاتی۔اس کے بعد وہ انسان

صم بکم عمی فھم لا یرجعون کا مصداق بن جاجا تا ہے، رشد وہدایت کی طرف اس کا لوٹ آنا مشکل ہو جا تا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ''اختلاف'' کے اس،، جمالیاتی تصور،، کوکسی بھی حال میں دھندلا نہ ہونے دیا جائے یہی شریعت کا تقاضا ہے اور وقت کی رفتار بھی...... ہمارے اسلاف نے اسی،، جمالیاتی تصور،، کو برقرار رکھنے کے لئے نہ جانے کیا کیا جتن کئے؟ اور کیسی کیسی کوششیں کیں؟ ہر ستم کو گوارہ کرلیا اور ضرورت پڑی تو دارورسن کو بھی بسر وچشم قبول کرلیا مگر اس کے چمکتے دمکتے معیار کو گرد آلودنہ ہونے دیا،، جمالیاتی تصور،، کے یہ معیارات کتنے اچھے اور بھلے لگتے ہیں؟ انہیں دیکھئے اور آنکھوں میں نور بھریئے۔

۱۔۔**ما انا علیہ واصحابی**
۲۔۔اشعری وماتریدی افکار ونظریات
۳۔۔حضرت ابوبکر وحضرت عمر فاروق کی فضیلت
۴۔۔حضرت عثمان وحضرت علی سے محبت
۵۔۔موزوں پر مسح کے جائز ہونے کا اعتقاد
۶۔۔امام اعظم سے محبت
۷۔''۔ائمہ اربعہ''میں سے کسی ایک کی تقلید
۷۔۔مسلک اعلیٰ حضرت کے مطابق اطاعت وعبادت اور معاملات

ان میں سے کوئی ، معیار، ایسا نہیں جس سے ''اختلاف'' کے جمالیاتی تصور کی نمود نہ ہوتی ہو اسلئے عشق کے دیوانوں کو اسے سینے سے لگائے رکھنا چاہئے اور اس کی صیانت کے لئے اپنی طاقت بھر کوشش کرنی چاہئے۔ یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ کار رہا ہے ۔۔

اختلاف کی معنویت۔۔

جس ''اختلاف'' کی بات چل رہی ہے۔آپ اسے کسی بھی نوع سے مذموم نہیں کہہ

سکتے ہیں۔ بلکہ اسے ہر دانشور نے اور ہر دور کے ارباب فکر نے سراہا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ یہ ''اختلاف'' ''اختلاف محمود'' ہے اس میں کیا خوبی ہے کیا معنویت ہے؟ اس کا اندازہ صاحب بصیرت کو ہو چکا ہے۔اس طرح کا ''اختلاف'' جماعت کے اندر بھی ہوا کرتا ہے۔ جسے ہم،، جماعتی اختلاف،، بھی کہہ سکتے ہیں اس سے پہلے جس اختلاف کا تذکرہ کیا گیا وہ ''کل جماعتی ''اختلاف تھا وہ عینِ حیات تھا اور یہ باعثِ رحمت ہے۔ جیسے صحابۂ کرام کا اختلاف۔۔ چاروں اماموں کا ''اختلاف''۔۔اشعری اور ماتریدی کا اختلاف۔اسی طرح اس امت کے علماء عظام کا ''نظریاتی اختلاف'' وغیرہ۔اسی اختلاف'' کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے۔سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا''**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم**'' میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ان میں سے جن کی تم اقتدا کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا؟ کہ یہ اختلاف باعث رشد وہدایت ہے۔؟
ہاں ہاں! ثابت ہوتا ہے اور ضرور ثابت ہوتا ہے!

ذیل میں کچھ اور شواہد پیش کئے جارہے ہیں۔۔**وقال القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنھم''کان اختلاف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للناس الخ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف لوگوں کیلئے رحمت ہے۔صحابہ اگر اختلاف نہ کرتے تو ہمارے لئے، رخصت، نہ ہوتی۔ یہ اختلاف ہر دور میں رہا ہے کہ اس سے بہت سے فائدے حاصل ہوئے ہیں۔مثلاً

۱۔۔یہ ''اختلاف'' علم وفن فکر وشعور میں اضافہ کرتا ہے
۲۔۔یہ ''اختلاف'' تحقیق وتدقیق اور تتبع وتلاش کو بڑھاوا دیتا ہے
۳۔۔یہ ''اختلاف'' فکر وتنقید کے رجحانات وامکانات کو وسیع کرتا ہے
۴۔۔یہ ''اختلاف'' علمی سرمائے کو فروغ دیتا ہے اور معلومات کو بڑھاتا ہے
۵۔۔یہ ''اختلاف'' ذہن وفکر میں انجلائی کیفیت پیدا کرتا ہے

۶۔۔ یہ ''اختلاف'' تنقیدی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے

۷۔۔ یہ اختلاف اصول وقواعد کی تدوین میں مددگار ثابت ہوتا ہے

۸۔۔ یہ ''اختلاف بہت سے نئے مسائل کا حل پیش کرتا ہے

۹۔۔ یہ ''اختلاف انسان کے اندر، ترجیحی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے

۱۰۔۔ یہ ''اختلاف علم کو مختلف شاخوں میں بانٹتا ہے

۱۱۔۔ اسی ''اختلاف'' نے ''علم اصول'' ''علم فقہ'' ''علم اصول حدیث'' اور ''علم جرح وتعدیل'' سے ملت کو آشنا کیا۔۔

یہ وہ فوائد ہیں جنہیں ہم ''چمکتے موتی'' ''دمکتے تارے'' اور ''انمول جواہر پارے'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ شاہکار ہیں جن کی تابانیاں آج بھی علمی شبستانوں میں نظر آتی ہیں اور ان کی خوشبوؤں سے قوم وملت کے افراد کی مشام جاں معطر ہوتی ہے۔ جہاں جایئے۔ جدھر قدم رکھئے۔ اس کی بوئے عنبریں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بھلا اس ''اختلاف'' کو برا کہیں تو کس بنیاد پر کہیں؟ یہ جواز نہ ہمیں حاصل ہے اور نہ ہی ملت کے کسی فرد کو حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس اختلاف کو، خالصاً لوجہ اللہ، انجام دیا جائے اور ''مشیت ایزدی'' پیش نظر رکھی جائے۔ قطعی ایسا نہ ہو کہ اس ''اختلاف'' سے ہم اپنی شخصیت کو اجاگر کریں اور اپنے وقار کو بڑھاوا دینے کے لئے انجام دیں۔ جہاں یہ صورت پیدا ہوتی ہے وہیں شخصیت مجروح ہوجاتی ہے اور علمی وقار خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ قوم وملت نے بڑے بڑوں کو گرتے اور چھوٹوں کو ابھرتے دیکھا ہے۔

س لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی بات کرنے سے پہلے انسان کو اپنے نفس کا محاسبہ کر لینا چاہئے اور یہ سوچ لینا چاہئے کہ ہم جس راہ چل رہے ہیں اس کا انجام کیا ہو گا؟۔ اس میں فرد وملت کی خیر وفلاح ہے یا نہیں ہے؟ ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہئے اس کے بعد ہی گلستان فکر وتنقید کا ارادہ کرنا چاہئے۔

اختلاف وہ جو سب کو بے چین کر دے۔۔۔

اب تک'' اختلاف'' کے اچھے خوشگوار اثرات کی بات چل رہی تھی۔ مگر اب ہم ''اختلاف'' کے ان پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اختلاف کا تقدس پائمال ہوجاتا ہے۔ اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ جمعیت اور شیرازہ بندی نظر بد کی نذر ہوجاتی ہے اور ملت مختلف خانوں میں بٹ جاتی ہے۔ اسے آپ،، سم قاتل،، کہیں یا زہر ہلاہل؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ یہی وہ اختلاف ہے جسے ہم'' اختلافِ مذموم'' سے تعبیر کرتے ہیں یہ کس قدر خطرناک ہے......درج ذیل عبارت سے آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اما الدلائل الخارجية فمنها قوله سبحانه تعالىٰ (ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم) (الانفال:٤٦) فهٰذه الاٰية الكريمة ترشد المسلم الىٰ ان النزاع يذهب المكانة ويضعضع صفوف الجماعة و فى الاٰية تشنيع علىٰ الخلاف المذموم الذى لا يئودى الىٰ خيرِ،، ما لم يحتمله القياس (البدعة الحسنة ص ١٢)

یعنی دلائل خارجیہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے جس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کروگے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہیگی، کنزالایمان: یہ ایت کریمہ مسلمانوں کی اس بات میں رہنمائی کررہی ہے کہ اختلاف اور نزاع عزت اور رتبے کو ختم کردیتا ہے اور جماعت کی شیرازہ بندی کو ز میں دوز کردیتا ہے۔ اسی طرح اس ایت میں ''اختلاف مذموم'' کی مذمت کی گئی ہے جس میں کسی طرح کی کوئی بھلائی نہیں ہوتی یعنی یہ وہ اختلاف ہے جو خلاف عقل وقیاس ہے: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا اختلاف کون سا اختلاف ہے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟ ذیل میں اس کے ''اسباب وعوامل'' بیان کئے جارہے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ'' مذموم اختلاف' کیا ہے۔؟ اختلاف مذموم کی وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اب ہمارے ہندوستان میں بھی

اوروں کے دیکھا دیکھی جدیدیت کی کچھ ایسی ظلمتیں چھا گئیں ہیں کہ اچھے اور برے معیار کی شناخت ہی ہمارے درمیاں سے اُٹھ چکی ہیں......اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے

اسباب وعوامل۔۔

الف۔۔ایسا اختلاف جو جماعتی مزاج وسرشت سے متصادم ہو

ب۔۔ایسا اختلاف جو اسلاف کے اصول ونظریات کا مخالف ہو

ج۔۔ایسا اختلاف جو جماعتی تشخص کو مٹا دے

د۔۔ایسا اختلاف جو جماعتی علامتوں سے متصادم ہو

س۔۔ایسا اختلاف جو کل جماعتی فرقوں کو تقویت دے

ص۔۔ایسا اختلاف جو جماعت کو اندر سے مضمحل کر دے

ف۔۔ایسا اختلاف جو جذبۂ انحراف کو فروغ دے

ق۔۔ایسا اختلاف جو ضد اور انانیت پر مبنی ہو

ن۔۔ایسا اختلاف جو عقل وقیاس کے متضاد ہو

و۔۔ایسا اختلاف جو کسی بھی قاعدہ کے تحت نہ آئے

یہ وہ اسباب وعوامل ہیں جن کی وجہ سے اختلاف ،مذموم اختلاف، کی صورت میں نمایاں ہورہا ہے۔اس طرح کے اختلاف میں کسی طرح کی کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہے اور نہ اس میں خیر وفلاح کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے۔کسی بھی دانشور کو اس طرح کے اختلاف سے بہر حال بچنا چاہئے کہ اس سے نہ صرف افکار ونظریات ہی انگشت نمائی کے لائق ہوتے ہیں بلکہ شخصیات بھی مجروح ہو جاتی ہیں۔ان اسباب وعوامل کے پیش کرنے کے بعد ذرا ان اختلافات پر گہری نظر ڈالیں جن کی وجہ سے، جماعت اہلسنت ، میں انارکی پھیل چکی ہے اور اس جماعت کا ہر ایک فرد اپنے آپ کو نہ معلوم کیا کیا سمجھ رہا ہے؟ کوئی نواب ہے تو کوئی راجہ ہے۔اپنے سے بڑا کسی کو سمجھتا ہی نہیں ہے۔ہاں! وہ صرف اپنے نظریات کا دوسروں کو غلام

بنانا چاہتا ہے۔

یہ باتیں تلخ ضرور ہیں مگر کام کی ہیں۔ہم نے اپنے دل کے جذبات آپ کے روبرو پیش کر دیئے۔خواہ آپ ان جذبات کو مناسب قرار دیں یا غیر مناسب؟ یہ آپ کا اپنا اختیار ہے اس میں دخل اندازی کا ہمیں کوئی حق نہیں

جماعتی مزاج۔

’’اختلافِ مذموم‘‘ کے اسباب میں سب سے پہلا سبب’’جماعتی مزاج‘‘ سے متصادم ہونا ہے۔کسی بھی اختلافِ رائے سے پہلے’’جماعتی مزاج‘‘ کا جاننا ضروری ہے۔اس کو جاننے کے لئے ہر ایک شخص کو چاہئے۔اپنی ،ضد انانیت اور مشربی زعم وتعصب، سے اوپر اٹھے اور فردیت کے بجائے صرف اور صرف جماعت کے بارے میں سوچے۔مگر مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسا نہیں ہو پا رہا ہے۔جسے دیکھئے وہ مشربی زعم کا شکار ہے اور اپنی انانیت کے خول سے باہر آنا ہی نہیں چاہتا ہے۔یہی وجہ ہے۔بہت سے اختلافات’’جماعتی مزاج‘‘ سے متصادم ہورہے ہیں۔یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کون سا’’اختلاف‘‘ ہے ؟جو’’جماعتی مزاج‘‘ سے متصادم ہورہا ہے!......اہل علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں

اسلاف کے نظریات سے اختلاف۔

یہ دوسرا سبب ہے جس کی وجہ سے،،اختلاف،، مذمت کے دائرہ میں آجاتا ہے۔کسی بھی انسان کو چاہئے۔اپنے اسلاف کے تعلق سے اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اسلاف کے افکار ونظریات ہی حق اور درست ہیں۔انہوں نے جو فرمایا وہی صحیح ہے۔ان افکار کو آپ وسعت تو دے سکتے ہیں مگر اسکے خلاف چلنے میں زبردست خطرہ ہے۔اس لئے کسی بھی نظریہ کی تشکیل سے پہلے اس بات کو ضرور دھیان میں رکھنا چاہئے......جن لوگوں کی سوچ اس طرح کی نہیں ہوتی ہے۔یقینی طور پر ایسوں کا نظریہ اسلاف کے نظریوں سے متصادم ہوجاتا ہے اور پھر جمعیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔جیسا کہ آپ لوگوں نے مشاہدہ کرلیا ہوگا۔ابھی

حال ہی میں ،ٹائی، کے تعلق سے، جواز، کا نظریہ سامنے آیا۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف نے ،ٹائی، کے استعمال کو کفر بتایا، یا حرام فرمایا کیونکہ یہ عیسائیوں کا مذہبی شعار ہے۔مگر اس کے جواز کے تعلق سے جو تحقیقات پیش کی گئیں ان میں لفظ ٹائی مصدر کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اور جسے کفر یا حرام کہا گیا وہ مصدر کے معنی میں نہیں بلکہ اسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔۔ کیا اس غلطی کا انہیں احساس نہیں ہوا۔؟ ہاں! ہوا ہوگا، اور ضرور ہوا ہوگا...... البتہ اپنے موقف سے رجوع کرنے کے بجائے انہوں نے اسلاف کے خلاف راہ چلنے میں اپنی سلامتی محسوس کی۔ بتایئے اس اختلاف کو کیا کہا جائے؟ مذموم یا محمود۔! یہ فیصلہ آپ کو لینا ہے۔ اس تحریر کا مقصد صرف توجہ دلانا ہے۔ فیصلہ لینا نہیں۔ یہ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں نہایت ہی دیانت داری سے سوچیں اور فیصلہ کریں۔

جماعتی تشخص۔۔

کسی بھی نظریہ کی تشکیل سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہماری جماعت کا تشخص کیا ہے اور یہ نظریہ اس تشخص کے خلاف تو نہیں جارہا ہے اگر اس کے خلاف جارہا ہے تو فوری طور پر اسے وہیں چھوڑ دینا چاہئے جہاں سے اس کی شروعات ہوئی تھی کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں یہ اختلاف ’’اختلاف مذموم‘‘ بن کر رہ جائیگا کہ اگر تشخص ہی ختم ہوگیا تو پھر نہ جمعیت ہی رہے گی اور نہ فردیت کا وقار برقرار رہے گا۔ تمام باطل فرقوں سے اہل سنت کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایسا ہے جو اتحاد کی صورت میں تبدیل نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان تمام فرقوں سے ہمارے اسلاف نے ،انقطاع کلی، کا حکم دیا اور یہی ہماری جماعت کا تشخص ہے ۔مگر عالمی پیمانے پر کچھ ایسی جماعت ابھری جو عملی طور پر اس تشخص کو مٹانے پر کمر بستہ ہے اور نظریاتی طور پر بھی اس طرح کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔۔

دور حاضر کا تشخص یہ ہے کہ جو مدارس سے سند یافتہ ہوتا ہے اسی کو عالم کہا جاتا ہے جس طرح سے، ڈاکٹر، اسی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس، پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند ہو اس بنیاد پر اگر

یہ کہا جائے کہ عالم وہ ہے جو’’سند یافتہ‘‘ ہو تو یہ کوئی غلط بات نہ ہوگی۔ بلکہ یہی ضابطہ اور کلیہ ہے یہ اور بات ہے اس سند کو عالم کے لئے ،،موقوف علیہ تام،، قرار نہ دیا جائے مگر ،،موقوف علیہ،، قرار دینے میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں نہ شرعاً، نہ عقلاً، اور نہ ہی عادۃً۔۔ جب سند ،،موقوف علیہ،، ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عالم ہونے کے لئے سند یافتہ ہونا ضروری ہے اور علم کی سند مدارس ہی سے ملا کرتی ہے کہیں اور سے نہیں۔ اور اگر کوئی مدارس کے علاوہ کہیں اور سے اس کی سند تلاش کرتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ریت کے ڈھیر میں،،سونے،، کے ذرات ڈھونڈ رہا ہو جن لوگوں نے اس مسئلہ کے تحت اپنی آرا کا اظہار کیا...... انہوں نے ،،جماعتی تشخص اور جمہوریت،، کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جس کی وجہ سے یہ اختلاف،، اختلافِ مذموم،، کے زمرے میں شامل ہوتا دکھائی دے رہا ہے کہ اس سے ان طلباء کی دل شکنی ہو رہی ہے جو مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں، شب و روز محنت کر رہے ہیں، مدرسوں کو نظر انداز کرنے کی صورت میں ان اساتذہ کے حوصلے بھی ٹوٹ رہے ہیں جو ٹوٹی پھوٹی چٹائی پر بیٹھ کر، علمی موشگافیوں، میں انہماک رکھتے ہیں۔

حضور والا! اگر فیضان و برکت کا سمندر اسی طرح بہتا رہا تو ہر ایک فرد عالم بن جائے گا اور مبلغ بھی۔ پھر تو یہ حال ہوگا کہ نہ کوئی پڑھنے والا ملے گا اور نہ ہی کوئی ایسا ملے گا جس کے سامنے تبلیغ کی جائے۔ اس طرح تبلیغ کی راہ خود بخود مسدود ہوجائیگی

جماعتی علامتوں کا پاس ولحاظ

یہ بات ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں: ہر شخص پر لازم ہے کہ ہر حال میں اہل سنت کی علامتوں کا پاس ولحاظ کرے کسی بھی نظریہ میں ان علامتوں سے تصادم کی کیفیت کا پایا جانا،، اختلاف مذموم،، کا پتہ دیتا ہے۔ ماضی قریب میں اس طرح کے بہت سے حادثات ہوچکے ہیں۔ اہل سنت کی علامتوں میں ،مسلک اعلیٰ حضرت، بھی ایک علامت ہے۔ اس کے خلاف کیا کچھ نہیں لکھا گیا۔؟ پورے ہندوستان میں اس،، اختلاف مذموم،، کی زور و شور کے ساتھ

اشاعت کی گئی جس سے جماعت میں ایک کہرام مچ گیا اور پوری شیرازہ بندی سوکھے پتوں کی مانند بکھر کر رہ گئی۔ایسی کوشش جوفرد اور ملت دونوں کے لئے نقصان دہ ہو۔کسی ، بدعت سیئہ ، سے کم نہیں اور ایسی کوششوں کا جواب دینا واجبات میں آتا ہے۔اس لئے اس کا جواب دیا گیا۔اس سلسلے میں جس قدر مقالے معرض تحریر میں آئے۔وہ سب زرین مقالے ہیں جو زرافشاں اور درافشاں ہیں......ان مقالوں کا اک اک لفظ علامتوں کی صیانت میں لکھا گیا ہے اور بہت سی خوبیوں کا پیکر بن کر اپنی جلوہ سامانیوں اور تابانیوں سے قلب وذہن کو روشن کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا

کل جماعتی فرقوں کو تقویت دینا۔۔۔

ماضی قریب میں جماعت اہل سنت میں جس طرح کے اختلافات پیدا ہوئے ان سے مختلف قسم کے نقصانات ہوئے جو ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

اولاً۔۔اس سے نقصان جماعت کے باہر اس طرح ہوا کہ اہلِ سنت کے خلاف ،فرقہ باطلہ ، کے افراد جو اعتراضات کرتے تھے۔اب وہی اعتراضات اندرون جماعت کے لوگ کرنے لگے ہیں۔ظاہر سی بات ہے آواز ان کی ہے اور زبان اِن کی ہے لہٰذا پھل تو انہیں کو ملے گا جن کی آواز ہے۔

ثانیاً۔۔۔اندرون جماعت نقصان یہ ہوا کہ ان اعتراضات کے سبب ہماری جماعت مختلف خانوں میں بٹ چکی ہے۔کچھ اہل علم اِدھر ہیں تو کچھ اُدھر ہیں اور تحریر کے روپ میں دونوں روبرو ہیں۔یہ وہ حادثہ ہے جس کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ گیا تھا کہ ایسا ہوجائے۔۔۔خدا خیر کرے ان ناعاقبت اندیشوں کا جنہوں نے یہ گتھی الجھائی ہے۔

جذبۂ انحراف کا فروغ۔۔۔۔رسالوں کتابچوں کے ذریعہ جو اختلافی تحریریں آپ تک پہونچیں۔اگر آپ گہرائی سے ان تحریروں کا مطالعہ کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ ان تحریروں کا مقصد ہندوستان میں ،جذبۂ انحراف ،کو فروغ دینا ہے اور اکابر علماء کی شخصیات کو

مجروح کرنا ہے۔اسی مقصد کے تحت یکے بعد دیگرے مضامین سپرد قلم کئے جا رہے ہیں۔حالانکہ یہ وہ افراد ہیں جو اختلاف رائے کرنے والوں کے زمرہ میں شامل ہی نہیں پھر بھی اختلاف رائے کیا جا رہا ہے زیادہ تر علماء نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا......اسکے با وجود اپنی رائے پر ڈٹے رہنا اور رجوع کی طرف مائل نہ ہونا،ضد اور انانیت ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف ، مذموم اختلاف ، بن کر رہ گیا اور جماعت کو مضمحل کر گیا۔۔کیا یہ اختلاف سراہنے کے لائق ہے؟نہیں قطعی نہیں!ہر مسلمان کو اس طرح کے اختلاف سے بچنا چاہئے۔ اسی میں فرد اور ملت دونوں کی بھلائی ہے۔اس تفصیلی گفتگو سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اختلاف مذموم کے جو اسباب وعوامل پیش کئے گئے۔حق بجانب ہیں۔نہایت ہی گہرائی سے ان کا مطالعہ کریں۔اختلافات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کون سا اختلاف محمود ہے اور کون سا مذموم ہے؟

اقدامات

اختلافات بہت زیادہ ہوگئے۔اہل سنت کو جو نقصانات ہونے تھے وہ ہو چکے۔اب ضرورت اس بات کی ہے ، یہ اختلافات ختم کئے جائیں اور جماعت کو بکھرنے سے بچایا لیا جائے۔فردیت اور ملت کے مابین تال میل پیدا کیا جائے اس کے لئے ذیل میں چند تجاویز پیش کئے جا رہے ہیں۔

(ا)۔۔اکابر علماء اور مشائخ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور اس کی ترتیب اس طرح دی جائے

الف)مجلسِ اعلیٰ اور اس کے ارکان۔۔

(ب)مجلسِ رابطہ اور اس کے ارکان۔۔

(ج)مجلسِ انتظامیہ اور اس کے ارکان۔۔

ہندوستان کے تمام اہل قلم ،صاحب بصیرت اور باصلاحیت علماء کرام ،،مجلسِ

انتظامیہ،، کے ارکان ہوں گے۔ انہیں میں سے کچھ خاص افراد کو اس مجلس کی ذمہ داری دی جائے۔ ہندوستان میں جس قدر اختلافی مسائل ہیں ان مسائل کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ ان اختلافی مسائل سے کہیں، جماعت، کو، کوئی نقصان تو نہیں ہو رہا ہے اور اگر نقصان ہو رہا ہے تو کس حد تک ہو رہا ہے اس کا تعین کر کے ان خاص افراد کے سپرد کر دیا جائے جن کے کاندھوں پر اس مجلس کی ذمہ داری ہے۔ انہیں،، متعینہ اقدار،، میں امکان کی حد تک رد و بدل کا پورا پورا اختیار ہوگا اس کے بعد وہ اپنی رائے دیکر،، مجلس رابطہ،، کو پوری فائل پیش کر دے۔ مجلس رابطہ کے ارکان مزید غور وخوض کے بعد مع اپنے سفارشات کے،، مجلسِ اعلیٰ،، کو پیش کر دے اس مجلس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو گا۔ اس فیصلہ کے بعد کسی کو رد و بدل کا اختیار نہیں ہوگا۔ جس کی تحریر کے خلاف کاروائی کی جائیگی اس کو صفائی کا پورا پورا موقعہ دیا جائے تا کہ وہ اپنی بات کہہ سکے۔ اختلافی مسائل کے حل کرنے کا ایک خاکہ میرے ذہن میں تھا جسے میں نے پیش کر دیا۔ شائد یہ بھی ممکن ہے جو جذبات میرے دل میں ہیں۔ کسی اور کے دل میں بھی ہوں۔ مگر ہماری جماعت کا یہ شروع ہی سے المیہ رہا ہے۔ تحریکیں ابھرتی ہیں اور پھر چند ثانیے کے بعد پانی کے، بلبلہ، کی مانند دم توڑ دیتی ہیں۔ جس سے یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ ہماری، انتظامی صلاحیت، کسی نامعلوم جگہ روپوش ہو چکی ہے۔ بہر حال کچھ حالات اس طرح کے پیدا ہو چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے ہر ایک فرد کو اپنی اس کھوئی ہوئی صلاحیت کی بازیافت کرنی ہوگی...... کہ پانی سر سے بہت زیادہ اونچا ہو چکا ہے۔ اگر اب بھی ہم لوگ اپنی اپنی خوابگاہوں سے باہر نہ آ سکے تو مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہو جائیگا کہ ہمیں نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہی کہنا پڑے گا

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(د) مصارف کا انتظام۔۔ کسی بھی تحریک اور تنظیم کو چلانے کے لئے سب سے پہلے

،، مصارف،، کا انتظام کرنا پڑتا ہے کہ رقوم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہماری قوم بہت زیادہ بیدار ہے۔ زمیں خشک نہیں زرخیز ہے۔ کوئی محنت تو کرے، اپنا حوصلہ تو آزمائے، کوئی کام کرنے کا ارادہ تو کرے، مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے کہ ارادہ جب پختہ ہوتا ہے تو ارادہ بھنور بھی ساحل کا کام کر جاتا ہے۔ ہماری جماعت کے علماء اور مشائخ جب اپنے اپنے حلقۂ ارادت میں اپنے لئے کام کرتے ہیں۔ تو کیا وہ ملت کے لئے کام نہیں کر سکتے ہیں؟ ضرور کر سکتے ہیں! مگر شرط یہ ہے کہ اصاغر کے ساتھ ساتھ اکابر اور مشائخ کو بھی قربانیاں دینی پڑیں گی اور دونوں کو مل کر کام کرنا پڑے گا ہماری جماعت کا سب سے بڑا اور زبردست المیہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں،، اصاغر نوازی،، کا جذبہ نہیں پایا جاتا ہے کاش اگر ہماری جماعت میں یہ جذبہ پایا جاتا تو ہماری جماعت کی وہ حالت نہ ہوتی جو اس وقت بنی ہوئی ہے اور چھوٹوں کو بھی چاہئے کہ اپنے سے بڑوں کا ادب واحترام بجالائیں۔ ایسا کوئی کام نہ کریں اور ایسی کوئی بات نہ کہیں جس سے اکابر کی شخصیت مجروح ہو اور ان کے تئیں اعتماد و یقیں متزلزل ہو جائے۔ ماضی قریب میں کچھ اسی طرح کے حالات پیدا ہوئے کہ ان کے بال و پر کیا نکلے؟ بڑوں کے سنگھاسن پر براجمان ہونے کی جوڑ توڑ شروع کر دی۔ کہیں اصول ونظریات کی مخالفت اور کہیں شخصیات پر چاند ماری کا سلسلہ شروع ہو گیا دوسرے اسباب وعوامل کے ساتھ جماعت کے کمزور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اس لئے میری استدعا ہے اس تحریر پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور حالات کو قابو میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔۔۔

☆☆☆

اٹھارہواں باب

نظریاتی وعملیاتی اختلافات

نظریاتی اور عملیاتی اختلافات

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مسلک وموقف سے اختلاف کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے جو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے اختلاف کرنے والے حقیقت میں اختلاف کے معنیٰ ومفہوم سے واقف نہیں۔ اختلاف کا معنیٰ ومفہوم کیا ہے؟ اور اختلاف کس سے اور کب کیا جا سکتا ہے؟ اب تک کسی نے اس بات کو جانا نہیں۔ اس کے باوجود کچھ لوگوں کا حال یہ ہے۔ جسے دیکھئے اعلیٰ حضرت سے اختلاف کر رہا ہے۔ یہ اختلاف کبھی نظریاتی طور کیا گیا اور کبھی عملیاتی طور پر..... کبھی اختلاف کی دونوں نوعتیں ایک جگہ جمع ہو گئیں اور کبھی ایسا ہوا عملیاتی اختلاف پایا گیا نظریاتی نہیں اور کبھی قطعی اس کے برعکس ہوا.....

تصویر کشی،، کے بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے وہی موقف اختیار کیا جو ہمارے اسلاف کا رہا ہے کہ تصویر کھینچنا اور کھینچوانا دونوں ناجائز وحرام ہیں۔ سائنس کی ارتقاء کے ساتھ ساتھ تصویر کشی کے عمل میں بھی ارتقاء ہوتی رہی...... اس میں ارتقاء ضرور ہوئی مگر یہ ارتقاء بھی تصویر کشی کے دائرہ میں رہی اس کے دائرہ سے باہر نہیں گئی۔ حالانکہ تصویر کشی کے آلات میں تغیر وتبدل ہوتے رہے۔ اس کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جس

کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ تصویر کشی نہیں ہے سائنس نے کچھ ایسی مشینیں ضرور ایجاد کر دی ہیں جن کی وجہ سے دور ودراز میں ہونے والے پروگرامس براہ راست ریلیز کئے جا رہے ہیں۔ اس کے لئے بھی تصویر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے تصویر کھینچی جاتی ہے اس کے بعد تصویر کی اسکیننگ ہوتی ہے۔ اسکینیگ سے اس مقام پر مراد،، تصویر کے مادی خطوط اور اس میں پائے جانے والے نقطوں کو برقی لہروں میں تبدیل کرنا ہے۔ کہیں یہ عمل شعوری طور پر کیا جاتا ہے اور کسی آلہ میں یہ عمل خودکار صورت میں انجام پاتا ہے۔ خودکار عمل سے مراد،، آٹو میٹک سسٹم،، ہے...... تصویر کشی کا یہ وہ نظریہ ہے جو اسلاف کے ذریعہ امام احمد رضا فاضل بریلوی تک پہونچے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسی نظریہ پر ایک کتاب تحریر فرمائی اور اس کا نام،، عطایا القدیر فی حکم التصویر ،، رکھا۔ اس کتاب میں تصویر کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اہل علم اس بات سے واقف ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی جس موضوع اور جس فن کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس میں خود اسی موضوع کے تعلق سے ایسے،، اصول ونظریات،، بیان کر دیتے ہیں جو اپنوں کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں اور غیروں کے لئے بھی۔ ہمارا امام وہ بادل ہے جو منھ دیکھ کر برستا نہیں ہے۔ اسی لئے دور حاضر میں ان کے علمی ذخائر سے اپنے لوگ بھی استفادہ کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی استفادہ کر رہے ہیں جن لوگوں نے کبھی امام احمد رضا کا نام عزت سے لیا نہیں...... تصویر کی حرمت کا موقف اجماعی ہے تو اس سے جس قدر افعال متعلق ہونگے وہ سبھی افعال اسی حرمت کے دائرہ میں آئیں گے۔ اس مقام پر افعال سے مراد تصویر کا کھینچنا، کھینچوانا، اس کا دیکھنا اور رکھنا مراد ہے۔ اس سے متعلق بعض افعال مراد لئے جائیں اور بعض مراد نہ لیا جائے ...... یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ یہ اختیار کسی صورت میں جائز نہیں......... اس موقف کے خلاف جانے کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔

سب سے پہلے حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ نے اس موقف کے خلاف اپنا ایک اور

موقف اختیار کیا۔اس کے باوجود ان کا یہ موقف کوئی عام موقف نہیں تھا بلکہ تصویر کشی کی بعض صورت تک محدود تھا اور وہ صورت ،،ٹیلیویژن،، ہے۔حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ کا کہنا ہے ٹیلیویژن کا فارمولہ ،،تصویر کشی پر مبنی نہیں بلکہ یہ ،،عکس کشی،، پر مبنی ہے۔حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ اپنے اس موقف میں اکیلے ہیں۔ ہندوستان یا پاکستان کے کسی عالم نے ان کے اس موقف کو پسند نہیں کیا اور جن اہل علم نے ان کے اس موقف کی تائید کی ہے ان کی یہ تائید صرف اور صرف اعتماد اور بروسہ پر مبنی ہے اور ایسا اس لئے ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں،، ٹیلیویژن،، بھی نیا نیا آیا تھا۔ اس کی تھیوری سے بہت ہی کم لوگ واقف تھے حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ کے اس موقف کو صاحب بصیرت افراد نے قبول نہیں کیا۔ان میں سر فہرست حضرت تاج الشریعۃ علامہ مفتی محمد اختر رضا کی ذات ہے اور محقق عصر حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی اور مفتی محمد مطیع الرحمان صاحب مضطر ہیں.حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ نے ٹی وی کے تعلق سے اپنا جو موقف اختیار کیا۔کیا اس اختلاف کو مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف کہا جا سکتا ہے؟نہیں ہرگز نہیں!اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی تصویر کشی حرام ہے...
اس وقت میں نے بھی اس مسئلہ پر اپنی رائے پیش کی تھی جو اس طرح ہے......

ویڈیو کیمرے،ٹیلیویژن سائنس کی نئی ایجادات سے ہیں۔ ہر صاحبِ فکر ونظر پر روشن ہے کہ اس سے سماجی اور معاشرتی زندگی میں کیا کیا مضر اثرات پیدا ہوتے ہیں۔جس گھر میں ٹیلی ویژن لگا ہے۔ اس گھر کے بڑے بوڑھے بچے جوان تہذیب وتمدن ،شرم وحیا سے کورے ہوتے جارہے ہیں ۔ ہر بڑے چھوٹے مل کر فحش اور عریاں تصویریں دیکھ رہے ہیں۔غیرت وحمیت سے کھوکھلی،شرافت ودیانت سے عاری اور بازاری عورتوں کی اداؤں کو دیکھ دیکھ کر بڑوں کے سامنے بچے اور بچوں کے سامنے بڑے ٹھٹھا مار کر ہنستے ہیں۔عورتیں بھی اس میدان میں پیش پیش ہی نہیں بلکہ مردوں سے دس قدم آگے نظر آرہی ہیں ۔ یہ گھر گویا ،،سنیما ہال،، ہے ۔فرق صرف اتنا ہے ۔وہاں پردا بڑا ہوتا ہے اور یہاں چھوٹا ہوتا ہے ۔ اس

سے سماجی زندگی اور نئی نسلوں میں کیا کیا برائیاں پھیل رہی ہیں؟اگر اس کا شمار کیا جائے تو ایک فہرست تیار ہو جائیگی۔مگر اندیشۂ طوالت کے سبب یہ برائیاں مختصر انداز میں پیش کی جا رہی ہیں تا کہ ٹیوی دیکھنے والے اپنے گریباں میں منھ ڈال کر اپنی زندگی کا محاسبہ کر سکیں اور اس شیطانی فعل سے خود کو بچا سکیں۔۔

برائیوں کی تفصیل

(۱)نغمہ وموسیقیت کا فروغ وارتقاء
(۲)فسق وفجور اور گناہوں کا بڑھاوا
(۳)عریانیت،فحاشی،اور عیاشیوں میں زبردست اضافہ
(۴)جنسی محبت کا اظہار واعلان
(۵)محرکِ جذبات مناظر ومشاہدات
(۶)شرم وحیا سوز پروگرامس
(۷)ظلم وتشدد اور جرائم کی تشہیر
(۸)عاداتِ قبیحہ کو پختہ کرنے والے تأثرات
(۹)جارحیت کو خوبی کے طور پر قبول کرنے کی ترغیب
(۱۰)ذہنی ارتقاء میں رخنہ اندازی
(۱۱)وقت کی بربادی
(۱۲)فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ ۔وغیرہ وغیرہ

یہ وہ برائیاں ہیں جن کی قباحت پر سبھی لوگوں کو اتفاق ہے۔ یہ بات بھی روزِ روشن کی مانند ہے جس گھر میں ٹی وی ہوتی ہے۔ بچے بوڑھے،مرد وعورت، بڑے چھوٹے سبھی اسکے خوگر ہو جاتے ہیں۔اس کا چسکا اس قدر شدید ہوتا ہے کہ بغیر اس کو دیکھے قرار ہی نہیں ملتا جیسا کہ ایک صاحب نے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے کہا،،اگر میرے گھر کی عورتیں اور

بچے ٹی وی نہ دیکھیں گے تو بے حیا اور بے شرم ہو جائیں گے۔ اگر ٹی وی گھر میں نہ ملے گی تو دوسروں کے گھر دیکھنے کو جائیں گے جس سے بے پردگی ہوگی۔ اسی بے پردگی سے بچنے کے لئے گھر میں ٹیوی رکھنا پڑا۔ تاکہ افراد خانہ بے پردہ نہ ہوں۔ کیا یہ تأثر حقیقت پر مبنی ہے ؟۔ اس کا فیصلہ میں اپنے ہوش مند قارئین پر چھوڑتا ہوں۔،، ٹیلیویژن،، کے ان مضر اثرات کو پیش کرنے کے بعد ہر دانشمند اور باشعور طبقہ سے میرا ایک سوال ہے۔ کیا اسلام گھر میں ،ٹی وی، رکھنے کی اجازت دیتا ہے؟ اور اسلام اس کے استعمال کی اجازت دیتا ہے؟ جس سے معاشرہ میں گندگیاں پھیلیں، عدل وانصاف اور شرافت ودیانت کی رو سے اس کا جواب یہی ہوگا! نہیں ہرگز نہیں...... اگر یہ کہا جائے کہ ٹی وی کے پردے پر جہاں، فلم، آتی ہے وہیں اچھے اور نصیحت آمیز پروگرامس بھی آتے ہیں۔ جلسہ وجلوس، فریضۂ حج، طوافِ کعبہ، رمئ جمار، صفا ومروہ کے مابین سعی وغیرہ کے مناظر بھی دکھائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان پروگراموں سے لوگوں کے دلوں میں،، نیک عمل،، کرنے کے جذبات بیدار ہو جائیں اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت کے سوتے پھوٹ پڑیں۔ ہم کہیں گے۔ اس کے جواب میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ صرف خام خیالی ہے...... اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان لوگوں سے کیا ایسی امید کی جاسکتی ہے۔ جن کا مقصد صرف اور صرف ،، حسن پرستی اور تعیش پسندی،، ہو۔ ایسے لوگ صرف فحش گیتوں اور عریاں نغموں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ایسے ماحول میں اگر ٹی وی دیکھنے کو جائز قرار دے دیا جائے تو لوگ ناچ گانے دیکھنے سننے کے لئے جواز پیش کرنے لگیں گے اور پھر ہر طرف فحش نغمے ہی الاپے جائیں گے۔ خدارا! مسلمانوں کو ان گناہوں میں ملوث ہونے سے بچایئے۔ آج علماء کے درمیان، ویڈیو، ٹیلیویژن، کے جواز وعدمِ جواز پر، بحث ومباحثہ کا بازار گرم ہے کسی کا قلم کچھ لکھ رہا ہے اور کسی کا کچھ۔۔ اس بارے میں چند اصولی باتیں پیش کی جارہی ہیں

اولاً۔ عرض ہے اس اختلاف کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب بیرونِ ملک سے کوئی سوال

آیا تھا اصولی طور پر ''مرکزی دارالافتاء'' سے رجوع کیا جاتا۔ یا۔ پھر تمام علماء اہلسنت کی ایک میٹنگ بلائی جاتی اور اس میں یہ سوالات پیش کر دیئے جاتے جس پہلو پر اتفاق رائے ہو جاتا فتویٰ دے دیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ آخر کیوں؟

ثانیاً۔ عرض ہے۔ چلئے جواز کا فتویٰ دیدیا گیا مگر ٹیوی کے یہ مضر اثرات جو سماج و معاشرہ میں ابھر رہے ہیں۔ انہیں روکنے کے لئے کسی کے پاس کوئی تدبیر ہے؟

ثالثاً۔ عرض ہے۔ ان مضر اثرات کا ٹی وی کی، حلت وحرمت، سے کوئی تعلق ہے یا نہیں ہے؟

رابعاً۔ عرض ہے اس کے جواز سے عوام پر کیا اثر پڑے گا جب کہ، مرکزِ اہلسنت سے اس کے ناجائز ہونے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ نیز فرقۂ باطلہ کے لوگ بھی اس کے ناجائز ہونے کا حکم صادر کر چکے ہیں۔ اسکے تعلق سے ان کی طرف سے کتابچے بھی شائع ہو چکے ہیں

خامساً۔ عرض ہے جب ہر انسان ٹی وی کے آئینہ میں اترنے والی تصویر کو حقیقت میں، تصویر اور اس عمل کو، تصویر سازی، تصور کرتا ہے تو بات پہلے سے واضح تھی۔ بحث کو اتنی گہرائی میں لیجانے کی کیا ضرورت تھی؟

سادساً۔ عرض ہے اگر بحث کو اتنی ہی گہرائی میں لیجانا ہی مقصود تھا تو کم از کم، تصویر اور تصویر سازی، کی ''مالہ اور ماعلیہ'' سے اس کی وضاحت کر دی جاتی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ بہرحال...... مضٰی ما مضٰی، آمدم برسرِ مطلب کے تحت عرض ہے ''ٹی وی'' کے پردے پر جو، شبیہ، اُبھرتی ہے وہ تصویر ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے تصویر کی تعریف پیش کی جارہی ہے

تصویر کی تعریف اور اس کی قسمیں

کسی بھی سطح پر تکنیکی یا عملِ دستکاری کے ذریعہ ابھرنے والی وہ، شبیہ، جو کسی کی، حکایت صوری کرے ''تصویر'' کہلاتی ہے اور آنے والی روشنی کے راستے میں کسی غیر شفاف، مادہ، کے آنے سے جو، سایہ، بنتا ہے وہ عکس، کہلاتا ہے اور اسی کو، پرچھائیں، بھی کہتے

ہیں ذیل میں تصویر کی قسمیں بیان کی جارہی ہیں

تصویر کی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی (۲) فرضی

اصلی ۔۔ وہ تصویر ہے جو کسی سطح پر بنائی جاتی ہے جیسے کاغذ، کپڑے پر کوئی تصویر بنائی جائے اسکرین پر جو تصویریں بنتی ہیں وہ بھی اصلی تصاویر ہیں

فرضی ۔۔ وہ تصاویر ہیں جو کسی سطح پر نہیں بنتی ہیں جیسے پانی یا آئینہ میں نظر آنے والی تصویریں پھر اصلی کی تین قسمیں ہیں (۱) ترسیمی (۲) انطباعی (۳) ارتسامی

ترسیمی ۔۔ وہ تصاویر ہیں جو قلم، برش کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں یا پھر کسی چیز سے کندہ کی جاتی ہیں۔

انطباعی ۔۔ وہ تصاویر ہوتی ہیں جو مہر یا پریس سے کسی سطح پر بنتی ہیں

ارتسامی ۔۔ وہ تصاویر ہوتی ہیں جو فلمی ریلوں میں ہوتی ہیں یا کیمرے کے ذریعہ اتاری جاتی ہیں۔ پردۂ فلم یا ویڈیو کی اسکرین پر جو تصویریں نظر آتی ہیں، ارتسامی، کہلاتی ہیں۔

اس تفصیلی بیان سے واضح ہوگیا کہ، ٹی وی، ویڈیو، اور وی سی آر کی تصویریں بھی، اصلی، ہیں اور ارتسامی بھی ہیں۔ اصلی یوں ہیں کہ یہ تصاویر سطح پر بنائی جاتی ہیں اور ارتسامی اس لئے ہیں کہ کرنوں سے بنتی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ، کرنوں، یا دوسرے وسائل سے جو تصویریں بنائی جاتی ہیں یہ ''تصویر سازی'' کا عمل ہے جو شریعت میں حرام اشد حرام ہے حدیث پاک ہے۔۔۔

عن عبداللہ بن مسعودٍ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشدالناس عذاباً عنداللہ'' المصورون''

متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف.. ص ۳۸۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب والے

''تصاویر'' بنانے والے ہیں۔

ٹی وی، ویڈیو کی تصویروں کو عام آئینوں کی تصویروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ، قیاس، ''قیاس مع الفارق'' ہوگا اور بہت سی غلطیوں کو جنم دے گا۔ کیونکہ ٹی وی ویڈیو کی تصویر اصلی ہے اور آئینوں کی تصویر فرضی ہے ٹی وی میں، اسکرین، پر تصویر ابھرتی ہے اور، آئینہ، میں کہیں بھی نہیں ابھرتی ہے۔ اصلی تصویر کے لئے مستقل عمل اور بالذات، قصدوارادہ کی حاجت ہوتی ہے جب کہ، فرضی تصویر میں نہ مستقل عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی بالذات قصد وارادہ کی۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ، اصلی اور فرضی دونوں باہم متناقض ہیں۔ اس لئے دونوں کے الگ الگ احکام ہونگے۔ اصلی کا مقام متعین ہوتا ہے اور فرضی کا نہیں کہ یہ، ناظر، کے تبدل سے بدلتا رہتا ہے۔ آئینہ دیکھنے والا اگر دائیں بائیں کھسکتا ہے تو آئینہ کی تصویر بھی کھسکتی ہے۔ ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر کی نوعیت الگ ہے ٹی وی دیکھنے والا کہیں بھی جائے مگر اس کی تصویر اپنی جگہ رہتی ہے کہیں نہیں جاتی ہے۔ ذرا سوچیئے! آئینہ اور ٹیوی کی تصویروں میں اس قدر فرق وبعد ہے۔ تو پھر ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کس طرح، قیاس، کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہے کہ ٹی وی، ویڈیو اور وی سی آر کا استعمال اور اس کی تصویروں کا دیکھنا از روئے شریعت حرام اور اشد حرام ہے بشرطیکہ یہ تصویر کسی جاندار کی ہو یہ موقف ہندوستان کے زیادہ تر علماء کرام کا ہے اور محتاط اکابر مشائخ کا بھی ہے ۔۔۔ استعمال اور اس کی تصویروں کا دیکھنا از روئے شریعت حرام اور اشد حرام ہے بشرطیکہ یہ تصویر کسی جاندار کی ہو یہ موقف ہندوستان کے زیادہ تر علماء کرام کا ہے اور محتاط اکابر مشائخ کا بھی ہے ۔۔۔ استعمال اور اس کی تصویروں کا دیکھنا از روئے شریعت حرام اور اشد حرام ہے بشرطیکہ یہ تصویر کسی جاندار کی ہو یہ موقف ہندوستان کے زیادہ تر علاستعمال اور اس کی تصویروں کا دیکھنا از روئے شریعت حرام اور اشد حرام ہے بشرطیکہ یہ تصویر کسی جاندار کی ہو یہ موقف ہندوستان کے زیادہ تر علماء کرام کا ہے اور محتاط اکابر مشائخ کا بھی ہے۔۔۔

موقف میں تبدیلی کا سانحہ

ٹی وی، ویڈیو اور وی سی آر،، کے تعلق سے ہمارے علماء کرام نے جو موقف اختیار کیا بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا۔اس میں قطعی کوئی خطا نہ ہوئی ۔سائنسی تحقیقات بھی اس کی موافقت کرتی ہیں اور فکری نظری تحقیقات اس کی تائید کرتی ہیں ۔مگر زمانہ ایک سا نہیں رہتا ہے کبھی نہ کبھی کروٹ ضرور لیتا ہے یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ زمانہ نے کروٹ لیا۔ ہوا کا رخ بدلا فکر وفن کے انداز بدلے اور،نئی روشنی، نے آکر چپ کے سے کانوں میں کچھ کہا ۔اور سابق موقف خاموش ہو کر رہ گیا اور پھر یہیں سے موقف کی تبدیلی کا سانحہ پیش آتا ہے ۔وہ جو اپنے موقف پر کبھی اٹل تھا۔اور فولاد صفت بنا ہوا تھا۔اچانک موم کی طرح نرم ونازک ہو گیا اور اس نے وہی کہا جو،نئی روشنی، کے ماننے والوں ن کہنے کو کہا۔ یہ کرشمہ ہے اس شخص کا جو زمانہ کا ،مرکوبتھا۔اب ایسے لوگ کہاں؟ جو، راکبِ بر دوشِ ایام، ہوا کرتے تھے...... اسی لئے میں نے موقف کی اس تبدیلی کو سانحہ سے تعبیر کیا۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کوئی اس سانحہ کو،نئی صبح اور نیا سویرا کہے اور لوگوں نے ایسا کہا بھی ہے۔خیر! یہ آزادئی گفتار کا دور ہے۔ ہر شخص اپنے دل کی بات کہنے کا حق رکھتا ہے اور میں بھی اسی حق کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز آپ کے روبرو پیش کر رہا ہوں۔ بہرحال یہ حقیقت ہے ۔موقف کی تبدیلی واقعی غلط ہے کہ اس سے کہیں نہ کہیں موقف کے اختیار کرنے میں خطا کا امکان راہ پا تا ہے اور پھر یہ امکان اپنی زلف دوتا میں کس کس کو اسیر کرے گا۔شاید اس بات کا اندازہ نہ ہو مگر ہر ایک کو اس کا اندازہ کرنا چاہئیے بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئیے ۔۔ٹی وی اور ویڈیو، وی سی آر دیکھنے کو ناجائز وحرام کہا گیا اور پھر بعد میں اسی کو جائز و مستحسن قرار دیا گیا مگر فرق یہ ہے کہ حرمت کی وجہ،تصویر دیکھنا، بتایا گیا اور جائز کی وجہ،ضرورت و حاجت ......حالانکہ اس موقع پر،ضرورت وحاجت،کا استعمال درست نہیں......ذیل کا مضمون پڑھئے اور اس کا اندازہ لگائیے۔۔

ٹی وی پر اسلامی پروگرامس۔اور تعیینِ قدر

یہ،الیکٹرانک میڈیا، کا دور ہے بین الاقوامی سطح پر اس سے بڑھ کر کوئی اور ذریعۂ ابلاغ نہیں آج ہر قوم کے افراد۔۔اور ہر تہذیب کے دلدادہ۔۔اپنی باتوں اور اپنے مشن کو دور دور تک پہونچانے کے لئے اس کا استعمال کر رہے ہیں یہ دور رس اور سریع النفوذ ذریعہ ابلاغ ہے اس کے ذریعہ دنیا بھر کی خبریں۔۔اور نقل وحرکت اِن واحد میں دیکھ سکتے ہیں اور اس سے واقف بھی ہو سکتے ہیں۔سماج اور معاشرہ کا یہ حال ہے کہ ہر گھر میں ٹی وی، وی سی آر موجود ہے ۔جب چاہیں اسکے،، اسکرین، کے ذریعہ گھر بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔صرف سوئچ آن کرنے کی دیر ہوتی ہے۔زیادہ تر ٹی وی پر غیر اسلامی اور غیر مہذبانہ پروگرامس آتے ہیں اگر چہ بعض چینل ایسے بھی ہیں جس پر اسلامی پروگرامس پیش کئے جاتے ہیں علماء کرام کی تقریریں ۔قرانِ مقدس کی تفسیریں ۔احادیثِ پاک کی تشریحات وتوضیحات وغیرہ بھی نشر کی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ اخلاق ومحبت اور سیرت کی باتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔اس بارے میں ''قیو ٹی وی اور مدنی چینل'' پیش پیش ہے۔ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور لوگ اس پر اپنے اچھے تأثرات پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے حصول اور دینی معلومات میں اضافہ کے لئے کیا ''ٹی وی، قیو ٹی وی، مدنی چینل، ویڈیو فلم اور وی سی آر وغیرہ کا دیکھنا اور دکھانا جائز ہے یا نہیں۔۔؟

اب تک ہمارے علمائے اہلِ سنت کا یہی خیال وموقف رہا ہے کہ پروگرام خواہ کوئی بھی ہو۔اسلامی یا غیر اسلامی۔دینی یا غیر دینی۔جس طرح اس کا پیش کرنا ناجائز وحرام ہے ٹھیک اسی طرح اس کا دیکھنا بھی ناجائز و نا درست ہے کیونکہ تصویر کا بنانا ،بنوانا، اس کا دیکھنا ،دکھانا بھی ناجائز وحرام ہے جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف سب سے پہلے حضرت، علامہ مولانا سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ نے ،،ٹی وی،، پر اسلامی پروگرام دیکھنے کو جائز قرار دیا

پھر کئی سالوں کے بعد مفتی مکرم صاحب امام وخطیب، مسجد فتحپوری، نے اس کے جواز کا حکم دیا جو راشٹریہ سہارا کے کسی ایڈیشن میں شائع ہوا۔ ماہ نامہ، جام نور بابت ماہ دسمبر ۲۰۰۴ء میں حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ مضطر رضوی کا ایک فتوی شائع ہوا جس میں انہوں نے، ٹی وی، پر اسلامی پروگراموں کو نہ صرف جائز کہا ہے بلکہ اسے مستحسن بھی قرار دے دیا۔ مجھے حضرت کے فتوی سے سخت حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنے موقف سے انحراف کیوں اور کیسے اختیار کرلیا۔؟ اور اس کا پسِ منظر کیا ہے۔؟

میں اپنی ناقص معلومات کے پیش نظر چند باتیں آپ کے روبرو پیش کرتا ہوں جن سے ٹی وی پر اسلامی پروگرامس۔ اور اس کی تعینِ قدر کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہوگی۔۔

(۱) ٹی وی پر جس قدر بھی پروگرامس آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر غیر اسلامی اور غیر مہذبانہ ہوتے ہیں اسلامی، دینی، اور اخلاقی پروگرامس بہت ہی کم ہوتے ہیں اور عوام کا حال یہ ہے کہ وہ غیر اسلامی پروگراموں کے دیکھنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور اسلامیات کی طرف قطعی التفات نہیں کرتے بلکہ شب و روز غیر اسلامی اور مخرب اخلاق پرگراموں میں مست رہتے ہیں اور اسی میں سرشار نظر آتے ہیں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ غیر اسلامی پروگراموں کے دیکھنے میں ضرر ہی ضرر ہے اور اسلامی پروگراموں کے دیکھنے میں صرف ایک ضرر یعنی تصویر کا دیکھنا ہے فقہ کا ضابطہ ہے جب دو قسم کے ضرروں کے مابین تعارض و تقابل ہوجائے تو کم ضرر والے پہلو کو اپنانا چاہیئے۔ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ان من ابتلیٰ ببلیتین و هما متسا ویتان یاخذ بایتهما شاء

وان اختلفا یختار اهونهما (الاشباه والنظائر)

یعنی جب کوئی دو مصیبتوں میں مبتلا ہوجائے اور دونوں مصیبتیں برابر ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیا جائے اور اگر مختلف ہوں تو ان میں سے اس کو لیا جائے جس میں ضرر کم ہو۔ مذکور بالا ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ اسلامی پروگرام اپنا لیا جائے کہ اس میں ضرر کم ہے

مگر یہ بھی خیال رہے کہ اس ضابطہ کا اجرا اس موقع پر کیا جائیگا جب ناظرین غیر اسلامی پروگراموں کو دیکھنا قطعی بند کردیں مگر حالات یہ بتاتے ہیں کہ ایسا ہونا بہت زیادہ دشوار ہے تو پھر اس ضابطہ کا یہاں اجرا بھی دشوار ہوگا کہ اس اجرا کے عمل سے لوگ غیر اسلامی پروگراموں کو دیکھنے کے لئے جواز فراہم کرلیں گے۔ اس لئے میرا ماننا ہے کہ اس ضابطہ کے تحت یہاں کوئی فیصلہ نہیں لیا جاسکتا ہے جن لوگوں نے ایسا کوئی فیصلہ لیا ہے انہیں اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔

(۲) ٹی وی پر جو بھی اسلامی، دینی پروگرام آتا ہے۔ اس میں پہلے تصویر دیکھی جاتی ہے جو متفقہ طور پر حرام ہے اس کے بعد ہی اسلامی معلومات۔ قرآنی ارشادات۔ نبوی فرمودات پیش کئے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ اسلامی معلومات اس حد تک ضروری ہیں کہ اس کے لئے کسی، شئی ممنوع، کا ارتکاب کیا جائے؟ تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کسی بھی معلومات کے طلب وحصول کے پانچ مراتب ہیں

(الف)۔ مرتبۂ ضرورت۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان ہلاک یا پھر ہلاکت کے قریب ہوتا ہے اور اس کے پاس، شئی ممنوع، کے تناول کے علاوہ اور کوئی دوسری تدبیر نہ ہو ایسی صورت میں اس کے لئے مباح ہے، شئی ممنوع، کا استعمال کرلے

(ب)۔ مرتبۂ حاجت۔ یہ مرتبہ، ضرورت سے قدرے کم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ میں انسان نہ تو ہلاک ہوتا ہے اور نہ ہی ہلاکت کے قریب بلکہ وہ اس مرتبہ میں انسان کچھ زیادہ ہی پریشان اور مضطرب ہوجاتا ہے۔ اور ضعف و نقاہت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جب کوئی انسان مرتبۂ حاجت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی، شئی ممنوع، مباح ہوجاتی ہے جب کہ حاجت کو ضرورت کے مرتبہ میں رکھا جائے۔

(ج)۔ مرتبۂ منفعت۔ اس مرتبہ میں کسی شئی کے حصول اور اخذ و استعمال سے صرف فائدہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی مناسب اثر مرتب ہوتا ہے جیسے،، انسان کے لئے

،گوشت، روٹی، اور دیگر مرغن غذائیں وغیرہ۔

(د)۔مرتبۂ زینت یہ مرتبۂ منفعت سے تھوڑا اوپر ہے۔اس مرتبہ سے منفعت بالائے منفعت کا حصول ہوتا ہے جیسے کوئی شخص حلوہ اور دیگر میٹھی چیزوں کا استعمال کرے۔

(س)۔مرتبۂ فضول۔ یہ بقیہ چاروں مراتب کے بالکل برعکس ہے جیسے کوئی خواہ مخواہ حرام شئی کا استعمال کرے اور مشکوک اشیاء کے حصول کی کوشش کرے۔

اربابِ فکر ونظر سے گزارش ہے۔ان پانچوں مراتب کو ذہن میں رکھیں اور غور کریں کہ ٹی وی کی اسکرین پر جو اسلامی پروگرام پیش کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اس کا تعلق کس مرتبہ سے ہے؟ مرتبۂ ضرورت سے ہے یا مرتبۂ حاجت سے ہے۔ مرتبۂ منفعت سے ہے یا مرتبۂ زینت سے ہے یا پھر اس کا تعلق مرتبۂ فضول سے ہے۔ظاہر ہے مرتبۂ فضول سے اس کا تعلق نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ ان پروگراموں سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور دینی رجحانات میں پختگی آتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا تعلق مرتبۂ ضرورت اور مرتبۂ حاجت سے بھی نہیں ہے کیونکہ اس کے نہ دیکھنے سے نہ تو ہمارے دینی رجحانات کا خاتمہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا ضعف واضمحلال ہی آتا ہے۔البتہ ان اسلامی پروگراموں کا تعلق مرتبۂ منفعت سے ہے یا پھر مرتبۂ زینت سے ہے...... جو لوگ دینی معلومات میں صفر کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے لئے یہ پروگرام منفعت کی حیثیت رکھتا ہے اور جو تھوڑی بہت اسلامی معلومات رکھتے ہیں ان کے لئے یہ پروگرام ،زینت، کی حیثیت رکھتا ہے۔اس پروگرام کے مرتبۂ منفعت اور مرتبۂ زینت سے تعلق رکھنے کے سبب کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کو دیکھنے کے لئے کسی ،شئی ممنوع، کا ارتکاب کرے یعنی تصویر دیکھے ہاں! اگر اس کا تعلق مرتبۂ ضرورت سے ہوتا تو یقینی طور پر اس کو دیکھنے کے لئے ،شئی ممنوع، کا ارتکاب جائز ومباح ہوتا۔جیسے کوئی انسان بھوک سے مر رہا ہو یا مرنے کے قریب ہو اور اس کے پاس کھانے کے لئے ،،لقمۂ حرام،، کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔تو اس کے لئے

جائز ہے کہ حرام لقمہ کھا کر اپنی جان بچائے علامہ حموی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔۔۔

ھٰذا یبیح تناول الحرام۔کہ مرتبۂ ضرورت،،شئی حرام،، کو مباح کردیتا ہے یہ خصوصیت اس مرتبہ کے علاوہ کسی اور مرتبہ میں نہیں پائی جاتی ہے خواہ مرتبۂ حاجت کا ہو یا ضرورت کا منفعت کا ہو یا زینت کا یا پھر فضول کا مرتبہ ہو حضرت علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لان مباشرة الحرام لا تجوزالا للضرورة ولا ضرورة فی حق الزیادة (الاشباہ والنظائر)

حرام کا ارتکاب جائز ہی نہیں مگر بوقت ،ضرورت، اور ،مرتبۂ زیادت، میں کوئی ،ضرورت، نہیں علامہ ابن نجیم نے ،منفعت اور زینت، کو،حق زیادت، سے تعبیر کیا

(۳) مرتبۂ ضرورت میں بھی شئی حرام کی اباحت اس وقت ہے جب شئی حرام کے علاوہ اس کے پاس کوئی شئی حلال نہ ہو اور اگر شئی حلال ہے تو یہ اباحت بھی نہیں۔۔ہم مانتے ہیں ٹی وی پر اسلامی پروگرام دیکھنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔مسائل شرعیہ سے واقفیت ہوتی ہے مگر یہ معلومات دوسرے ذرائع سے بھی حاصل ہوسکتی ہیں مثلاً مکتب ومدرسہ میں جانے سے۔علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنے سے۔اور مساجد کے اماموں سے مسائل پوچھنے سے۔تو پھر کیا ضرورت ہے؟ کہ ان معلومات کو حاصل کرنے کے لئے پروگرام پیش کرنے والوں کی تصاویر دیکھی جائیں؟ ازروئے حکم شرع تصویر بنانے اور دیکھنے میں فرق کرتے ہیں انہیں اپنے اس نظریہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئیے۔

(۴) ہاں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ،اسلامی، دینی ،تہذیبی، سماجی اور معاشرتی تعلیمات کو دور دور تک پہونچانے کی ایک صورت ایسی بھی ہے جس سے مقصد بھی حاصل ہوجائیگا اور کسی شئی حرام کا ارتکاب بھی لازم نہ آئیگا اور وہ صورت یہ ہے، ٹی وی،، پر صرف اسلامی باتیں بتائی جائیں اور تصویر نہ دکھائی جائے۔جیسا کہ، استخارہ، والے پروگرام میں

ہوتا ہے سوال کرنے والے اپنا سوال پیش کرتے ہیں اور جواب دینے والے کی صرف آواز سنائی دیتی ہے تصویر نہیں دکھائی جاتی ہے اس طرح یہ مؤثر ذریعہ کا استعمال بھی ہوا اور تصویر بھی نہ دیکھی گئی۔۔آخر کار یہ صورت کیوں نہیں اپنائی جاتی ہے۔وہ کون سی مجبوری ہے، جس کی وجہ سے یہ صورت نہیں اپنائی گئی اس کی وضاحت کی جائے۔ یہ وضاحت خود اس بات کو ثابت کردیگی کہ یہاں ضرورت و حاجت ہے ہی نہیں ۔۔میرا یہ مضمون ،،جام نور،، شمارہ فروری **۲۰۰۵ء** میں شائع ہوا جس پر جناب راغب احمد ناز نے تنقید کی اور مجھ سے چند سوالات کیئے انہیں سوالات کے پیش نظر درج ذیل مقالہ تحریر کیا گیا آپ کے مطالعہ کے لئے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔۔جو لوگ اہل فکر ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ مدنی میاں نے جو اختلاف کیا وہ نظریاتی اختلاف ہے اور جو پڑھے لکھے نہیں ہیں وہ صرف ٹی وی دیکھتے ہیں ان کے یہاں عملیاتی اختلاف ہے مگر نظریاتی نہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے یہاں دونوں قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں نظریاتی بھی اور عملیاتی بھی ۔۔اعلی حضرت فاضل بریلوی کا موقف یہ ہے کہ تصویر کا دیکھنا بھی حرام ہے

ہاں! تصویرِ حقیقی، کا دیکھنا بھی ناجائز ہے

شرعی اعتبار سے کسی بھی جاندار کی ،،تصویرِ حقیقی کا دیکھنا اور دکھانا بھی ناجائز ہے کہ یہ تصویر اس کی حکایت کر رہی ہے جس کی یہ تصویر ہے۔اسکرین والی تصویر میں یہ حکایت شدید طور پر پائی جاتی ہے اس لئے ہمارے علماء کرام نے اس پر بھی حرمت کا حکم لگایا ہے۔یہ حکم حرمت بھی انہیں ،نصوص شرعیہ، سے ثابت ہے جو تصاویر کی حرمت کے تعلق سے شریعت میں وارد ہوئیں ہیں۔۔کسی بھی تصویرِ حقیقی سے،، فائدۂ معتد بہ،، اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اس کا استعمال نہ کیا جائے یہاں دیکھنا اور دکھانا ہی تصویر کا ،فائدۂ معتد بہ، ہے اور اس کا لزوم بھی۔اور ضابطہ ہے ،اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمہ ،اس ضابطہ کے تحت جب ،تصویر، حرام تو اس کے لوازم بھی حرام ہونگے اور اس سے استفادہ بھی حرام ہوگا۔

تصویرِ حقیقی کے استعمال کے تعلق سے ،حاشیۂ مسلم شریف میں ہے علامہ نووی علامہ زہری کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔۔**قال الزہری النہی فی الصورۃ علی العموم وکذالک استعمال ما فیہ (حاشیہ مسلم ۱۹۹)**

یعنی تصویر کی بابت حدیث میں وارد نہی ،عموم، پر ہے ایسا ہی اس کپڑے کا استعمال حرام ہے جس میں تصویر بنی ہوئی ہے۔اس سے ظاہر ہے تصویر کا استعمال بدرجۂ اولی حرام ہوگا ......عرف عام میں تصویر کا دیکھنا اور دکھانا ہی تصویر کا استعمال ہے استعمال کی بہت سی نوعیتیں پائی جاتی ہیں مثلاً۔آئینوں میں فریم کراکر دیواروں پر آویزاں کرنا ۔پردوں ،کپڑوں پر تصویریں نقش کرنا۔کرانا وغیرہ۔یہ تصویروں کا قدیم استعمال تھا۔ٹی وی کی ایجاد نے اس میں جدت پیدا کردی۔ اسکرین پر تصویر کا دیکھنا ۔دکھانا اور تصویر کی زبان سے آواز کا سننا۔سنانا جدید استعمال ہے چونکہ جدید استعمال میں تصویر کی زیادہ تعظیم پائی جاتی ہے اس لئے اس کی حرمت بھی شدید ہوگی ۔اسکے علاوہ اور بھی دوسرے وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اسکرین پر تصویر کا دیکھنا حرام ہے۔مثلاً

(۱) ٹی وی آن کر کے جتنی دیر تک پروگرام دیکھا جائیگا اُتنی دیر تک تصویروں کو روکے رکھنا ہوگا ۔شرعی اعتبار سے تصویروں کو روکے رکھنا ناجائز و حرام ہے۔اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ گھر کے افراد انفرادی اور اجتماعی طور پر دیکھ رہے ہوں۔شدت تحریم کو مستلزم۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی انسان کسی کی تصویر کو صندوق میں بند کر کے رکھے کہ جب چاہے اُسے نکال کر دیکھ سکے۔تصویر جب تک صندوق میں ہے اس کی حرمت چھپی رہتی ہے اور جیسے ہی وہ نکالی جائیگی اس کی حرمت از خود لوٹ آئیگی۔ امام اہلسنت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ قول **ولا قرۃ عین فیہ لمن یمسک التصاویر فی صندوقہ للنظر فیہا متیٰ شاء فانہا وان کانت مستورۃ مادامت فی الصندوق لکنہ یفتحہ یخرجہا فتظہر فیاتی التحریم والا مساک لامر ممنوع ممنوع۔**

(فتاوی رضویه جلد دهم ص ۵۸)

یعنی، میں کہونگا اس کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں جو اپنے صندوق میں تصویر کو صرف اسلئے روک رکھے کہ جب چاہے نکال کر دیکھ لے۔ جب تک صندوق میں تصویر رہے گی اس کی حرمت چھپی رہے گی اور جیسے ہی تصویر نکالی جائیگی ویسے ہی حرمت لوٹ آئیگی اس امر ممنوع (تصویر دیکھنے) کے لئے تصویر کو روکے رکھنا بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تصویر کا دیکھنا بھی حرام ہے اور اس مقصد کے لئے تصویر کا روکے رکھنا بھی حرام ہے۔۔

(۲) اسلامی فقہ کا ضابطہ ہے **ما حرم اخذہ حرم اعطائه** (فتاویٰ رضویہ ج۱۰ ص۵۸)

یعنی جس چیز کا لینا حرام اسکا دینا بھی حرام ہے۔ یہ ضابطہ پورے طور سے ٹی وی پر صادق آتا ہے کیونکہ منصوبہ بند طریقہ سے، ٹی وی، پر پروگرام پیش کرنے کیلئے پہلے ’’تصویر‘‘ لیجاتی ہے جسے ہم ،،اخذ صورت،، کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہی ،تصویر، برقی لہروں میں تبدیل کی جاتی ہے اور پھر یہ لہریں، ٹی وی، ٹاور کوارسال کی جاتی ہیں۔ سچ پوچھیئے تو یہ ،اعطائے صورت،، ہے۔ ٹی وی آن کر کے ان لہروں کو، ریسیو، کرنا اور اسکرین پر پیش کرنا کسی ،اخذ صورت، سے کم نہیں...... اس بنیاد پر اگر اسے ،تصویر کشی، کہی جائے تو اس میں کسی طرح کا کوئی مضائقہ نہیں تبصرہ نگار خود اس بات کا قائل ہے: تصویر کشی حرام ہے جیسا کہ آنجناب نے تحریر فرمایا:

تصویر بنانا ناجائز ہے۔ لہٰذا ٹی وی آن کرنا۔ تصویر دیکھنا۔ دکھانا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا سب کے سب حرمت کے دائرہ میں آئیں گے۔ یہ باتیں سن کر یا پڑھ کر ممکن ہے آپ کو حیرت ہو مگر حیرت کی وجہ یہ احکام نہیں بلکہ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے ٹی وی، وی سی آر کو اپنی زندگی کا لازمہ بنالیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں حیرت کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) تصویر میں اصل حرمت ہے کہ وضع کے وقت ہی اس میں، بتوں، سے، مماثلت

،اور، عبادت اوثان، سے مشابہت شامل ہوگئی کسی بھی دور میں تصویر اس مماثلت و مشابہت سے عاری نہیں۔ اس لئے اس کی حرمت اصلی اور وضعی ہے۔ نسل انسانی کے تمام افراد اس کے حرمت کے قائل تھے۔ آج بھی ہیں اور آئندہ کل بھی رہیں گے۔ تصویر کی نوعیتیں بدلتی رہیں مگر اس کی حرمت اپنی جگہ برقرار رہی۔ کسی کے جائز کر دینے سے جائز نہ ہوگی۔ ہندوستا نمیں جب سے ٹی وی آئی اسی وقت سے سماج و معاشرہ کے منصف مزاج افراد نے ٹی وی دیکھنے کو ناجائز ہی تصور کیا اور اس کے حرام ہونے کے قائل رہے امام معقولات خواجۂ علم و فن علامہ مظفر حسین رضوی نے بڑے پتہ کی بات کہی۔: رہا امام نووی کا فرمان کہ

انما یعرف الناس مما یعرف جماهیر هم ،، کہ شریعت لوگوں کو اسی بات کی معرفت کراتی ہے جس بات کو عوام الناس بھی جانتے ہوں۔ تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ٹی وی کی صورتیں درحقیقت تصویر ہیں حضرت محقق سے پہلے سب لوگ اس کو تصویر سمجھتے رہے اور اسے حرام ہی جانتے رہے۔۔ (ٹی وی کی تحقیق ص۱۲۴)

تبصرہ نگار سے گزارش ہے لفظ، جمہور، کو اسی محولہ عبارت کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں اس کی فقہی شرعی وضاحت کی سردست یہاں ضرورت نہیں۔ تصویر دیکھنے کے تعلق سے علماء اہلسنت کا کیا موقف رہا ہے؟ اسے بھی دیکھئیے۔ اس سلسلہ میں کچھ شواہد پیش کرنے سے قبل یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ٹی وی دیکھنا درحقیقت تصویر دیکھنا ہے اور جس مقام پر ٹی وی کے جائز یا ناجائز کی بات آتی ہے دراصل اس سے مراد تصویر دیکھنا ہی ہے کیونکہ عرف عام میں تصویر دیکھنے سے الگ ٹی وی دیکھنے کا تصور ہی نہیں ذیل میں چند شواہد پیش کئے جارہے ہیں

(۱) حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں

گر بالفرض کوئی ایسی فلم تیار کی جائے جس میں ایک بھی جاندار کی تصویر نہ ہو اور وہ ناجائز نغمات وحرکات سے ملوث نہ ہو اس کو بھی دیکھنے میں بالاتفاق کوئی مضائقہ نہیں (بحوالہ ٹی وی کی تحقیق)

ایسی فلم جس میں کسی جاندار کی تصویر نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی ناجائز نغمات ہوں تو اس کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی ایسی فلم ہے جس میں جاندار کی تصویر ہے تو اسے دیکھنے میں مضائقہ ہے جو اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ کسی بھی جاندار کی تصویر کو دیکھنا بالاتفاق حرام ہے اسی بنیاد پر تصویر دیکھنے کی حرمت کو، متفق علیہ اور مجمع علیہ، کہا گیا کاش اگر ان کے نزدیک بھی ،، ٹی وی ،، کی اسکرین پر نظر آنے والی صورت ،تصویر، ہوتی تو اس کا دیکھنا حضرت مدنی میاں کے نزدیک بھی حرام ہوتا لیکن انہوں نے اسے ،عکس، قرار دیا اسی لئے اس کے دیکھنے کو جائز کہا

(۲) اس بابت حضور ازہری میاں صاحب قبلہ کا موقف روز روشن کی مانند واضح ہے۔ آپ ٹی وی پر تصویر دیکھنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اسکرین پر ابھرنے والی صورت کو حقیقی تصویر قرار دیتے ہیں۔ رویت تصویر کے سوا ٹی وی کے حرام ہونے کی اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جو لوگ تصویر دیکھنے کی حرمت کے قائل نہیں انہیں چاہئے حضور ازہری میاں کے موقف پر سنجیدگی سے غور کریں بات بآسانی سمجھ میں آجائیگی کہ اس مسئلہ کا پس منظر تصویر کا دیکھنا ہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی پس منظر نہیں ہوسکتا ہے

(۳) ٹی وی کی تحقیق ،، نامی کتاب میں خواجہ مظفر صاحب نے متعدد مقام پر تصویر دیکھنے کو منع فرمایا

الف ۔۔ فیتوں میں چھپی ہوئی جاندار کی تصویر ہونے کی وجہ سے خود حرام ہے جس کا بنانا۔ رکھنا۔ اور بنگاہ عزت دیکھنا سب حرام ہے۔۔
(ٹی وی کی تحقیق ص ۲۶۱)

ب ۔۔ حالانکہ جاندار تصویروں پر مشتمل فلم دیکھنا مطلقاً حرام ہے تو ثابت ہوا کہ پردۂ فلم پر نظر آنے والی صورتوں کو دیکھنے کی حرمت انکے اصلوں کے دیکھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ خود حقیقی تصویریں ہیں (کتاب مذکور ص ۱۷۳)

(ج)۔۔ **اذا اجتمع الحلال و الحرام** ۔ کے تحت ٹی وی کی تصویریں حرام المشاہدہ ہونگی۔ (کتاب مذکور ص ۱۶۴)

(د)۔۔ مجھ سے بھی جب کبھی استفتاء ہوا تو میں نے اس کا مختصر جواب یہی دیا۔ ٹی وی کی تصویریں آئینہ میں نظر آنے والی صورتوں کی طرح تصویر فرضی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہیں اور ٹی وی کی اسکرین پر شعاعوں سے بنتی ہیں اس لئے آئینہ دیکھنا جائز ہونے کے باوجود ٹی وی دیکھنا اور دکھانا جائز نہیں۔ (کتاب مذکور ص ۱۰)

(س)۔۔ حالانکہ اس طرح کی فلموں کا دیکھنا بالاتفاق حرام ہوگا
(کتاب مذکور ص ۱۷۴۔ کا حاشیہ)

حوالہ۔ د۔ میں۔ مجھ سے۔ مراد،، مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ ہیں۔ انصاف کی نگاہ سے دیکھیئے۔ یہ تمام تر شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں ،تصویر حقیقی، کا دیکھنا مطلقاً حرام ہے اس حرمت میں اس کے اصلوں کی طرف ،نسبت، کا بھی اعتبار نہیں۔ جس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے تصویر کسی کی بھی ہو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ ان شواہد میں کئی ایسے الفاظ ہیں جو مسئلہ ہذا کے ،، متفق علیہ ،، ہونے کا اشارہ دیتے ہیں جیسے مطلقاً اور بالاتفاق وغیرہ اسی لئے میں نے تصویر دیکھنے کی حرمت کو، متفق علیہ اور جمہور علماء کا مسلک بتایا۔ جس پر تبصرہ نگار کو اعتراض ہے۔ جب تصویر حقیقی دیکھنے کو کسی بھی عالم ،مفتی نے جائز نہیں بتایا حتیٰ کہ حضرت قبلہ مدنی میاں صاحب نے بھی اسے ناجائز ہی کہا ہے۔ اس کے باوجود مجھے افسوس ہوتا ہے کس طرح تبصرہ نگار نے اس مسئلہ کو،، **اصل الاشیاء الاباحۃ**،، کے دائرہ میں لانے کی ناپاک کوشش کی۔ حالانکہ،، **اصل الاشیاء الاباحۃ**،، کے تحت وہ مسئلہ حل کیا جاتا ہے جس کے تعلق سے شریعت میں جائز یا ناجائز کا کوئی بھی حکم وارد نہ ہو۔ اہل علم بخوبی جانتے ہیں تصویر اور اس کے متعلقات کی حرمت شریعت میں مصرح ہے تو پھر اسے اس مذکورہ ضابطہ کے تحت حل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

زبردستی مسئلہ ہٰذا کواس ضابطہ میں لاکرحل کرنے کی کوشش نری حماقت کے سوااور کیا ہو سکتا ہے؟ مجھے اپنے اہل علم دوستوں سے ایسی امید نہ تھی جووہ کرگزرے اور آئندہ وہ کیا کیا کرگزرے۔ابھی سے اسکا اندازہ ہورہا ہے۔تبصرہ نگارکواس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئیے۔تصویر دیکھنے کی حرمت کوئی عارضی نہیں اور نہ ہی اس کی حرمت کسی کی تابع ہوکر پائی جاتی ہے کیونکہ اس کی حرمت اس کے تصویرحقیقی ہونے کے سبب ہے جیسا کہ مذکور بالا شواہد میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے جواس کی حرمت کو عارضی اور تبعی تصور کرتے ہیں۔ مجھے ان کی عقل ودانش اورفہم وفراست پررونا آتا ہے۔ع۔ بریں عقل ودانش بباید گریست۔ ہاں!اس حرمت سے بچنے کی صرف ایک یہی صورت ہے کہ ٹی وی ٹاور سے تصویر بنانے والی شعاعیں اور برقی لہریں ارسال ہی نہ کی جائے۔یاان لہروں کا اخذ وحصول ہی نہ کیا جائے۔۔

کسی بھی مسئلہ کے تعلق سے اپنا نظریہ پیش کرنے سے پہلے سماج ومعاشرہ کے حالات ،قوم کے مزاج اورافراد واعیان کی سرشت کا اندازہ لگالینا چاہئیے جیسا کہ کہا گیا من لم یعرف اہل زمانہ فہو جاہل کہ جواہل زمانہ کے حالات کونہ پہچانے وہ جاہل ہے۔اس دور میں قوم کا مزاج یہ ہے کہ وہ تصویریں دیکھنے میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ ہرایک فردرنگ برنگے تصاویر میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ اچھے اور پرمغز پروگراموں سے قطعی آنکھیں موندلیتا ہے۔دینی معلومات کی طرف توجہ کرتا ہی نہیں۔اس دور کے بچوں کی زباں پرنغمے، گیت اور ہیرو، ہیروئنوں کے نام،ان کی ادائیں ہوتی ہیں۔ایسے حالات میں ٹی وی دیکھنے کی اجازت کسی قیامت خیزانگڑائی سے کم نہیں۔کم نقصان والے پہلو کو اختیار کرنے کی اجازت اس وقت دی جاتی ہے جب زیادہ نقصان والے پہلو کی طرف عوامی رجحان نہ ہواور جہاں یہ رجحان پایا جاتا ہے وہاں ،رخصت،عطا کرنا پٹرول میں آگ لگانے کے مترادف ہوگا کہ اس بہانے لوگ دینی پروگرام تو کم دیکھیں گے لیکن غیر اسلامی پروگراموں کو زیادہ دیکھیں گے۔نہیں بلکہ دیکھ رہے ہیں جن لوگوں نے ٹی وی دیکھنے کے جواز کو پیش کیا ان کے

اس نظریہ جواز کوکسی بھی انصاف پسند اور سنجیدہ مزاج انساں نے قبول نہ کیا بلکہ اسے رد کردیا ۔صرف اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے ،نظریہ جواز ،کوقبول نہ کیا بلکہ اس نظریہ والوں کو بھی تسلیم نہ کیا

اس تفصیلی تحریر سے ظاہر ہوا کہ تصویر دیکھنا حرام ہے خواہ محرم کی تصویر دیکھی جائے یا غیر محرم کی تصویر دیکھی جائے۔استاد کی تصویر دیکھی جائے یا پیر کی۔ بہر حال تصویر دیکھنا حرام ہے غوث پاک کی تصویر دیکھی جائے یا سرکار مارہرہ کی۔اعلی حضرت کی تصویر دیکھی جائے یا سرکار مفتی اعظم کی۔ایسا کچھ نہیں ہے کہ محرم کی تصویر دیکھنی جائز ہے اور غیر محرم کی تصویر دیکھنی ناجائز ہومگر افسوس اس بات پر ہے حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ قبلہ نے ایک ایسا موقف اختیار کیا جو ہر اعتبار سے غلط تھا اور آج بھی غلط ہے ان کا کہنا ہے محرم کی تصویر دیکھنی جائز ہے میں یہ تحریر دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے یقین نہ آیا کہ حضرت جیسی شخصیت کا یہ موقف ۔نہیں ،ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ موقف مسلک اعلیٰ حضرت کے موقف سے یقیناً مختلف ہے میں اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں باادب ہوکر عرض کرونگا کہ کسی مسئلہ کے تعلق سے موقف اختیار کرنے سے قبل اس بات کو سو بار سوچ لیں کہ جو موقف آپ اختیار کرنے جارہے ہیں کہیں وہ خلاف واقعہ تو نہیں.....

تصویر دیکھنے کو جائز بتا دینے سے فن تصویر سازی کو بہت ہی زیادہ فروغ حاصل ہوا۔اسی لئے بہت سے لوگوں نے اپنے اداروں اور خانقاہوں، دوکانوں میں جاسوسی کیمرے نصب کرلئے۔انہوں نے بھی نصب کرلیا جنہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے اس بارے میں میرا ایک مضمون ہے جسے میں یہاں نقل کرر ہا ہوں۔۔گزارش ہے اسے ذرا دھیان لگا کر پڑھیں

جاسوسی کیمرے جواز وعدم جواز کے تناظر میں۔

جاسوسی کیمرے بھی دوسرے کیمروں کی طرح ،آئنہ تصویر، ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ قدیم کیمرہ کا جدید روپ ہے۔آج کے سائنسی دور میں جاسوسی کیمروں کا استعمال عام ہو چکا ہے سماج ومعاشرہ کے سبھی افراد خوب دھڑا کے سے اس کا استعمال کرر ہے ہیں۔شادی بیاہ

،جلسہ وجلوس میں کھلے عام اس کا استعمال ہو رہا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اب کیمرہ کا جلوہ موت والے گھروں میں بھی دیکھنے کو مل رہا ہے، تجہیز وتکفین، جنازہ اُٹھاتے، نماز پڑھتے، قبرستان تک لیجاتے اور قبر میں لیٹاتے وقت کی تصویریں لیجاتی ہیں غرض یہ کہ عیش وطرب کی محفل ہو یا حزن وغم کی ہر موقعہ پر فوٹو کیمرہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ براجمان نظر آتا ہے۔۔کیمرہ کیا ہے؟ کن اصولوں پر اپنے کاموں کو انجام دیتا ہے؟ شروع میں وہ کیا تھا؟ اب کیا ہے؟ اور آئندہ کیا ہوسکتا ہے؟۔۔ اس کا ارتقائی سفر اب تک جاری ہے۔صرف دیکھتے رہیئے اس کی زلفیں کہاں تک دراز ہوتی ہیں؟ اور اس کی نکہتیں کس کس کو مدہوش کرتی ہیں یہ وہ باتیں ہیں جو اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتی ہیں اور حسن وکمال بھی ان کیمروں کو لوگ اس حد تک چاہتے ہیں جیسے یہ کوئی کیمرہ نہ ہو بلکہ محبوب دل آرا ہو کوئی بھی اس کے خلاف کسی کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔یہ مغربیت کی جیت ہے آپ سے میری التجا ہے اس کی تاریخی حیثیت جاننے کو ذہنی طور پر آپ تیار ہو جائیں۔

تاریخی حقیقت۔

فوٹو گرافی کے سلسلے میں ۱۸۰۱ء کے لگ بھگ، سر ہمفرے ڈیوی، اور، تھامس وِچ وڈ نے، بہت اہم کام کیا۔اس کے بعد ۱۸۳۰ء میں، ہنری ٹالیٹ نے، نیگیٹو اور پازیٹو تصویریں بنائیں۔مگر اس زمانے میں ایک تصویر کے تیار ہونے میں ۸،۱۰، گھنٹے لگتے تھے۔۱۸۵۱ء میں، مزید اسکاٹ نے، تصویر کھینچنے کے لئے کچھ نئے مسالے تیار کئے جن سے تصویر صاف کرنے کا کام بہت زیادہ آسان ہو گیا اور کم وقت میں زیادہ اچھی تصویر بنائی جاسکتی تھی ۔کیمرہ ایک ڈبہ کی شکل کا ہوتا ہے اس میں سامنے کی طرف سوراخ ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے جس میں لینس لگا ہوتا ہے اس میں سے روشنی آتی ہے پیچھے کی طرف فلم لگی ہوتی ہے جب سوراخ سے روشنی اندر کو داخل ہوتی ہے تو اس کا عکس فلم پر پڑتا ہے مگر یہ تصویر الٹی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روشنی کی لہریں سیدھی چلتی ہیں۔اس لئے اوپر والے حصہ کا عکس نیچے

کی طرف پڑتا ہے اور نیچے والے حصہ کا عکس اوپر کو پڑتا ہے۔یہ تصویر نیگیٹو کہلاتی ہے جب اسے دوسرے کاغذ پر اتارا جاتا ہے تب یہ تصویر سیدھی اور صاف ہوتی ہے پہلے تصویریں دھندلے شیشے پر پھر مسالہ لگائے شیشے اور اب، سلولائڈ، کی فلم پر کھینچی جاتی ہے اب نئے قسم کے کیمرے بنائے گئے ہیں جن میں بہت طاقتور لینس لگے ہوتے ہیں جن سے صاف تصویر آتی ہے اور رنگین تصویریں لینے کے لئے بھی کیمرے بنائے گئے اب ہم ایسے ہی ایک جدید کیمرہ کا ذکر کریں گے۔۔

سنیماٹوگراف

جب ساکت اور خاموش تصویریں کھینچی جانے لگیں تو اس بات کا خیال پیدا ہوا کہ چلتی پھرتی چیزوں کی تصویریں کھینچنی چاہیئے۔ایسی مشین کا موجد، تھامس الوا ایڈیسن، تھا جس نے بجلی کا بلب اور گراموفون ایجاد کیا تھا۔سب سے پہلی مشین جو اس نے بنائی اس کا نام، کنویٹو اسکوپ، تھا اسی مشین کو بہتر بنا کر، سنیماٹوگراف،، مشین بنائی گئی۔یہ کیمرہ کی مانند ایک مشین ہوتی ہے مگر اس میں فرق یہ ہے اس میں ایک وقت میں صرف ایک ہی تصویر نہیں آتی ہے بلکہ اسمیں ایک وقت میں بڑی تیزی سے سیکڑوں تصویریں آتی ہیں۔مثلاً جتنی دیر میں آدمی ہاتھ اوپر اُٹھاتا ہے اس کے (۱۰۰) سوفوٹو کھینچ جاتے ہیں جس میں ہاتھ اوپر بتدریج اٹھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔پھر جب اس کی کھینچی ہوئی تصویر کی فلم اس قدر تیزی سے گھمائی جاتی ہے تو سامنے ایک ہی تصویر معلوم ہوتی ہے جو حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے سنیما میں ایسی ہی چلتی پھرتی تصویریں دکھائی جاتی ہیں لیکن اب یہ تصویریں بات چیت کرتی ہوئی دکھائی جاتی ہیں اس کا طریقہ یہ ہے اسی فلم پر آواز کی لہریں بھی سنا دی جاتی ہیں اس لئے بات چیت بھی سنائی دیتی ہے۔ (ایجادات کی کہانی۔ص۔۷۵تا۷۷)

جاسوسی کیمرے۔

جاسوسی کیمرے بھی دوسرے کیمروں کی مانند ایک کیمرہ ہے اور تصویر کشی کا جدید آلہ

ہے اور کسی بھی پروگرام کو براہِ راست دکھا سکتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھکر آپ اس پروگرام کو دیکھ سکتے ہیں جن اصول وضوابط پر یہ کیمرہ کام کرتا ہے ٹھیک انہیں اصولوں پر عمل کر تے ہوئے دنیا کے کسی منظر اور پروگرام کو ہندوستان میں براہِ راست پیش کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال کسی بھی پروگرام کو کسی بھی اسکرین پر دیکھنے کا واحد ذریعہ، تصویر کشی اور اسکی اسکیننگ، ہے اس کے بغیر کسی بھی جاندار کی تصویر کو تصویر کے روپ میں دیکھا ہی نہیں جاسکتا ہے یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا ذیل میں جاسوسی کیمرے کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے

تجزیاتی عمل۔

جاسوسی کیمرے کی تمام تر کاروائی تین حصوں میں بٹی ہوتی ہے۔

(۱)۔اس کاروائی کا پہلا اور نمایاں حصہ، کیمرہ، کا استعمال ہے۔آپ جس قدر چاہیں اور جہاں جہاں چاہیں، کیمروں کا استعمال کرسکتے ہیں جس کی جاسوسی کرنا مقصود ہو اس کے پیچھے ان کیمروں کو لیکر پڑ جائیے۔ کمروں میں اسے لگوائیے یا کہیں اور کیمرہ کے علاوہ کوئی اور جدید صورت ہو اسے بھی اپنائیے۔ یہ ہر ایک انساں کا انفرادی مسئلہ اس بارے میں وہ خوب جانتا اور سمجھتا ہے۔ خاص کر اس کیمرہ کا کام یہ ہے کہ چلتی پھرتی اور بات چیت کرتی ہوئی چیزوں کی تصویریں لینا خواہ یہ تصویریں کسی جاندار کی ہوں یا کسی غیر جاندار کی۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان کیمروں میں جو تصویریں چھپتی ہیں وہ سیدھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ الٹی ہوتی ہیں جنہیں، نیگیٹو کہا جاتا ہے یہ کیمرہ خود کار ہوتا ہے یعنی اس میں جو تصویریں چھپتی ہیں ان کی اسکیننگ کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تصویریں جو بھی ہوں انہیں برقی لہروں میں تبدیل کیا جاتا ہے آواز کی لہریں الگ ہوتی ہیں اور تصویر کی الگ۔۔ پھر دونوں قسم کی لہریں دو لیڈ کے ذریعہ کنٹرول مشین تک پہونچتی ہیں۔

(۲)۔۔کنٹرول میں تصویریں سیدھی ہوتی ہیں اور ہر ایک کیمرہ کی تصویریں اس میں اسٹور ہوتی ہیں کیمرے کے اعتبار سے اس میں، بٹن، لگے ہوتے ہیں کنٹرول مشین ہی

میں، نگیٹو پازیٹو، تصویروں میں تبدیل ہوتی ہے اور یہ تصویریں آواز کی لہروں کے ساتھ کہیں جانے کو تیار رہتی ہیں جس طرف آپ انہیں بھیجنا چاہیں بھیج سکتے ہیں انٹرنیٹ کو ریلیز کیجئے یا پھر ٹیلیویژن کی اسکرین پر دیکھئے یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔

(۳)۔۔ٹیلیویژن آن کیجئے جس کیمرے سے لی گئی تصویروں کو آپ دیکھنا چاہتے ہیں اس کیمرے سے متعلق جو بٹن کنٹرول مشین میں لگا ہوا ہے اسے دبائیے اور تمام تر ریشہ دوانیاں اسکرین پر دیکھ لیجئے۔ جاسوسی کیمرے کے استعمال کا زیادہ تر یہی مقصد ہوتا ہے کہ کسی ادارے کا نگراں اپنے ماتحت کی پوری کاروائی کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے ٹی وی پر دیکھے۔ اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا ہے۔۔

شرعی حیثیت۔

جاسوسی کیمرے کے تعلق سے آپ کے سامنے سائنسی معلومات پیش کردیئے گئے انہیں پڑھیئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے اور یہ بتائیے، جاسوسی کیمروں کا استعمال تصویر کشی کو فروغ دینا نہیں تو پھر کیا ہے۔؟ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ جاسوسی کیمروں کا استعمال کررہے ہیں وہ بذاتِ خود، تصویر کشی، کے عمل، کے مباشر ہو رہے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں کہ وہ نہیں جانتے ہیں۔ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ، تصویر کشی، اور اس کے تمام متعلقات مثلاً، تصویر دیکھنا، اس کا استعمال کرنا، اس عمل میں مدد کرنا، اسے فروغ دینا، اس کی خرید وفروخت کرنا اسی طرح اس کی نشر واشاعت کرنا تصویر والے کپڑوں کا استعمال تصویروں کو محفوظ رکھنا، خواہ نگیٹو کی صورت میں ہو یا پازیٹو کے روپ میں ہو۔ حرام اشد حرام ہے اور یہ تصویر کسی کی بھی ہو شیخ کی تصویر ہو یا باپ کی۔ ماں کی ہو یا بیوی کی۔ بہر حال تصویر حرام ہے اور حرام ہی رہے گی۔ تصویر ہاتھ سے زمین پر بنائی جائے یا قلم سے کاغذ پر۔ یا پھر برقی شعاعوں سے۔ اس کی حرمت قطعی زائل نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے ٹی وی دیکھنے کو ناجائز بتایا ہے۔ اس کے ناجائز ہونے پر دورِ حاضر کے تمام اکابر اور محتاط علمائے عظام کا

اتفاق ہے۔ جدید ذہنیت رکھنے والے کچھ افراد اگر اس سے انحراف کرتے ہیں تو اس سے نظریۂ اتفاق پر ذرا سا بھی فرق نہ پڑیگا کہ یہ اتفاق اہلِ علم اور اربابِ فکر و دانش کا ہے بلکہ ان معتبر شخصیتوں کا ہے جن کے علم و فن، شعور و ادراک کی اونچائی اور گہرائی کا اندازہ لگانا بہت مشکل نظر آتا ہے جس مسئلہ پر ایسوں کا اتفاق ہو اس سے اختلاف کا نتیجہ مہلک اور اذیت ناک ہوتا ہے اور اختلاف کرنے والے حاشیۂ خیال سے بھی غائب ہو جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے زمانہ کی رنگینیاں کرشمہ زا ہوتی ہیں۔ سفید پوشوں کو بھی اپنے دامِ تزویر میں لے لیتی ہیں۔ کل تک جو اپنے ہاتھوں میں جام و مینا لینا گوارہ نہ کرتے تھے آج وہ خود اس کے جواز کا پہلو نکال رہے ہیں اور اسے مستحسن بھی قرار دے رہے ہیں...... انصاف و دیانت کا یہ کھلے عام خون کرنا نہیں، تو بتائیے یہ کیا ہے؟ یہ ایسی غلط، نیو، ہے جس کے جواز کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا نہ شرعی اور نہ ہی کوئی فکری پہلو نکلتا ہے۔ اس کے باوجود اس غلط نیو پر لوگ اپنی اپنی عمارتیں کھڑی کر رہے ہیں اگر ان کے پاس تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو اپنی عمارت کھڑی کرنے اور اس کے سجانے سے پہلے کم از کم سو بار ضرور سوچتے اور فکر کرتے مگر یہ افراد، جوشِ تعصب، میں اس قدر بڑھے کہ انکی سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی۔ خدا۔ خیر کرے ایسی قوم کا جس کے افراد کی یہ بدترین حالت ہو۔ بعض افراد تصویر کشی کو تو حرام بتاتے ہیں مگر اس کے دیکھنے کو جائز کہتے ہیں یہ فرق بلا وجہ ہے ان کے پاس اس فرق کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ، کھینچنا، کھینچوانا، دیکھنا اور دکھانا ان سب کا تعلق، تصویر، ہی ہے اور ضابطہ ہے کہ جب،، متعلَق،، حرمت کا متقاضی ہے تو اس کے تمام،، متعلِقات، بھی حرمت کے دائرہ میں آئیں گے جس طرح، شراب، حرام ہے تو اس کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور اسے اپنے گھر میں رکھنا بھی حرام ہے مگر نہ معلوم انہیں یہ ضابطہ کیوں نظر نہ آیا؟ ہوسکتا ہے یہ انسانی عدمِ توجہی کا نتیجہ ہو لیکن اب تو انہیں یہ بتایا جارہا ہے اور معلومات ان کے گھر تک پہونچائی جارہی ہیں کیا اب بھی سمجھنے میں دیر لگے گی؟! دانشمند افراد کو سمجھنے میں کہاں دیر لگتی ہے؟ اِدھر بولئے اُدھر بات

ان کے ذہن میں آجاتی ہے لیکن اس مسئلہ میں یہ کیوں نہیں ہورہا ہے۔؟ یہ ایک، معمہ، ہے نہ سمجھنے کا اور نہ ہی سمجھانے کا۔۔ یہ باتیں اس وقت کی تھیں جب، تصویر دیکھنے کے جواز پر،، ضرورت و حاجت،، کا سہارا نہ لیا گیا تھا۔ مگر اب کچھ لوگ اس کا سہارا لے رہے ہیں اس لئے ان دونوں کے معانی اور اس کے مواقع استعمال ذیل میں بتائے جارہے ہیں زیادہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ہاں صرف اسقدر التجا ہے میری تحریروں کا گہرائی سے مطالعہ کریں اور پھر کوئی فیصلہ لیں۔۔۔ تاکہ مطالعہ بے نتیجہ ثابت نہ ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں اور وہ بھی دانشورانِ قوم و ملت کا مطالعہ؟ یہ تو نہایت ہی غلط بات ہوگی اس پر ہم سب کو آنسو بہانا چاہئے۔ کہ جس سے ہمیں کافی امید تھی؟ اور جس پر ہمیں بہت زیادہ ناز تھا۔ اعتماد تھا۔ وہی اس بازار میں، کھوٹے سکّے، کی مانند دکھائی دے رہا ہے۔

ضرورت وحاجت۔

ہاں یہ بات حقیقت ہے کہ، ضرورت و حاجت، کے سبب بعض، محرمات، مباح ہوجاتی ہیں لیکن اس موقع پر، ضرورت و حاجت، کا وہ معنیٰ و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔۔ جو عام طور پر لوگ مراد لیتے ہیں کہ عوامی ضرورتیں زمانے کے بدلتے حالات اور انسانوں کے، فطری، نفسیاتی رجحانات و میلانات کے سبب بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی انکی ضرورت کچھ ہوتی ہے اور کبھی کچھ۔ اگر ان بدلتی ضرورتوں کے سبب، محرمات، متأثر ہوتی رہیں تو یہ، محرمات، بچوں کا، کھلونا، بن کر رہ جائیں گے۔ اس لئے اسے اسقدر ارزاں نہ کیجئے کہ بعد میں اہل علم کو پچھتاوا آئے۔ بلکہ، ابوابِ فقہ، میں ضرورت و حاجت سے وہ معانی مراد لئے جائیں گے جو اس فن کی اصطلاح میں متعین ہیں ان کے سوا کوئی اور معنیٰ مراد لینا سراسر جبر و زیادتی ہوگی۔ فقہ کے ابواب میں، ضرورت، کے دو معانی آتے ہیں۔

(۱) اس سے انسان کی وہ حالت مراد ہوتی ہے کہ اگر وہ مردار کو نہ لے تو خود وہ ہلاک ہو جائیگا یا پھر ہلاکت کے قریب پہونچ جائیگا۔ الاشباہ والنظائر مع شرح حموی ص ۱۴۰ میں ہے۔

فالضرورة بلوغه حداً ان لم يتنا و ل الممنو ع هلک او قارب.

ضرورت کا یہ معنیٰ ،،اکلِ میتہ،، کے باب میں بیان کیا گیا جو اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ ضرورت کا یہ معنیٰ محدود اور اسی باب کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ کسی اور باب میں اس پر عمل کرنا مناسب نہیں۔

(۲) ضرورت کا دوسرا معنیٰ پہلے معنیٰ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ وسیع ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ معنیٰ ،،مقاصدِ شرع،، میں سے کسی مقصد کا موقوف علیہ ہوتا ہے شرع کے کل مقاصد پانچ ہیں۔

(۱) حفظِ دیں (۲) حفظِ نفس (۳) حفظِ نسل (۴) حفظِ عقل (۵) حفظِ مال ۔۔اور علماء و فقہاء کے نزدیک ،،شئی،، کے مراتب بھی پانچ ہی ہیں مقاصد و مراتب اور دونوں کے مابین تلازم وتناسب کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔۔

علماء فرماتے ہیں مراتب پانچ ہیں ۔ضرورت،حاجت،منفعت،زینت ،اور ،فضول محققِ علی الاطلاق نے اسے ،اقسامِ اکل، میں دکھایا اور ضرورت یہ بتائی کہ بے اس کے ہلاک یا قریبِ ہلاک ہو اور حاجت یہ کہ حرج ومشقت میں پڑے باقیوں کی تعریف نہ فرمائی ۔مثال بتائی ۔منفعت ،گیہوں کی روٹی ،بکری کا گوشت ،زینت ،حلوا،مٹھائی ۔فضول،طعام شبہہ حرام ۔**ونقله في غمز العيون من قاعدة الضرر يزال واقتصر عليه** ۔فقیر بقدرِ فہم کلام عام کرے **فاقول** پانچ چیزیں جن کے حفظ کو اقامتِ شرائع الٰہیہ ہے دین وعقل ونسب ونفس و مال عبثِ محض کے سوا تمام افعال انہیں میں دورہ کرتے ہیں اب اگر فعل اگر ان میں سے کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے فوت یا قریبِ فوت ہو تو یہ مرتبہ ضرورت ہے جیسے دین کے لئے تعلیم ایمانیات وفرائض عین ۔عقل ونسب کے لئے ترکِ خمر وزنا ،نفس کے لئے ،اکل وشرب ،مال کے لئے کسب ودفع غصب وامثال ذالک ۔اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوقِ مشقت ،ضرر وحرج ہے تو حاجت جیسے معیشت کے لئے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں ۔ابتدائے زمانۂ رسالت میں مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا تھا ام

المومنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فرماتی ہیں ۔**والبيوت يومئذٍ ليس فيها مصابيح رواه الشيخان** ۔مگر عامہ کے لئے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعثِ مشقت وحرج ہے ۔اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفس فائدہ مقصودہ حاصل ہوتا ہے تو منفعت ہے جیسے ہر دالان میں ایک چراغ اور اگر فائدۂ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امرِ زائد زیب وزیبائش بقدرِ اعتدال کے لئے ہے تو زینت جیسے چراغ کی جگہ ،فانوس،اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط وتفریط من الحد ہے تو فضول جیسے کسی نیت محمودہ کے بغیر گھر میں چراغاں ۔۔۔ (فتاوی رضویہ جلد دہم نصف آخر ۔ص ۱۹۹)

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی مذکورہ توضیحات کو نہایت ہی غور سے پڑھیں ان میں ،ضرورت و حاجت ،کے معانی و مفاہیم بیان کر دیئے گئے ہیں ان کے علاوہ منفعت وزینت ،اور فضول کی تشریحات بھی پائی جاتی ہیں یہ وہ توضیحات ہیں جن کے ذریعہ جدید سے جدید تر اشیا کی شرعی حیثیت معلوم کی جا سکتی ہے بشرطیکہ کوئی بھی انسان انصاف ودیانت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے موڈ میں ہو وہ بھی کیا انصاف کر سکتا ہے جو انصاف کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں ۔۔لہٰذا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ،جاسوسی کیمرے کو مقاصد شرع اور مراتب شئی ،کے تناظر میں دیکھا جائے۔

تطبیقِ عمل۔

جاسوسی کیمروں کا جہاں اور جس مقام پر استعمال کیا جاتا ہے اس کے مقاصد درج ذیل ہیں

الف ۔۔۔دشمنوں کی حرکت وعمل پر نگرانی

ب ۔۔۔۔کسی بھی ناگہانی حادثہ سے بچنے کی احتیاطی تدابیر

ج ۔۔۔۔بغیر سوچے سمجھے کسی کے نقشِ قدم کی پیروی

د ۔۔۔سماج ومعاشرہ میں خود کو اعلیٰ طبقہ میں شمار کرنا

س ۔۔۔کارندوں کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کرنا

ص۔۔۔اساتذہ کے ذہن وفکر پرنفسیاتی جبروزیادتی

ط۔۔۔تدریسی عمل میں مداخلت کی تیاری

ع۔۔۔اساتذہ کی کارکردگی پرسوالیہ نشان

ف۔۔۔اپنی کوتاہی عمل پر پردہ پوشی

ق۔۔۔موہومہ رجحانات کافروغ وارتقاء

م۔۔۔غیرضروری کوضروری اورضروری کوغیرضروری قراردینا

ن۔۔۔اچھے بھلے اساتذہ کواسکی مرضی کےخلاف گناہوں میں ملوث کرناوغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں اغراض ومقاصدجو آپ کے روبرو پیش کر دیئے گئے ان میں سے کسی مقصدکاتعلق شریعت کے مقاصد سےنہیں جاسوسی کیمرے سے نہ دین کی حفاظت ہوتی ہے اورنہ ہی جان کی۔اسی طرح نسل وعقل کی حفاظت سے انکا کوئی تعلق ہےاورنہ ہی حفظ مال سے لہٰذا ثابت ہوا کہ جاسوسی کیمرے شریعت کے مطالبات سےنہیں تو پھران کیمروں کا استعمال کیوں کیا جائے؟اوراس کے جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟جن لوگوں نے اس کے استعمال پرکمرکس لی ہےان کے لئے مناسب تھا کہ ان کےاستعمال کرنے سے پہلےکم ازکم ان کیمروں کا شرعی جوازتو ڈھونڈ لیتے ؟تب کہیں جا کر اس کا استعمال کرتے ۔۔مقاصدِشریعہ مثلاً،دین ومذہب،عقل ونسل اور مال کی حفاظت کا یہ،موقوف علیہ،نہیں۔نہ شخصی طورپراورنہ ہی اجتماعی طورپرکہ اسکےاستعمال نہ کرنے کی صورت میں،مقاصدِشریعت، پرکوئی ضرب نہیں آتی اورنہ ہی ان کےفوت کا کوئی اندیشہ ہوتاہےاورنہ ہی کسی کے دل میں،فوت،کےقریب ہونے کا کوئی خیال پیدا ہوتاہےاورایسا بھی نہیں کہ اس کےاستعمال نہ کرنے کے سبب،قوم وملت ،سماج و معاشرہ اور ادارہ و جامعات کسی حرج و مشقت میں پڑجائیں۔اس بنیاد پرجاسوسی کیمروں کوضرورت کے دائرہ میں نہیں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ مقاصدِشریعت ہی،ضرورت،کےاسباب ودواعی ہیں جیسا کہ اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی نے

فرمایا۔عبثِ محض کے سوا تمام افعال انہیں میں دورہ کرتے ہیں اب رہی بات حاجت کی تو اس بارے میں عرض ہے کہ،لغت میں اس کا معنیٰ ،ضرورت ،غرض،مطلب بتایا گیا ہےمگر اصطلاحِ فقہاء کی نظرمیں ،حاجت،اگرچہ،مقاصدِشرع، میں سے کسی مقصدکا،موقوف علیہ نہیں لیکن اس کے،ترک، سے،حرج ومشقت، میں پڑجانے کا اندیشہ ہی نہ ہو بلکہ بالفعل پڑجائے جہاں ایسی کوئی صورت ہوتی ہےتو شریعت اسمیں ،سہولت ورخصت،عطا کرتی ہے اسبابِ رخصت درج ذیل ہیں۔

علم اصول سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ،اسباب تخفیف کل سات ہیں(۱)سفر(۲)مرض(۳)اکراہ(۴)نسیان(۵)جہل(۶)عمومِ بلوی(۷)نقص۔ان ساتوں اسباب میں سےکوئی سبب،جاسوسی کیمرے کےاستعمال کی وجہ نہیں بن سکتا ہےممکن ہےکوئی قابل ترین فرداپنی فکری قوتوں کو بروئے کارلاتے ہوئے،عمومِ بلوی اوراکراہ کواس کےاستعمال کی وجہ بتائے وہ اسطرح کی لاکھ کوشش کرےمگرکسی صورت میں وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہے جہاں تک جاسوسی کیمرے کےاستعمال کے سلسلہ میں عموم بلوی کی بات ہےتو میں یہ کہونگا کہ اس بارے میں عموم بلوی ہے ہی نہیں کہ آج بھی اس کے استعمال کا عام رواج نہیں ہےتو پھراس سےحرج عظیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہو......اب رہی بات،اکراہ کی تو یہاں اکراہ بھی نہیں اگراکراہ ہےتو بتایا جائے کہ یہ اکراہ کس کی طرف سے ہےحکومت کی طرف سے ہے یا اس کے کارندوں کی طرف سے یا پھر غیر سماجی عناصر کی طرف سے ہے اگر حکومت کی طرف سے ہےتو یہ سراسر مذہبی معاملات میں حکومت کی مداخلت ہوگی۔ہندوستان چونکہ جمہوری ملک ہے۔اس مداخلت کے خلاف احتجاج کیا جاتا ۔دھرنا دیا جاتا مگرایسا نہیں کیا گیا جونہایت ہی خطرناک بات ہے کیا اس سے پہلے،شاہ بانو کیس،بابری مسجد، کے سلسلے میں پردرشن نہیں کیا گیا تو پھراس مداخلت میں کیوں اس طرح کارویہ نہیں اپنایا گیا۔؟اوراگر یہ اکراہ کسی کارندہ کی طرف سے تھا تواس کی شکایت کسی بڑے

ادھیکاری سے کیجاتی۔ یہ شکایت بھی نہیں ہوئی اور اس کی بات آنکھیں موند کر مان لی گئیں ایک افسوسناک پہلو ہے کسی غیر سماجی فرد نے مجبور کیا تو اسکا مقابلہ کیا جاتا اور اس کی ہاں میں ہاں نہ ملائی جاتی۔ یہ اکراہ اگر واقعی اکراہ تھا تو اسے، ضرورت کی حد میں آنے کے لئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(وشرطه) اربعة امورٍ (قدرة المكره علىٰ ايقاع ما هدد به سلطاناً او لصاً) او نحوه (و) الثانى (خوف المكره) بالفتح (ايقاعه) ايقاع ما هددبه (فى الحال) بغلبة ظنه ليصير ملجأ (و) الثالث (كون الشئى المكره به متلفاً نفساً او عضواً او موجباً غماً يعدم الرضى) و هٰذا ادنىٰ مراتبه وهو يختلف باختلاف الاشخاص فان الاشراف يغمون بكلام خشن والا راذل ربما لايغمون الا بالضرب المبرح (و) الرابع (كون المكره ممتنعاً اكره عليه قبله) اما (لحقه) كبيع ماله (او لحق) شخص (آخر) كاتلاف مال الغير (لحق الشرع) كشرب الخمر (در مختار جلد خامس ص ٨٠)

ترجمہ۔ اکراہ کی چار شرطیں ہیں۔

(١) مجبور کرنے والا وہ کر گزرنے پر قادر بھی ہو جس کی وہ دھمکی دے رہا ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جب دھمکی دینے والا بادشاہ ہو، چور یا پھر چور ہی جیسا کوئی اور ہو ڈاکو، تشدد پسند، آتنک وادی، اور غیر سماجی عناصر بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔

(٢) مجبور افراد کو خوف ہو اور تہدید کے وقوع کا یقین بھی ہو کم از کم اس کا ظنِ غالب ضرور ہو۔

(٣) اس تہدید کا تعلق، ہلاکتِ جاں یا عضوِ انسانی سے ہو یا پھر تہدید ایسے غم واندوہ کا موجب ہو جو انسانی رضا و اختیار کو قطعی معدوم کردے اور یہ تہدید کا ادنیٰ درجہ ہے اور یہ شخصیتوں کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ اشراف بدکلامی ہی سے غمزدہ ہو جاتے ہیں

ان کے مقابلہ میں رذیل کی نوعیت الگ ہے کہ شدید ضرب ہی سے اسے کوئی غم لاحق ہوتا ہے۔

(٤) جس پر مجبور کیا جارہا ہے وہ اس کی نگاہ میں پہلے ہی سے ناپسندیدہ رہا ہو یہ ناپسندیدگی خواہ اس کے اپنے حق کی وجہ سے ہو جیسے کوئی اسے اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے یا دوسرے کے حق کی وجہ سے ہو جیسے کوئی کسی کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ کسی دوسرے کے مال کو ضائع کردے یا پھر شریعت نے اسے ناپسند قرار دیا ہو جیسے شراب کہ اسلام نے اسے حرام کہا اور کوئی اسے پینے پر مجبور کرے۔ میں بڑے ہی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ، جاسوسی کیمرہ، تصویر کشی، کا آلہ ہے اس دور میں جو اس کیمرہ کی وکالت کر رہے ہیں وہ بھی تصویر کشی کو حرام ہی سمجھتے ہونگے کیونکہ شریعت نے اسے حرام کہا ہے مگر اکراہ کی بقیہ شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں اس لئے یہاں اکراہ کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔

جاسوسی کیمرہ اور مراتبِ شئی

اہلِ سنت کے امام و معتمد اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی نے اپنی تحریرِ پُر تنویر میں فرمایا کہ شئی کے مراتب پانچ ہیں، ضرورت، حاجت، منفعت، زینت اور فضول۔ اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ، جاسوسی کیمرہ، کو، ضرورت یا حاجت، کے درجہ میں نہیں رکھ سکتے تو پھر ان دونوں کے تعلق سے جو اصول ہیں جاسوسی کیمرہ پر منطبق نہیں ہو سکتے مثلاً۔

الضرورات تبيح المحظورات الضرر يزال الحرج مدفوع المشقة تجلب التيسير وغيرهن

جن اربابِ فکر و دانش نے کیو ٹی وی، مدنی چینل اور جاسوسی کیمرہ کے استعمال کو ضرورت و حاجت کے تحت مباح و مستحسن قرار دیا ہے۔ انہیں اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے وہ اپنے تئیں کچھ بھی سوچ رہے ہوں مگر ان کی اس طرح کی باتیں کسی بھی دانشور کی فہم و فراست سے دور ہیں اور میں یہ بھی کہونگا کہ ان حضرات نے علم فقہ کی ان دونوں اصطلاحوں کو اس قدر ارزاں کر دیا ہے کہ اب نادان سے نادان تر بھی اس کا استعمال خوب دھڑا کے

سے کررہا ہے اور خود بھی اسکرین پر آنے کو نا کام تمناؤں کی مانند مضطرب رہتا ہے اور کچھ لوگ اسکرین پر آ بھی چکے ہیں خیر! یہ ان کا اپنا فعل ہے وہ جانیں انہیں کسی اور کو ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت؟ اب رہی بات منفعت اور زینت کی۔ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جاسوسی کیمرہ کو،منفعت،، کے درجہ میں رکھا جائے اور قیوٹی وی نیز مدنی چینل کو،زینت،، کے درجہ میں۔ کہ اس سے فائدہ مقصودہ کا حصول ممکن ہے کہ کوئی بھی اپنے کمرہ میں بیٹھکر مدرسہ وکالج اور نظام تدریس اور طریقہ تعلیم کو دیکھ سکتا ہے۔ یہی فائدہ مقصود ہے دوسری طرف اساتذہ وطلبہ کی تصویریں لینا اور پھر ان تصویروں کو اسکرین پر دیکھنا ممنوع ہے مدنی چینل والوں کا یہی مقصد ہے نا کہ ہم اپنی باتیں اور اپنے خوبصورت کارنامے دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہونچائیں اور خود بھی شہرت کی بلندیوں کو چھولیں چلئے۔ مان لیتے ہیں یہ تمام فائدے انہیں حاصل ہورہے ہیں مگر ان فائدوں کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی تصویر کشی کے مرتکب ہورہے ہیں اور اپنی تصویروں کو پوری دنیا میں ریلیز بھی کررہے ہیں جو شرعی ممنوعات میں سے ہیں......غرض یہ کہ جاسوسی کیمرہ کے استعمال اور مذکورہ چینلوں میں فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی۔ مصالح بھی ہیں اور مفاسد بھی۔۔ ٹھیک اسی طرح دوسری جانب وہ ہزاروں افراد ہیں جو تھوڑی سی معلومات کے لئے،مدنی چینل،دیکھتے ہیں جو تصویر کشی جیسی حرام چیز کے فروغ میں حصہ لے رہے ہیں اور تصویر دیکھنے کی حرمت کے مرتکب ہورہے ہیں یعنی مدنی چینل دیکھنے میں مصالح بھی ہیں اور مفاسد بھی۔ فائدہ بھی ہے اور گناہ بھی۔ اسلامی اصول ہے جہاں فائدہ بھی ہو اور گناہ بھی تو وہاں فائدہ کو نہ دیکھ کر گناہ والے پہلو کو ترجیح دی جائیگی الاشباہ والنظائر میں ہے۔

قاعدة خامسة وهي درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدةومصلحة قدم دفع المفسدةغالباً لان اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائيه بالماموررات و لذا قال عليه السلام اذاامرتكم بشئى فأتوا منه مااستطعتم واذا نهيتكم عن شئى فاجتنبوه(ص ۱۴۷)

پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ مفاسد سے بچنا حصول منفعت سے زیادہ بہتر ہے جب مفاسد ومصالح دونوں متعارض ہوں تو مفاسد کی دفاع کو مقدم رکھا جائے کہ شرعی منہیات کا اہتمام شرعی ماموررات کے اہتمام سے اولی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی چیز کے کرنے کا حکم دوں تو اسے حسبِ استطاعت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے بچو۔! اور ایک دوسری حدیث پاک میں ہے۔

لترک ذرة مما نهى الله عنه افضل من عبادةالثقلين.

کہ منہیات میں سے ایک ذرہ کو چھوڑنا جن وانساں کی عبادت سے افضل ہے مذکورہ بالاتحریرات کے پیشِ نظر،،کیوٹی وی مدنی چینل،،کا دیکھنا اور،،جاسوسی کیمرہ،،کا استعمال ناجائز وحرام ہی ثابت ہوتا ہے اس کے جواز کا کوئی پہلو سمجھ میں نہیں آتا۔ اور جن لوگوں نے اسکے جواز کے تعلق جو باتیں کہی ہیں وہ غیر شرعی اور محض جذبات پر مبنی ہیں واقعیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں مثلاً۔۔

(۱) بعض افراد نے یہ بات کہی کہ،،جدید ذرائع ابلاغ،،کو بروئے کار لاتے ہوئے پورا یورپ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ،تنقید اور نکتہ چینی کررہا ہے جس کے من میں جو آتا ہے بک دیتا ہے کبھی کسی مسئلہ پر تو کبھی کسی اور مسئلہ پر اس لئے ضرورت ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کے توسط ہی سے اس کا جواب دیا جائے۔

اہلِ یورپ کی تنقید کا جواب دیا جائے اور ضرور دیا جائے مگر اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ جواب ان کے انداز میں نہ دیا جائے بلکہ تبلیغ اور اصلاح کے انداز میں دیا جائے کہ رسول کریم ﷺ جسم اقدس پر ایک بڑھیا نے کوڑا ڈالا میرے سرکار ﷺ نے اس بڑھیا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ سب کو معلوم ہے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال کیجئے اور ضرور کیجئے لیکن،حدِ شرع سے تجاوز نہ کیجئے کہ تصویر کشی حرام ہے اس کے قریب بھی نہ جایئے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ جواب بھی،،دعوت وتبلیغ،،ہے اور یہ ہم پر واجب نہیں بلکہ مستحب

ہے جیسا کہ، ہدایہ اولیین،، میں ہے۔

ویستحب ان یدعوا من بلغته الدعوة مبالغةفی الانذار ولایجب ذلک..

یعنی جن لوگوں تک اسلام کی دعوت پہونچ چکی ہے انہیں بطور ترہیب دعوت دینا صرف مستحب ہے۔واجب نہیں ہے۔دعوت وتبلیغ جو صرف مستحب ہے اسکے لئے تصویر کشی کا مرتکب ہونا قطعی جائز نہیں اگر اسکے لئے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال ناگزیر ہی ہو تو تصویر کے علاوہ بھی اپنی باتیں پیش کر سکتے ہیں یہ تمام سسٹمس اس میں موجود ہوتے ہیں آخر کار یہ طریقۂ کار کیوں نہیں اپنایا گیا صرف اس لئے کہ لوگ اس میں زیادہ دلچسپی نہ لیں گے اور نہ ہی اسطرف رجحان بڑھیگا یہ صرف زینت ہے ضرورت وحاجت نہیں۔۔اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ،، زینت،، کسی شئی حرام کو مباح نہیں کرتی دوسری طرف وہ افراد جو مدنی چینل کے دیکھنے میں دلچسپی لیتے ہیں وہ بھی تھوڑی سی معلومات کے لئے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں یہ نہایت ہی حیرت کی بات ہے ہم سب مسلمانوں کو ان سب معاملات سے بچنا چاہئے۔

جاسوسی کیمرے کے نقصانات۔۔

دانشوری کا تقاضا ہے کہ کسی کام کو انجام دینے سے پہلے اسکے دونوں پہلوؤں پر خوب غور کر لینا چاہئے یعنی اچھائی کے پہلو پر بھی اور برائی کے پہلو پر بھی یہ دونوں ایک دوسری کی ضد ضرور ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ ساتھا اور شانہ بشانہ ہم رکاب ہوتے ہیں اس بنیاد پر میں کہونگا مدرسوں میں جاسوسی کیمرے کے استعمال سے قبل اس سے واقع ہونے والے نقصانات کا کم از کم جائزہ لے لینا چاہئے تھا اس سے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں؟ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

(۱) اساتذہ وطلبہ غیر شعوری طور پر، تصویر کشی، کے جرم میں گرفتار ہو جائیں گے

(۲) اس سے فاصلے بڑھیں گے کم نہیں ہونگے

(۳) مجلسِ منتظمہ اور اساتذہ کے مابین جس مؤدتِ خالصہ کا کارِ تعلیم تقاضا کرتا ہے وہ

شکوک وشبہات کے دائرہ میں جا پہونچتی ہے

(۴) جاسوسی کیمرے کے استعمال سے بے اطمینانی اور عدم اعتماد کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہوگا

(۵) تعلیم وتدریس کے لئے نفسیاتی طور پر جس خوشگوار کیفیت کا ہونا لازمی ہے وہ معدوم ہو کر رہجائیگی کیونکہ اساتذہ ومعلمین نفسیاتی طور پر، اجباری کیفیت سے دوچار ہونگے ایسی صورت میں تعلیمی نظام پر منفی اثر پڑے گا

(۶) جاسوسی کیمرے کے باعث بہت سی تہمتیں عوام وخواص میں پھیل جائیں گی ۔اول یہ کہ مدارس میں مسلکِ اعلیحضرت کیخلاف کام کیا جا رہا ہے دوم یہ کہ اراکین جامعہ اس کام میں ملوث ہیں سوم یہ کہ ہر ایک کی غلط نظر مدرسین کی طرف غلط اٹھے گی

(۷) عدم اعتماد کی یہ روایت مدارس تو مدارس رہے کسی بھی نظام کو رفتہ رفتہ کھوکھلا کر سکتی ہے یقینی طور پر اس سے نظام تعلیم بھی متاثر ہو سکتا ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہم کسی بھی صورت میں جھٹلا نہیں سکتے۔

(۸) جاسوسی کیمرہ کے استعمال کا مطلب اپنے ہی گھر کے افراد کو مشکوک ٹھہرانا ہے اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی نگاہ میں بھی انہیں مشکوک ٹھہرانا ہے

یہ کل نو نقصانات ہیں جو جاسوسی کیمرہ کے استعمال سے وجود پزیر ہو سکتے ہیں اس لئے ارباب فکر و دانش کی بارگاہ میں گزارش ہے میرے اس مضمون کا متانت وسنجیدگی سے مطالعہ کریں اور پھر شرعی اعتبار سے فیصلہ کریں میں، جدید ذرائع ابلاغ کا مخالف نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ استعمال سے پہلے شرعی حدود کے تقاضوں کو خاطر میں لائیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اونچی اُڑان کے ذوق وشوق میں خود ہم اپنے گھر کا راستہ بھول جائیں بس اسی گزارش کے ساتھ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

انیسواں باب

موضوع روایات

موضوع روایات

مسلک اعلیٰ حضرت میں اس قدر معنویت اور اس میں ایسی وسعت وکشادگی نظر آتی ہے کہ شاید ہی کسی اور کے یہاں یہ خوبیاں پائی جاتی ہوں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جس فن کو ہاتھ لگایا اسے معیاری بنادیا اور اس کے جسم و اعضاء کو اپنی فکری ،تحقیقی ،اور انفرادی تابانیوں سے نور افشاں کردیا۔ اعلی حضرت کی ذات وشخصیت میں ایک خصوصیت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اوروں کے یہاں تو فن اور اس کے تقاضوں میں فاصلہ دکھائی پڑتا ہے......مگر اعلی حضرت نے جس فن کو اپنایا اس کے تقاضوں کو اس کے قریب کر دیا اور اسے ہم دوش ثریا کر دیا......اس میں رعنائیاں پیدا کردی اور اس کے رنگ کو دوبالا کر دیا ...... یہ ان کے عشق کا کمال تھا اور انکی محبت کی جلوہ سامانیاں تھیں۔ قدرت نے ان رعنائیوں کو زبان عطا کردی اور بولنے کا سلیقہ عطا کردیا اسی لئے ان کا فن بولتا تھا......لوگوں کا ماننا ہے جڑی بوٹیاں بولتی ہیں اور یقیناً بولتی ہیں اس میں کوئی دورائے نہیں ہے لیکن ہمارا ماننا یہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے زیر سایہ جن علوم وفنون نے پرورش پائی ہے وہ بھی بولتے ہیں..... امام احمد رضا نے جہاں دوسرے موضوعات پر اپنی تحقیقات پیش کی ہیں ان میں موضوع

روایت بھی ہے جس پر امام احمد رضا نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ کس فن نے ان کی ذات سے کس قدر استفادہ کیا اس کا اندازہ اس فن کا مطالعہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اور میں یہ کہتا ہوں جس فن میں جس قدر ارتقاء کی صلاحیت تھی۔ اسی کے اعتبار سے ارتقاء کی جانب رواں دواں ہوتا رہا......جس فرد نے مسلک اعلیٰ حضرت سے استفادہ کیا۔ وہ کسی منزل پر دھوکہ نہیں کھا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے قلم میں کسی طرح کی کوئی لغزش آسکتی ہے......اس کے برخلاف اکثر دیکھا گیا ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت سے نظریں بچا کر گزر جاتا ہے وہ کہیں نہ کہیں ضرور دھوکہ کھاتا ہے اور اس کے قلم میں لغزش آہی جاتی ہے...... ہوسکتا کوئی ہماری اس بات کو صرف اور صرف عقیدت پر محمول کرے.....مگر ہم اسے اس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ آئے اور تجربہ کر کے دیکھ لے اسے خود سنگ وخشت اور ہیرے جواہرات میں فرق محسوس ہو جائے گا۔ اس بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے......ماضی قریب میں جام نور کے حوالہ سے بہت سی صحیح روایتوں کو ضعیف اور موضوع کہا گیا جس کی وجہ سے علمی اور فکری فضا میں تکدر پیدا ہو گیا اسی کے ازالہ کے لئے یہ مضمون ترتیب دیا گیا تھا جو ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں شائع ہو چکا ہے اسے یہاں قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے

غیر موضوع کو موضوع کہنا ایک لمحہ فکریہ

جو افراد دینی ومذہبی صحافت سے دلچسپی اور اپنے دل میں مذہبی ''رسائل و جرائد'' کے مطالعہ کا ذوق وشوق رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہماری جماعت میں کچھ ایسے افراد بھی پیدا ہو چکے ہیں جو تقریر وخطابت میں بیان کی جانے والی بعض'' روایتوں'' کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ انکا کہنا ہے یہ روایت موضوع ہے۔ وہ حدیث موضوع ہے یہ بات غلط ہے۔ اور فلاں روایت کا کوئی اتہ پتہ نہیں.... ایک صاحب نے فرمایا:

> اتنا ضرور ہوتا ہے عوام کا ایک طبقہ فضائل و کرامت پر مشتمل فرضی واقعات اور موضوع روایات سن کر اعمال حسنہ اور نماز پنج گانہ سے دور

ہوتے جارہے ہیں (ماہنامہ الجامعہ ماہ اگست)

یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں منظر عام پر آچکی ہیں یہ باتیں بہت سے اہل علم کو پسند نہ آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان باتوں پر ردعمل کی کاروائی شروع ہو چکی ہے۔ کسی نے موضوع قرار دی گئی روایتوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی اور پورے طور پر موضوع والے نظریہ کی مخالفت کی اس عمل اور ردعمل کے سبب ہماری جماعت میں اختلاف کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں اور ملی اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے اور ایک دوسرے سے لوگ نظریاتی طور پر جدا ہو رہے ہیں کوئی اس طرح کی کاروائی کو اپنے لئے اگر چہ باعث افتخار تصور کرتا ہو مگر سنجیدہ افراد کسی بھی صورت میں اسے جماعت کے حق میں پسند نہ کرے گا اور ہم خود بھی اسے پسند نہیں کرتے اسی لئے اس کے تعلق سے ہم بھی اپنا ردعمل آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں...... **ممکن** ہے یہ ردعمل مزاج یار کو پسند آجائے اور آئندہ بلا سوچے سمجھے کسی ''روایت'' کو ''موضوع'' کہنے کا سلسلہ بند ہو جائے...

موضوع کون کہے۔؟

کسی'' روایت/حدیث کو موضوع کہنے کا حق سب کو حاصل نہیں، بلکہ اس کے لئے پختہ صلاحیتوں کا ہونا بہت ضروری ہے اس کے علاوہ موضوع وہ کہہ سکتا ہے جو اسلامی کتب و تصانیف میں ''استقرائے تام'' کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہو اور اس کا دل خشیت ایزدی سے لبریز ہو اور اس بات سے لرزتا ہو کہیں اس کے کسی عمل سے کسی ذات کی طرف ''کذب بیانی اور دروغ گوئی'' منسوب نہ ہو جائے کہ جس طرح جھوٹ بولنا گناہ ہے اسی طرح کسی کو جھوٹا کہنا بھی گناہ ہے موضوع کون کہے اس کا تعین فرماتے ہوئے سیدنا اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی ارشاد فرماتے ہیں

> تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے یہ صرف اجلۂ حفاظ ائمۂ شان کا کام تھا جس کی

> لیاقت صد ہا سال سے معدوم۔

.....امام احمد رضا کی ذات و شخصیت لائق مدح و ستائش ہے کہ انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ حسرت و یاس اور ناامیدی کی ساعت میں انکی مذکور بالا تحریر امید کی کرن ثابت ہوئی کہ تقریروں میں بیان کیجانے والی بعض روایتوں اور حدیثوں کو موضوع قرار دیئے جانے پر اب گھبرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ موضوع کہنے کیلئے جس صلاحیت و لیاقت اور استعداد کی حاجت ہوتی ہے برسوں سے وہ معدوم ہو چکی ہے اور اگر کسی نے اس طرح کی یہ جرأت کی تو یہ بیجا جرأت ہوگی جو کسی بھی صورت میں لائق اعتناء نہیں....

پسِ منظر کیا ہوسکتا ہے ؟

یہ بات تو معلوم ہو ہی چکی ہے کہ دور حاضر میں کسی بھی روایت کو ''موضوع'' کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اس کے باوجود اسے موضوع کہا گیا۔ ظاہر ہے اس کے پسِ منظر کوئی نہ کوئی جذبہ ضرور ہوگا اور یہ جذبہ بھی ستائش کے قابل نہ ہوگا کہ ستائش کے قابل وہ جذبہ ہوتا ہے جو کسی ضرورت کے تحت ''عملی صورت'' میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال اب تک ذہن میں برقرار ہے کہ اس کا پس منظر کیا ہوسکتا ہے؟ ہر دانشور کو چاہئے کہ اس پر غور کرے اور اس جذبے کا تعین بھی کرے۔ اس سلسلے میں جب میں نے غور کیا تو اس کے پس منظر مجھے صرف دو جذبے ہی نظر آئے...

اولاً۔۔ یہ کہ ہماری جماعت کا علمی ماحول بڑا پرسکوں تھا اور ہر ایک خطیب اپنے فن خطابت کے رنگین جلوؤں سے اسلام وسنیت کی تبلیغ و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا ان کے حوصلے بلند اور عزائم پختہ تھے بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ ہماری جماعت کے خطیبوں نے ''حکومتِ وقت'' کو جھکنے پر مجبور کر دیا'' شاہ بانو کا کیس'' ہماری نگاہوں کے سامنے ہے مگر موضوع کے مسئلہ نے ان کی ہمت پست کر دی ان کے عزائم اور ارادوں کو متزلزل کر دیا۔

قارئین سے گزارش ہے امام احمد رضا کی محولہ عبارت کا نہایت ہی گہرائی سے مطالعہ کریں ،فکر وتدبر سے کام لیں اس سے مختلف قسم کے مسائل حل ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں بشرطیکہ کوئی انسان انصاف ودیانت اور جذبۂ خلوص سے کام لے۔ میں ان کی بات نہیں کررہا ہوں جو متعصب ہیں ...بلکہ ان کی بات کررہا ہوں جن کے حوصلے توڑ دیئے گئے اور جن کے جوش وخروش پر روک لگادی گئی اس لئے میں اس جذبے کو منفی جذبہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ جذبہ کسی اور کے لئے باعث افتخار ہوسکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ باعث افتخار نہیں بلکہ باعث شرم وندامت ہے۔

ثانیاً۔۔یہ کہ بذات خود یہ عمل ''موضوعی عمل'' ہے جو تعمیری جذبوں کے فقدان کے سبب تخریبی شعلوں کو بلند کررہا ہے۔ کیونکہ اس میں ''نخوت، تعلّی، خود نمائی، شخصی اظہار اور غیر پسندیدہ طریقے سے صلاحیتوں کی نمود پائی جاتی ہے۔ اگر خود کو نمایاں کرنے کا ارادہ ہی تھا تو اپنے اس ارادہ کو خوب بڑھاوا دیجئے مگر دوسروں کو نقصان پہونچانے کا ارادہ تو مت کیجئے کہ یہ بھیانک صورت حال ہے جس سے جماعت کے اندر ایک بھونچال سا آگیا اور ملی شیرازہ بندی بکھر کر رہ گئی جس سے ہر حال میں احتراز ضروری تھا اور آج بھی احتراز ہے حالانکہ اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ انسانوں میں بہتر وہ انسان ہوتا ہے جو اپنی انانیت اور انفرادیت پر ملی اتحاد اور جماعتی مزاج کو فوقیت اور ترجیح دے....

موضوع کیا ہے؟

لفظ ''موضوع'' اسم مفعول'' ہے اور ''وضع'' سے بنا ہے۔ لغت میں ''وضع'' کا معنیٰ ''اختراع، ایجاد اور گڑھا ہوا بتایا گیا ہے۔ اس اعتبار سے من گڑھت چیز کو ''موضوع'' کہا جائیگا۔ کسی بھی ''روایت'' کو موضوع کہنے کا مطلب اسے گڑھا ہوا بتانا ہے اور روایت کرنے والے کی طرف کذب ودروغ کی نسبت کرنا ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کسی ذات کی طرف کذب کی نسبت اسی وقت آپ کر سکتے ہیں جب کہ اس روایت کو موضوع کہنے کا علم ''علم

یقینی'' ہو اور ظاہر ہے کہ دور حاضر میں اس کے تعلق سے علم یقینی کا حصول قریب قریب ناممکن ہے تو پھر کس مونھ سے اس روایت کو ہم موضوع کہیں؟ کیا اس کا جواز ہمیں حاصل ہے؟ میں مانتا ہوں کسی روایت کو موضوع کہنے کے سلسلے میں ''ظنِ غالب'' بھی مفید وکار آمد ثابت ہو سکتا ہے مگر اس کے حصول کا کوئی ذریعہ بھی آپ کے پاس ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ روایت پیش کرنے والے راوی اور دور حاضر میں ''حکمِ وضع'' نافذ کرنے والے کے مابین کافی لمبا فاصلہ ہے اس فاصلہ کو پاٹنا ناممکن نہ سہی لیکن دشوار ترین ضرور ہے اس لئے ''حکمِ وضع'' کے نافذ نہ کرنے ہی میں راہ کی سلامتی ہے۔۔۔ گہرائی سے دیکھئے تو اب ہمارے سامنے صرف ''روایت'' ہے اس کے مضامین ومعانی اور الفاظ ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں جس پر غور وخوض کر کے ہم ''حکم وضع'' نافذ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کسی روایت کے موضوع بتانے میں روایت کے مضامین ومعانی اور الفاظ پر توجہ مرکوز کرنا ایک امر ضروری ہے اور اسی کو ہم ''وجوہِ موضوعیت'' قرار دیتے ہیں۔۔

وجوہِ موضوعیت

کسی بھی روایت کو موضوع بتانے سے قبل ہم درج ذیل پہلوؤں پر غور وفکر کریں گے۔

اول۔۔ یہ کہ ہم اس کے مضامین پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ کہیں اس کے مضامین قرآن وسنت متواترہ، اجماع قطعی الدلالۃ، تاریخ یقینی اور عقل صریح کے خلاف تو نہیں ہے اگر وہ روایت جس کے تعلق سے ہم ''موضوع'' ہونے کا فیصلہ لینے جارہے ہیں مذکور بالا اشیاء کے خلاف ہے تو ہمیں اس کے بارے میں موضوع ہونے کا فیصلہ لینے میں کوئی تأمل نہیں۔

دوم۔۔ یہ کہ اگر اس کے مضامین کسی کے خلاف نہیں ہیں تو اب ہم اس کے معانی پر فکر کریں گے اور دیکھیں گے کہ ''فی نفسہ'' اس کے معانی کیسے ہیں؟ کیا ان معانی میں قباحت وشناعت تو نہیں......اگر یہ معانی قباحت وشناعت پر مشتمل ہوتے ہیں تو ہم بلا کسی توقف کے

ہم اس روایت کوموضوع قرار دینے میں حق بجانب ہونگے کہ ایسے شنیع وقبیح معانی والے لفظوں کا صدور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو ہی نہیں سکتا ہے اور اگر معانی میں کوئی خرابی نہیں ہے تو اس روایت کوموضوع کہنا یقیناً انصاف ودیانت کے خلاف ہوگا۔۔

سوم۔۔یہ کہ مضامین ومعانی کی منزلوں کوعبور کرتے ہوئے اب روایت کے جملوں اور لفظوں پر توجہ مبذول کی جائیگی اور دیکھا جائیگا کہ اس کے جملے اور الفاظ کس نوعیت کے ہیں ؟ کیا اس کے الفاظ رکیک وسخیف ہیں اگر رکیک ہیں تو اس روایت کے موضوع ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے رکیک الفاظ میرے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکل ہی نہیں سکتے ۔تو پھر اس روایت کوموضوع نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے؟ ان کے علاوہ اور بھی وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر کسی روایت کوموضوع کہا جاسکتا ہے جو اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔اگر ایسی کوئی روایت سامنے آتی ہے جس کے مضامین قرآن وحدیث کے نہ خلاف ہیں اور نہ ہی اس کے معانی میں کسی طرح کی شناعت پائی جاتی ہے اور اس کے الفاظ بھی رکیک نہیں ہیں تو اس بارے میں ائمہ فن کے تین نظریئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔۔

پہلا نظریہ۔۔اسے بیان کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں اسے پڑھیئے اور غور فرمائیے۔۔

انکار محض ....یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاحکم وضع کی راہ نہیں اگر چہ راوی وضاع ،کذاب ہی پر اس کا مدار ہوا امام سخاوی نے ’’فتح المغیث شرح الفیۃالحدیث ‘‘میں اسی پر جزم فرمایا،فرماتے ہیں۔۔

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعدالاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحرتام الاستقراء غیر مستلزم لذالک بل لا بد معه من انضمام شئی مما سیاتی

یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور بایں ہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔۔مولانا علی قاری نے ’’موضوعاتِ کبیر‘‘ میں حدیث ابن ماجہ در بارۂ اتخاذ وجاج کی نسبت نقل کیا کہ اس کی سند میں ’’علی بن عروہ دمشقی‘‘ ہے ابن حبان نے کہا وہ حدیثیں وضع کرتا تھا: پھر فرمایا **والظاہر ان الحدیث ضعیف لا موضوع** ظاہر ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں....حدیث **فضیلت عسقلان** کا راوی ابو عقال ہلال بن زید ہے،ابن حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا ولہٰذا ابن جوزی نے اس پر حکم وضع کیا۔امام الشان حافظ ابن حجر نے قول مسدد پھر خاتم الحفاظ نے لآلی میں فرمایا:

ھذا الحدیث فی فضائل الاعمال والتحریض علی الرباط ،ولیس فیه مایحیل الشرع ولا العقل،فا الحکم علیه البطلان بمجرد کونه من روا یۃابی عقال لا یتجه،وطریقۃالامام احمد معروفۃفی التسامح فی فضائل الاحادیث دون احادیث الاحکام

یہ حدیث فضائل اعمال میں ہے،اس میں سرحد دارالحرب پر گھوڑے باندھنے کی تر غیب ہے اور ایسا کوئی امر نہیں جسے شرع یا عقل محال مانے تو صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی ابوعقال ہے باطل کہہ دینا نہیں بنتا امام احمد کی روش معلوم ہے احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں۔

نظریہ دوم۔۔۔کذاب ووضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذاللہ بہتان وافترا کرنا ثابت ہو صرف ایسے کی حدیث کوموضوع کہیں گے وہ بھی بطریق ظن نہ بر وجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اس کی

حدیث موضوع نہیں اگر چہ متہم بکذب و وضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے۔

الطعن اما ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه ما لم یقله صلی الله تعالی علیه وسلم متعمداً لکذالک او تہمته بذالک، الاول ہوالموضوع والحکم علیه بالوضع انما ہو بطریق الظن الغالب لا بالقطع،اذ قد یصدق الکذوب والثانی ہو المتروك ۔۔طعن یا تو کذب راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں۔۔۔اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی حدیث کو موضوع کہنا کس قدر دشوار معاملہ ہے اور کتنی کٹھن راہ ہے یہ سوچ انکی ہے جو''اصول حدیث'' کے تمام نشیب وفراز سے آشنا اور واقف تھے مگر اس علمی انحطاط وزوال اور قحط الرجال کے دور میں تھوڑی سی علمی شدھ بدھ کے آجانے سے''موضوع'' کہنے کو اس قدر سستا سمجھ لیا گیا کہ روایات کو موضوع قرار دینے میں بڑی فراخدلی سے کام لیا جارہا ہے اور موضوع کہنے کے اصول وضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ روایت موضوع ہے وہ حدیث موضوع ہے وغیر ذالک میری نگاہ میں یہ رویہ منفی ہے اور ضرور منفی ہے کسی بھی صورت میں مثبت نہیں ہوسکتا ہے اس لئے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اس پر روک لگائی جائے اور بے راہ روی کا سلسلہ بند کیا جائے

نظریہ سوم ۔۔کسی حدیث کے موضوع ہونے میں اختلاف واقع ہو کسی نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور کسی نے اس پر سے اس حکم وضع کو رفع کیا ہے اور یہ فرمایا ہے یہ حدیث کیونکر موضوع ہوسکتی ہے کہ اس کا راوی نہ کاذب ہے اور نہ ہی کذب سے متہم ہے اس طرح کا اختلاف کسی ایک حدیث میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس کی تعداد ہزاروں میں پہونچ سکتی

ہے جن احادیث میں محدثین در بارۂ وضع مختلف ہیں میں سمجھتا ہوں اس نوع کی حدیثیں بیان کرنے میں کوئی قباحت نہیں خواہ وہ احادیث تعلیمات میں بیان کی جائیں یا پھر تقاریر میں۔

(استفادہ از: فتاویٰ رضویہ جلد پنجم افادہ دہم)

اگر کسی بھی حدیث اور روایت کو موضوع یا ضعیف قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ کہ وہ سندِ خاص موضوع یا ضعیف ہے جس سند کے ذریعہ''متن حدیث''اس تک پہونچی ہے۔اس کا کوئی بھی اثر متن حدیث پر نہیں پڑیگا یہ صرف میرا اپنا عندیہ ہی نہیں بلکہ علماء کرام اور محدثین عظام بھی اسی طرف گئے ہیں۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے

افادۂ یازدہم۔۔بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سندِ خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے۔جو حدیث فی نفسہ ان پندرہ دلائل سے جنہیں ہم''وجوہِ موضوعیت'' کے ضمن میں بیان کرآئے ہیں منزہ ہو محدث اگر اس پر حکم وضع کرے تو اسے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اس سند پر جو اس وقت اس کے پیش نظر ہے بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم ہوتا ہے یعنی حدیث اگر چہ فی نفسہ ثابت ہے مگر اس سند سے موضوع، باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل ائمہ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے ناواقفوں کا وہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذھبی میں ہے:

ابراهيم بن موسیٰ المروزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما حديث''طلب العلم فريضة''قال احمد بن حنبل ''هذا كذب''يعنى بهٰذالاسنادو الا فالمتن له طرق ضعيفة..

ابراھیم ابن موسیٰ المروزی مالک سے، وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث''**طلب العلم فريضة**''کو کذب فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ورنہ اصل حدیث تو کئی ضعاف سندوں سے وارد ہے۔۔سیدی اعلیٰ حضرت کی مذکور بالا عبارت کا گہرائی سے مطالعہ فرمائیں

تنہا اس عبارت سے بہت سے مسائل حل ہورہے ہیں اور مشکلات آسان ہورہی ہیں۔اس کے بعد ایک اور عظیم نکتہ ابھی تشنۂ بیاں ہے جس کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ ہم اہل سنت" علمائے ربانیین اور صوفیان با صفا کا احترام کرتے ہیں ان کی تعلیمات وارشادات سے اکتسابِ نور وضیا کرتے ہیں اور فضائل اعمال میں ان کی بیان کردہ روایات کو معتبر جانتے ہیں ان کے کشف سے بھی "صحتِ حدیث" ثابت ہوتی ہے اس سلسلے میں حضرت فاضل بریلوی نے تحقیق انیق فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

اقول۔یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف ونامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب،عرفائے رب سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالیٰ **باسرارھم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارھم الجمیل** انہیں مقبول ومعتبر بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ تازہ احادیث لاتے جنہیں علماء اپنے زبر ودفاتر میں کہیں نہ پاتے ان کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار الٹے باعثِ طعن ووقیعت وجرح واہانت ہوجاتے، حالانکہ **العظمۃ للہ وعباد اللہ** ان طاعنین سے بدرجہا **اتقیٰ للہ واعلم باللہ واشد توقیاً فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** حالانکہ وہ ان طعن کرنیوالوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرور عالم ﷺ کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے تھے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم)

ہمارے علمائے ربانیین نے احادیث کے بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا اور رطب و یابس کو اپنے قریب پھٹکنے بھی نہ دیا اس کے باوجود ظاہر بیں محدثین نے ان پر طعن وتشنیع سے کام لیا اولیائے کاملین کے بارے میں ان کے کیا تأثرات ہیں؟ ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

التقرب الیٰ اللہ تعالیٰ : بوضع احادیث ترغب الناس فی الخیرات، واحادیث تخوفھم من فعل المنکرات، وھؤلاء الوضاعون قوم

ینتسبون الیٰ الزھد و الصلاح .وھم شر الوضاعین لان الناس قبلت موضوعاتھم ثقة بھم و من ھؤلاء ،میسرةبن عبد ربه، فقد روی ابن حبان فی الضعفاء عن ابن مھدی قال: قلت لمیسرةبن عبد ربه من این جئت بھٰذه الاحادیثمن قرأکذا فله کذا ؟قال وضعتھا ارغب الناس :

یعنی وضع کے دواعی میں سے "اللہ کا تقرب حاصل کرنا بھی ہے" جس کی وجہ سے نیکیوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے اور برائیوں کے ارتکاب پر خوف دلانے کے مقصد سے حدیثیں وضع کی گئیں یہ حدیثیں وضع کرنے والی ایک ایسی قوم ہے جو "زہد وصلاح" سے منسوب ہے اور یہ وضع کرنے والوں میں سب سے زیادہ برے ہیں کیوں کہ لوگوں نے ان کی گڑھی ہوئی احادیث کو ان پر بھروسہ کرتے ہوئے قبول کرلیا انہیں میں "میسرہ بن عبد ربہ" بھی ہے ابن حبان نے ابن مہدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے پوچھا تم یہ حدیثیں کہاں سے لائے؟ کہ جس نے ایسا پڑھا تو اس کے لئے ایسا ہے میسرہ نے جواب میں کہا: میں نے اسے گڑھا ہے تاکہ میں لوگوں میں رغبت پیدا کرسکوں۔الخ

یہاں پر "ڈاکٹر محمد الطحان کی بات ختم ہوتی ہے مگر مجھے ان کی مذکورہ عبارت ونظریہ پر کلام ہے کہ انہوں نے "اسباب وضع" کے بیان کرنے میں "تشدد وعصبیت اور تنگ نظری" سے کام لیا ہے فکر ونظر اور شعور وادراک بالائے طاق رکھ کر یہ عبارت تحریر کی ہے میں نہایت ہی معذرت کے ساتھ کچھ اپنی باتیں پیش کررہا ہوں:

کیا تقرب کو سببِ وضع قرار دینا صحیح ہے؟

وضع حدیث کے اسباب میں "تقرب الیٰ اللہ" کو سبب قرار دینا نہ صرف غلط ہے بلکہ غیر فکری اور غیر شعوری بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔میری سمجھ میں نہیں آتا علم حدیث میں استاذ کی حیثیت رکھنے والا ایسا دانشور اور فکر وشعور کی بلندی پر فائز ہونے والا ایسا مفکر اس قدر غیر معیاری رویہ سے کام لے رہا ہے۔اس بات پر مجھے افسوس بھی ہے اور

حیرت بھی۔انہوں نے کیا غلطی کی؟ اور کہاں غلطی کی؟ اس بات کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

الف۔ عام طور پر ''سبب'' سے ''علت مؤثرہ'' مراد لی جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں علت پائی جائیگی وہاں ''معلول'' کا وجود لازم وضروری ہوگا لہٰذا مسئلہ ہذا میں بھی ''تقرب الی اللہ'' کو ''علتِ مؤثرہ'' کے طور پر دیکھا جائے تو میں کہونگا کہ ''مرفوع، موقوف، مرسل'' احادیث کے بیان کا مقصد بھی ''تقرب الی اللہ'' ہے تو کیا اس بنیاد پر یہ حدیثیں بھی ''موضوعات'' کے دائرہ میں داخل ہو جائینگی؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس دائرہ سے ان احادیث کو کوئی نکالنے والا نہیں..

ب۔اور اگر ہم اسے ''علت مؤثرہ'' نہیں بلکہ اتفاقیہ طور پر اسے ''سبب وعلت'' قرار دیتے ہیں تو اس صورت میں یہ بتانا ضروری ہوگا کہ اس کی وجہ سے کہاں حدیث موضوع ہوگی اور کہاں موضوع نہ ہوگی؟ اس کی وضاحت کی جائیگی؟

ج۔اسی طرح اسے ''سبب و علت'' قرار دینے کی صورت میں خود ''علم اصول حدیث'' کے ماہرین بھی شکوک وشبہات کے گھیرے میں آجائیں گے کیونکہ یہ جو بھی علمی فنی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ''تقرب الی اللہ'' ہے تو کیا ان کی ساری کوششیں موضوع ہو جائیں گی؟ یہ ایرادات اس لئے وارد ہو رہی ہیں کہ ڈاکٹر محمد الطحان صاحب نے موضوع روایتوں میں اسے بھی شامل کرلیا جس میں وضع کی علت بنانے کی صلاحیت ہی نہیں ان پر لازم ہے وہ یا تو اپنی بات واپس لے یا پھر اپنے جیب وگریباں کی رفو گری کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلے۔۔

خلط مبحث کا ذمہ دار کون؟

تقرب الی اللہ کو ''وضع'' کی علامت قرار دینا گویا ''خلط مبحث'' کی ذمہ داری اپنے سر مول لینے جیسی ہے۔ یہ بات تمام اہل فکر پر روشن ہے کہ خلط مبحث کسی بھی صورت میں اور کسی کے لئے بھی مناسب نہیں جس طرح ''اصول حدیث'' ایک الگ فن ہے اسی طرح ''علم

تصوف'' بھی ایک الگ فن ہے ہر فن کی طرح اس کی بھی الگ اصطلاحیں ہیں۔اس فن میں بھی کسی روایت یا کسی حدیث کی صحت کو جاننے کے الگ طریقے ہیں جس طرح اصول حدیث میں صحت کے الگ طریقے ہیں ماہرین کو اپنے اپنے فن کے دائرہ میں رہنا چاہئیے ایک دوسرے کی سرحد میں کسی کو داخلہ کی قطعی کوئی اجازت نہیں، پتہ نہیں ''الطحان'' صاحب کس طرح اپنی سرحد عبور کرکے دوسرے کی سرحد میں داخل ہو گئے۔اصول حدیث کے جو سچے ماہرین تھے انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں کہی جیسی الطحان صاحب نے کہی۔اصول حدیث کے سابق ماہرین کے نظریات میں ''تقرب الی اللہ'' بطور علامت شامل ہی نہیں اس لئے اس طرح کی شمولیت اور اس کی بنیاد پر کسی بھی حدیث کو موضوع قرار دینا عصبیت اور تنگ نظری کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ تھوڑی دیر کے لئے محدثین کی نظریں تو دھوکہ کھا سکتی ہیں مگر علمائے ربانیین کی نظریں کچھ الگ انداز کی ہوتی ہیں۔اس لئے ان کے یہاں اس طرح دھوکہ کھانے کی روایت بہت کم ملتی ہے جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں اس لئے میں دور حاضر میں بزرگوں کی روایات پر تیکھی نظریں ڈالنے والوں سے کہونگا آپ اپنے فن کو دیکھئے دوسروں کے فن پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں اور اگر آپ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں تو پھر آپ جس فن پر گفتگو کررہے ہیں اس فن کی نزاکتوں کا ضرور دھیان میں رکھیں صرف ایک صاحب ''میسرہ بن عبدربہ'' کی بنیاد پر ''تقرب الی اللہ کو وضع کی علامت قرار دینا کون سی دانش مندی ہے اور کیسی دانشوری ہے؟ کہ اس طرح کے لوگ ہر فن میں پائے جاتے ہیں خواہ وہ ''فن اصول حدیث'' ہی کیوں نہ ہو؟

علم باطن کی فوقیت

یہ حقیقت ہے کہ تمام علوم ظاہری پر ''علم باطن'' کو فوقیت حاصل رہی ہے اس علم کے ماہرین نے صفائے قلب، تزکیۂ نفس، تشحیذ اذہان اور پاکیِ داماں کے سبب وہ بلند مرتبے حاصل کرلئے کہ علوم ظاہری کے دلدادگان ان سے بہت پیچھے رہ گئے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے

یہاں رسول کریم ﷺ کی ذات پاک کی طرف کسی قول یا فعل کی نسبت کرنے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اس لئے میں کہتا ہوں ان کے بیان کردہ کسی بھی روایت یا حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگانا نہ صرف غلط ہوگا بلکہ اسے عصبیت اور تنگ نظری سے تعبیر کیا جائے گا۔ ذرا آپ خود ہی سوچیے میں یہ کیسے کہدوں؟ کہ یہ پاک داماں افراد وہ فرمائیں گے جسے میرے سرکار ﷺ نے نہ فرمایا ہو ان کے بارے میں ایسا کہنا تو درکنار خیال کرنا سوچنا بھی ''سوء ادبی'' کے مترادف ہوگا۔ بزرگوں کی تعلیمات و ارشادات کا مطالعہ کیجیے تو آپ بخوبی اندازہ لگالیں گے کہ ان میں بہت سی ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن کی صحت کے بارے میں محدثین عظام شکوک وشبہات میں گھرے پڑے ہیں حالانکہ اُنہیں ان کے صحیح ہونے کا پورا پورا یقین اور مکمل بھروسہ تھا کہ علمائے ربانین کا علم زندہ و تابندہ تھا...... قدیم زمانے میں بھی کچھ ایسے افراد تھے جنہوں نے بزرگوں کی ان تعلیمات کا انکار کیا تو حضرت بایزید بسطامی نے انہیں اس بات کا کرارا جواب دیا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں: بالجملہ اولیاء کیلئے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع واعلیٰ ہے ولہٰذا حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقدس سرہ السامی نے اپنے زمانے کے منکرین سے فرمایا: **قد اخذتم علمکم عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت** یعنی تم نے اپنا علم سلسلۂ اموات سے حاصل کیا اور ہم نے اپنا علم حی لا یموت سے حاصل کیا۔ حضرت بایزید کے دور میں جب منکرین نے سر اٹھایا تو ان کی سرکوبی کے لئے آپ نے قلم کی توانائی صرف کی اس طرح کی کوششیں آج بھی کی جارہی ہیں کبھی وضع کے اسباب میں بیجا تبدیلی کر کے اور کبھی تقریری روایات کو موضوع قرار دیکر تو پھر اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے تاکہ یہ وبا عام نہ ہوجائے اور پانی سر سے اونچا نہ ہوجائے اسی نیک مقصد کے تحت میں نے بھی قلم پکڑنے کی کوشش کی ہے

تقریری روایات کی حیثیت

جو افراد فن تقریر و خطابت سے ذوق وشوق رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تقریر

، خطابت بزرگوں کی تعلیمات، ارشادات اور ملفوظات سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ علم اصول حدیث سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ کوئی بھی خطیب کرسئ خطابت پر جلوہ فرما ہو کر وہ اصول حدیث کی نزاکتوں کا پاس ولحاظ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اپنے بزرگوں کی تعلیمات سے اکتساب فیض کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ انہیں تعلیمات کی رعنائیوں سے خود کو بھی مزین کرے گا اور اسی کے اصولوں پر بھی چلے گا۔۔

مگر افسوس اس بات پر ہے آج ان کے پر کُترے جارہے ہیں ان کے حوصلوں کو پست کیا جارہا ہے اور بلند ارادوں کو پا بہ زنجیر۔ دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں تقریر میں جو بھی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ کسی بھی زاویہ سے موضوع نہیں ہیں علم حدیث کی کتابوں میں کسی روایت کے نہ پائے جانے اور فن اصول حدیث میں کسی روایت کو موضوع کہنے سے موضوع نہیں ہوگا بلکہ موضوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مضمون، معانی، لفظوں اور اس کے اسلوب بیان کو بھی دیکھے۔ جو ان پہلوؤں کو نظر انداز کررہا ہے۔ وہ قصور فہم کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہے۔ صحیح راستہ کی تلاش میں تو ہے مگر اسے راستہ نہیں مل پارہا ہے جس کی وجہ سے اناپ شناپ باتیں نوک قلم سے نکل کر صفحۂ قرطاس کی زینت بن رہی ہیں اور اسلاف واکابر کی شخصیتوں کو مجروح کررہی ہیں یہ کوئی نظریاتی بات نہیں جس کے لئے کوئی دلیل اور حجت پیش کی جائے بلکہ یہ بدہیات ومشاہدات میں سے ہے جو بذات خود روشن وتابناک ہوتی ہے اور اسے دلائل وبراہین کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔

قابل استناد کتابیں

علم ایسی بابرکت چیز ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے اس کا فیضان برابر جاری وساری رہتا ہے یہ اور بات ہے اس کا فیضان کبھی افراد ورجال کے روپ میں دکھائی پڑتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں۔ ہر دور میں اس کی یہ کیفیت برقرار رہتی ہے کسی دور میں انجمادی کیفیت سے متصف نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوجائے تو یہ مانا جائیگا کہ اس کا سلسلۂ فیض بند

ہوگیا۔خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے ...... ہم اہل سنت پر آج بھی ہمارے اسلاف کا علمی روحانی فیض و برکت جاری ہے اور انہیں کے فیوض و برکات ہماری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہیں دور حاضر میں ہمارے اکابر اور ان کی کتابیں قابل استناد ہیں ،لائق اعتماد ہیں ان کی کتابوں سے جو روایت بیان کی جائیگی وہ روایت موضوع نہیں صحیح ہوگی کیونکہ یہ کتابیں بھی اسلامی کتب وتصانیف میں شامل ہیں خواہ وہ کتاب ''خطباتِ محرم'' ہو یا ''معارج النبوۃ'' ہو''خصائص الکبریٰ'' یا'' روح البیان'' ہو''نزہۃ المجالس'' یا'' تفسیر سورۂ الم نشرح'' ہو۔ان مذکورہ کتابوں کے حوالہ سے جو روایت بیان کی جائیگی ہم کیا کوئی بھی اسے موضوع کہنے کو تیار نہیں ہوگا کہ ان میں جو روایت ہے اسے موضوع ثابت کرنا ٹیڑھی کھیر ثابت ہوگا کہ روایت میں اصل اس کا صحیح ہونا ہے اسے موضوع ثابت کرنے کیلئے دلیل و برہان چاہئیے یہ دلیل و برہان یہ ہو سکتے ہیں۔

الف۔۔واضع خود اس بات کا اقرار کرے کہ یہ حدیثیں انہوں نے گڑھی ہیں دور حاضر میں یہ اقرار نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے میں سمجھتا ہوں کسی بھی کتاب میں اس طرح کی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی ہے یہ ایک حقیقت ہے پھر اس دور میں لوگوں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ اس طرح کی حدیثیں تلاش کرے اور انہیں بیان کرے۔

ب۔۔اسی طرح ہمارے اکابر کی کسی بھی کتاب میں ایسی کوئی روایت تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی جس کا مضمون قرآن مقدس اور سنت متواترہ کے مخالف ہو اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے وہ اس کی نشاندہی کرے صرف زبانی دعویٰ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

ج۔۔اور نہ ہی کوئی ایسی روایت ملتی جو غلط معانی پر مشتمل ہو جس کی نسبت سرکار کی ذاتِ تطہیر کی طرف کرنا ممنوع ہو۔

د۔۔ہمارے اکابر نے بڑی ہی چھان پھٹک کر کتابیں لکھی ہیں۔اس لئے ان کی کسی بھی کتاب میں ایسی روایت کا ملنا بہت زیادہ دشوار ہے جس کے ایسے رکیک الفاظ ہوں جن کا

صدور میرے سرکار سے **ممکن نہ ہو**...... جب ہمارے اکابر کا یہ حال ہے تو پھر انکی کتابوں کے حوالے سے جو روایت بیان کی جائیگی اسے موضوع کیوں کر قرار دیا جائیگا؟ کسی بھی کتاب میں موضوع روایات کا بیان کیئے جانے سے کسی خاص روایت کو موضوع قرار دینا نہ صرف غلط ہے بلکہ ایسا کہنا سبب تضحیک بھی ہے اور لائق مذمت بھی۔خدا خیر کرے ایسے قلم کا جو اٹھتا ہے تو اکابر کی گردنوں پر چلتا ہے جو نہ شرم وندامت سے آشنا ہے اور نہ ہی خاکساری اس کی فطرت ہے اسی طرح نہ اسے کسی کی آبرو کا خیال ہے ایسا آزاد خیال قلم کس کام کا جو اپنوں کی گردن اڑا دے اور خود اپنی شخصیت کو بھی لہولہان کردے دنیا خواہ اسے سلام کرے اس کی پذیرائی میں آسمان وزمیں ایک کردے مگر اہل فکر کے نزدیک وہ لائق التفات بھی نہیں ہے۔

چندروایتیں جنہیں موضوع کہا گیا حالانکہ وہ۔

الف۔۔حسنین کریمین کے تعلق سے'' دوتختیوں'' والی روایت کو بھی موضوع کہا گیا ہے جب اس روایت کو کسی بھی زاویہ سے موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اس روایت کو امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام الصفوری الشافعی جو نویں صدی ہجری کے زبردست اور معتبر عالم دین ہیں انہوں نے اپنی کتاب'' نزہۃ المجالس جلد دوم میں علامہ نسفی کے حوالہ سے بیان کیا ۔یہ روایت بہت سے علماء اور دانشوروں کی نظر سے بھی گزر چکی ہے یہی روایت دور حاضر کی ایک معتبر کتاب'' خطبات محرم'' میں علامہ جلال الدین صاحب امجدی علیہ الرحمۃ نے نقل فرمائی جب کوئی روایت کسی کتاب میں پائی جاتی ہے تو اسے موضوع نہیں کہہ سکتے ہاں اسے موضوع قرار دینا اسلاف بیزاری ضرور ہے

د۔۔کنکریوں کا کلمہ پڑھنا معجزات کے زمرے میں آتا ہے جیسے شجر وحجر کا تسبیح پڑھنا اور سرکار کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنا معجزات کے زمرے میں آتا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ معجزات دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں تو کنکریوں کا کلمہ پڑھنا بھی انہیں دلائل سے ثابت ہوگا۔کم از کم اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسے محالات ومستبعدات کے صف میں نہیں

رکھا جا سکتا ہے اور یہ بھی فکر وشعور سے لگتی ہوئی بات ہے جب کوئی روایت کسی اصل کے تحت آجائے تو موضوع بتانا نہ صرف غلط ہے بلکہ فکر ونظر کے قطعی خلاف ہے جہاں تک اس کی سند اور حوالہ کی بات ہے اس سلسلہ میں میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ روایت ''الخصائص الکبریٰ'' میں ہے اس کے علاوہ تقریر وخطابت کی بہت سی کتابوں میں بھی ہے کون سی کتاب معتبر ہے اور کون سی معتبر نہیں؟ اس سلسلہ میں ابھی کسی نے ُطے نہیں کیا ہے...... ہوسکتا ہے جو آپ کی نگاہ میں غیر معتبر ہے کسی اور کی نگاہ میں معتبر ہو اور جسے آپ معتبر سمجھ رہے ہیں وہ کسی اور کی نگاہ میں غیر معتبر ہو صرف حدیث ہی کی کتابوں میں روایت کے ملنے پر اعتباریت کی سند عطا کرنا اعتباریت کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا اس طرح کا نظریہ کسی تاناشاہی نظریہ سے کم نہیں کہ خطابت ایک الگ فن ہے ایک علیحدہ ملکہ وقدرت ہے اس کا بھی ایک ضابطہ ہے اصول ونظریہ ہے ہوسکتا ہے اس کے اپنے اصول کے اعتبار سے وہ روایت درست ہو اس بات کو محدثین بھی سمجھتے ہیں اس لئے انہیں اپنے نظریے میں یہ لچک پیدا کرنی پڑی کہ باب فضائل میں ضعیف احادیث بھی قابل قبول ہیں کلمہ پڑھنے کی روایت زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے بہر حال وہ موضوع نہیں ہے اس لئے اس کے بیان کرنے میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں موضوع ہونے کے اصول وضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں اور ''انطباقی عمل'' بھی آپ کے روبرو ہے۔ اس کا مطالعہ کریں اور روایات کو ان کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ اس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو سرور نصیب ہوگا اور آپ یہ محسوس کریں گے کہ ہندوستان کی علمی فضاؤں میں جس طرح کا حزم واحتیاط، اور کمال ادب پایا جاتا ہے کسی دوسرے ملک کی علمی فضا میں یہ بات نہیں ہے یہی سبب ہے کہ ہم موضوع کو بھی بڑے احتیاط سے موضوع کہتے ہیں اور دوسرے لوگ صحیح کو بھی موضوع کہنے سے شرم و عار محسوس نہیں کرتے یہ صرف انفرادیت کا قصور نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعیت، تہذیب، ثقافت اور نوع مزاج کا بھی قصور ہے جس علمی فضا نے اس نخوت علم وفکر کی نشو ونما کی وہ کوئی دودھ سے دھلی

فضا نہیں ہے اس میں بھی کہیں نہ کہیں کمی ضرور ہے بہت زیادہ حد تک اس کا احساس اب ہندوستانی دانشوروں، مفکروں اور علماء کرام کو دھیرے دھیرے ہوتا جا رہا ہے۔۔ جو افراد تقریری روایات کو موضوع بتا رہے ہیں ان کا قول نفی کی منزل میں ہے جس کی کوئی دلیل و علامت نہیں اور کسی کتاب میں انہیں اس روایت کا نہ ملنا اہل علم کے نزدیک یہ کوئی دلیل نہیں اسی لئے یہ نفی متعارض نہیں حد تو یہ ہے کہ اس میں تعارض کی قوت واستعداد بھی نہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ اس طرف قطعی کوئی دھیان نہ دیا جائے اور نہ ہی اس سے گھبرانا چاہیئے کہ علمی فکری میدان میں اس طرح کے حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں...... میں آخر میں اپنے علم دوست افراد سے گزارش کرونگا کہ اس مضمون کا دلجمعی سے مطالعہ کریں اور فکر وتدبر سے کام لیں ۔۔۔۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحیح اور مستند روایات کو موضوع قرار دینا اسی میخانے کی لغزش ہے جس میخانے میں لغزشات کو فنون کے درجے میں رکھا جاتا ہے اور حقائق و بصائر سے نظریں چرائی جاتی ہیں حیرت بالائے حیرت ان تقدس مآب شخصیتوں پر ہے جو اس طرح کے سرابوں کو بھی آب زلال تصور کر بیٹھے ہیں اور سر سے سر ملا کر انہیں کی بولی بول رہے ہیں شاید انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ ہمارے اسلاف بہر حال اسلاف ہیں ان کی روش سے انحراف اختیار کرنا نا قابل اعتبار ہے اور لائق مذمت بھی۔۔ یہ حقیقت ہے کہ غیر موضوع کو موضوع قرار دینا ضرور ایک لمحۂ فکریہ ہے افراد اہل سنت کے لئے اور جماعت اہل سنت کے لئے بھی۔ کہ جدید نظریات کے حاملین کے منھ کو اسلاف بیزاری اور بزرگوں کی روش سے انحراف کا خون لگ گیا ہے اسی لئے آئے دن نت نئے حملے کر رہے ہیں اور ان کی کوششوں پر پانی پھیر رہے ہیں لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی اس روش پر قدغن لگایا جائے اور انہیں اس بات سے روکا جائے تاکہ اسلاف کے رویوں کے تئیں ہماری ہمدردیاں برقرار رہیں اور ہم انکے خوشہ چیں بن کر رہیں کہ اسی میں راہ ورسم کی سلامتی ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے احباب اس لمحۂ فکریہ کو یقینی طور پر لمحۂ فکریہ تصور کریں گے۔۔۔۔۔

بیسواں باب

جماعتی انتشار کا ذمہ دار کون؟

جماعتی انتشار کا ذمہ دار کون؟

کہا جاتا ہے،، تاڑنے والے قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں اور لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لیا کرتے ہیں،، کہنے والوں نے بڑی ہی سچی بات کہی ہے اور خدا لگتی بات کہی ہے۔ دور حاضر میں بھی ایسی ہی نگاہ کی ضرورت ہے۔ ہماری جماعت میں کوئی تو ایسا ہو جو پل پل بدلتے،، جماعتی مزاج،، پر نگاہ رکھے اور اپنی چشم بصیرت سے اس بات کا احساس کرے کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ اور کل آئندہ کیا ہوگا؟ کیا ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کی کمی ہے؟ اور کیا ہماری ایسا کوئی فرد نہیں ہے؟ جو مستقبل کے خطرات کا احساس کر سکے اور ملت اسلامیہ کو ان خطروں سے بچا سکے...... جماعت اہل سنت کے ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس بارے میں سوچے اور خطروں سے نپٹنے کے لئے اپنے اندر حوصلہ پیدا کرے اور اپنے خوابیدہ شعور کو جگائے..... آج جماعت کس ڈگر پر چل رہی ہے؟ اور کہاں جارہی ہے؟ اس بات کا کسی کو احساس تک نہیں جسے دیکھئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائے ہوئے ہے کسی کو کسی پر اعتماد نہیں..... کسی پر بھروسہ نہیں...... ہر ایک چھوٹا منھ زوری پر اترا ہوا ہے شہ زوروں جیسی باتیں کر رہا ہے قلم پکڑنے کا تھوڑا شعور کیا آیا کہ خلاؤوں میں آشیاں تعمیر کرنے لگا اور ہمالہ کی

چوٹی سیر کرنے کا خواب دیکھنے لگا اور پھر یہ سمجھنے لگا کہ ہمارے سامنے سبھی علماء بونے ہیں۔ انہیں ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ مدرسوں میں انسانیت کی تعمیر نہیں کی جاتی ہے بلکہ ہر ایک طالب علم کی زندگی برباد کی جاتی ہے اور مدرسوں کی چہار دیواری میں دم گھٹتا ہے...... یہاں رشد و ہدایت اور تبلیغ کی راہیں مسدود ہیں..... ہاں اگر کہیں،، خضر راہ،، نصیب ہوتا ہے تو وہ کالجوں اور اسکولوں کے ماحول میں ہوتا ہے۔ آزاد فضاؤں میں قلب و ذہن کو طراوت ملتی ہے۔ بچوں کا نصیبہ بیدار ہوتا ہے...... یہ وہ نظریہ اور سوچ ہے جو انسان کو منفی کی طرف لے جاتی ہے۔ مثبت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس نظریہ کے تحت جس قدر بھی اقدامات کئے گئے ان اقدامات نے دوریاں بڑھائیں..... فاصلے کشادہ کئے اور خلیجوں کو اس قدر وسیع کر دیا کہ اب اس کا پاٹنا مشکل ہو گیا۔ ایسی ہی منفی سوچ ہوتی ہے جو نہ صرف فردیت کو نقصان پہونچاتی ہے بلکہ جمعیت کو بھی نقصان پہونچاتی ہے اور انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی ہے۔ ذیل میں اسی نظریہ کے نقصانات پیش کئے جارہے ہیں۔ ان نقصانات کو بیان کرنے کا مقصد کسی پر تنقید کرنا نہیں اور نہ ہی ہم کسی شخصیت پر کیچڑ اچھالنا پسند کرتے ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی جماعت کے ذی فہم افراد کے روبرو اس لئے پیش کر رہیں تاکہ یہ افراد اچھے اور برے کے مابین امتیاز کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کریں اور ہم اپنی بکھری ہوئی ہمت کو جٹا کر اپنے آپ میں کوئی فیصلہ لینے کی طاقت و توانائی لاسکیں۔ اب ان نقصانات کی تفصیل ملاحظہ کریں

الف...... اسلاف بیزاری...... ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے بڑوں کا احترام کریں۔ ان کی عزت بجالائیں۔ ان کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ان کے اقوال وارشادات کی گہرائیوں میں اتر کر ایسے تاباں و درخشاں موتیوں کو دستیاب کریں جن کے ذریعہ اپنی آئندہ زندگی کی تاریک راہوں کے لئے اجالے حاصل کریں۔ جب تک ہم اور ہماری ملت کے افراد گزشتہ سے پیوستہ نہ ہونگے اس وقت تک ہم صراط مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم نجات کی راہ چلنا چاہتے ہیں اور اپنے مستقبل کو تابندہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم

اپنے اسلاف کے کارناموں سے سبق حاصل کریں۔ان کے متعین کردہ خطوط پر چلنے کی عادت ڈالیں اور اپنی حیات کا شیوہ بنائیں۔اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

میں نے ایسے بہت سے افراد کو دیکھا ہے جنہوں نے ماضی سے رشتہ توڑا تو کہیں کے نہ رہے۔نہ ان کا وجود اپنے لئے رہا اور نہ ہی ان کا وجود کسی اور کے کام آیا۔وہ ایک عام آدمی بن کر رہ گیا۔نہ سماج نے اسے قبول کیا اور نہ ہی معاشرہ میں اس نے عزت کی زندگی پائی .....کیا آپ اپنے اسلاف سے بیزار ہو کر اسی طرح کی زندگی جینا چاہتے ہیں؟اگر بات کچھ ایسی ہی ہے تو پھر ہمیں آپ کو مشورہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ہمارا ماننا ہے ہم اسلاف کی راہوں سے منحرف ہو کر اور اپنی بنائی ہوئی نئی پگڈنڈی پر چل کر کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ہیں.....اسلاف شناشی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی زندگی کا سرسری مطالعہ کرتے ہوئے ہم گزر جائیں۔؟ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کارناموں سے عبرت حاصل کی جائے اور ان کی تعلیمات وارشادات کی روشنی میں اپنی زندگی کو ڈھالا جائے۔ٹوپی تو ایک کانگریسی لیڈر بھی لگاتا ہے اور ایک عالم دین بھی پہنتا ہے مگر ان دونوں کے ٹوپیوں اور اس کے پہننے میں بڑا فرق ہے۔اسلاف شناشی میں تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف میں پہلے وہ آتا ہے جو اس دنیا میں ہم سے بڑا ہوتا ہے پھر وہ جو اس بڑے سے بھی بڑا ہوتا ہے پھر وہ جو ان سے بڑا ہوتا ہے......ایسی اسلاف شناشی کی بھی کوئی حیثیت ہے جو بیچ کی کڑیوں کو چھوڑ کر اوپر والی کڑیوں کو پکڑیں...... یہ کیسی اسلاف شناشی ہے؛؟س بارے میں سنجیدگی سے غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں.....دنیا کا دستور ہے پہلے ضلعی کورٹ میں جانا پڑتا ہے پھر ہائی کورٹ اسکے بعد سپریم کورٹ میں شنوائی ہوتی ہے۔یہ ارتقاء طبعی اور فطری ارتقاء ہے۔اسی ارتقاء کے ساتھ چلنے میں فائدہ ہے اور یہی ترقی

کا باعث ہے۔غیر فطری ارتقاء پر چلنا بھی کوئی چلنا ہے اس طرح چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ہاں!اس سے نقصان ضرور ہوا ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ اس سے ہمارا جماعتی اتحاد اور جماعتی ہم آہنگی منتشر ہو کر رہ گئی ہے.....جو افراد اس طرح کی فکر کو فروغ دینے میں مصروف ہیں انہیں اپنی فکر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

ب.....احسان فراموشی.......یہ ایک ایسا،،جذبہ نافرہ،، ہے جسے کسی دور میں قبولیت نہیں ملی اور نہ ہی کسی زمانہ کے لوگوں اسے پسند کیا ہے انسان کیسا ہی سہی وہ بھی اس جذبہ کو ناپسند کرتا ہے اگر کسی دور میں کسی نے بھی اسے پسند کیا ہو تو بتایئے....مگر بتائے گا کون؟اگر کسی نے پسند کیا ہو تو کوئی بتائے......جذبہ نافرہ تو نافرہ ہے یہ اپنی حقیقت اور ماہیت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے اسے شیرینیت کے سمندر میں غوطہ لگایئے یا اس کے اوپر پسندیدگی کا خول چڑھایئے دیکھنے میں تو یہ اچھا اور بھلا معلوم ہوگا اس سے تو ہمیں انکار نہیں....مگر اس کی تلخی نہ کبھی گئی ہے اور نہ ہی آئندہ جا سکتی ہے......آج جس طرح ہماری جماعت کے ذی شعور افراد تاریخی حقائق کو غلط سمتوں میں لئے جا رہے ہیں یہی کام جو غیروں نے ان سے پہلے کیا تھا اسی کام کو بعض نام نہاد اپنے انجام دے رہے ہیں۔ان رویہ بہت کچھ ان کے رویوں سے ملتا جلتا ہے۔فرق یہ ہے کہ وہاں غیر تھے اور یہاں نام نہاد اپنے ہیں......میاں....یہ عجیب اتفاق ہے۔ہمارے اکابر نے اپنے گراں قدر خون سے چمن کی آبیاری کی اور جب چمن میں بہار آئی،گلوں نے اپنا دامن پھیلایا اور کلیوں نے مسکرانا سیکھا تو اس سے مزے اس نے لٹے جن کا اچمن سے کوئی تعلق نہ تھا۔وہی صورت حال یہاں بھی ہے کہ خانقاہوں کی حفاظت کس نے کی؟چادرو گاگر کی آبرو کس نے بچائی؟قوم وملت کو کس نے فروغ دیا؟ دشمنوں پر وار کرنے کا ہنر کس نے سکھایا؟اور دشمنوں کے حملے سے بچنے کے آداب کس نے بتائے؟یہ سب جس نے بھی کیا آج انہیں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ہم پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ کیسا جذبہ ہے جو آپ کے دل میں پیدا ہو رہا ہے؟اس سے فائدہ تو کچھ ہوا نہیں البتہ اس

سے نقصان ضرور ہوا کہ ہمارا اتحاد بکھر کر رہ گیا اور ہماری شیرازہ بندی تاش کے پتوں کی مانند نذرِ خزاں ہوگئی اسی لئے کہا گیا ہے

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
عجب ہیں یہ کھانے اور غرانے والے

ج.....سنتوں کو کسنے مٹایا؟.....یہ عجیب حسن اتفاق ہے جو سنتوں کو زندہ کرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ آج وہی اپنے ہاتھ سے سنتوں کو مٹا رہا ہے۔ نہ صرف مٹا رہا ہے بلکہ اس کی عظمت واہمیت کو بھی گھٹا رہا ہے اور اس کی افادیت کو کم کر رہا ہے۔ کہ جب کوئی چیز ہوس کے حوالہ ہو جاتی ہے تو اس چیز کی معنویت بھی ختم ہو جاتی ہے ممکن ہے کوئی میری ان باتوں سے خوش نہ ہو اور وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ یہ اناپ شناپ ہے۔ بکواس اور دھوکہ ہے۔ لیکن میں کہونگا ۔ یہ دھوکہ، فریب نہیں کہ میں جو کہتا ہوں نہایت ہی ہوش وحواس میں کہتا ہوں اور بلا کسی جبر و اکراہ کے کہتا ہوں...... نہ ہم کسی کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمارا مقصد کسی کو ناراض کرنا ہوتا ہے بلکہ جو حقیقت ہوتی ہے اسے بیان کرنا ہمارا نصب العین ہے...... آج ہمارے سامنے ایک بڑی جماعت ہے۔ جس کا دعویٰ ہے۔ ہمیں سنتوں کو زندہ کرنا ہے یہ دعویٰ صرف زبانی ہے اس جماعت سے جڑے ہوئے افراد سنتوں کو زندہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ انہیں مٹا رہے ہیں۔ اس بات میں قطعی کوئی شک نہیں کہ،، عمامہ،، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاک ہے۔ اسے باندھ کر نماز پڑھنے سے ۷۰ رگنا ثواب میں اضافہ ہوتا ہے......مگر انہوں نے کیا کیا......؟ عمامہ کو اپنی جماعت کی شناخت بنالی اور اسے،، ٹریڈ مارک،، قرار دے دیا۔ اب جس قدر لوگ پگڑی کا استعمال کر رہے ہیں وہ سنت کے طور پر نہیں بلکہ شناخت کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ خود ہی اپنے ضمیر سے فیصلہ فرمالیں یہ افراد سنتوں کو زندہ کر رہے ہیں یا پھر اپنے،، ٹریڈ مارک،، کا استعمال کر رہے ہیں۔ کیا اسی،، ٹریڈ مارک،، کے استعمال پر ثواب ملے گا؟ اور وہ بھی ۷۰ رگنا زیادہ؟ کیا اس بات

کی شہادت آپ کا دل دے رہا ہے؟

اگر یہ سنتوں کو زندہ کر رہے ہیں تو بتایا جائے۔ وہ کون سی سنت ہے جو مردہ ہو چکی تھی۔ اور جس پر لوگوں نے قطعی طور پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا..... ہاں! اذان خطبہ کا دروازۂ مسجد پر ہونا ایک ایسی سنت تھی جو مردہ ہو چکی تھی اور اس بارے میں اہل علم کے نظریات بھی بدلے بدلے سے تھے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسے زندہ کیا اور سو۔۱۰۰ رشہیدوں کے ثواب کا مستحق ہوئے....کیا اس دور میں بھی ایسی کوئی سنت ہے جو اس طرح مردہ ہو چکی تھی۔ جسے آپ زندہ کر کے ۱۰۰ رشہیدوں کے ثواب لینا چاہتے ہیں؟......اس جماعت کا قافلہ سالار بار بار کہتا ہے‘‘ ہمیں خود اپنی اصلاح کرنی ہے اور دنیا کے تمام لوگوں کی اصلاح کرنی ہے’’ یہ اگر چہ ان کا صرف زبانی دعویٰ ہے مگر یہ دعویٰ بھی عجیب وغریب ہے۔ آج تک ہمارے اکابر اور مشائخ میں سے کسی نے بھی اس طرح کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیا ان کے علم میں کوئی کمی تھی؟ اور کیا ان کے روبرو رشد و ہدایت کی راہیں مسدود تھیں؟ جن کی وجہ سے وہ دعویٰ نہ کر سکے کہ ،، ہمیں سارے جہاں کی اصلاح کرنی ہے،، میں کہتا ہوں یہ بیجا جسارت ہے اور بہت بڑا بول ہے جو ان کی زبان سے نکل رہا ہے اور اسلام نے بڑا بول بولنے کی کسی کو اجازت نہیں دی ہے تو پھر یہ کیوں بول رہے ہیں۔؟ اس سے تو انانیت، ضد اور ہٹ دھرمی چھلکتی ہے......
اگر اس طرح کا دعویٰ منصب نبوت کے حوالہ سے کیا جاتا ہے...... یہ منھ اور مسور کی دال۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم......انصاف کی بات یہ ہے کہ انسان جب تک دنیا میں رہتا ہے......وہ اپنی زندگی کے کسی بھی موڑ پر اس طرح کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا......صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا تو پھر اس طرح کا دعویٰ کرنے کا جواز کہاں سے ملا؟ ہمارے خیال میں یہ دعویٰ نہیں بلکہ ذہن کا غبار ہے اور دل میں پیوست ہو جانے والا غیر معتدل جذبہ ہے...... یہ پوری جماعت علماء مخالف تحریک چلا رہی ہے۔ اس کی نگاہ میں کسی عالم کی کوئی قدر نہیں۔ کوئی عزت نہیں۔ اس

نے نہ مدرسہ والوں کو بخشا ہے اور نہ ہی خانقاہ والوں کی رعایت کی ہے بلکہ اس جماعت کا حال یہ ہے کہ سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا چاہتی ہے..... یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیسی دیانت ہے؟ کیا اللہ والوں کی زبان سے اسی قسم کی باتیں نکلتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! تو پھر اس جماعت کے افراد اپنی زبانوں پر تالا کیوں نہیں لگاتے؟ ہم اس کی بات کہاں تک کریں؟ اس نے ہماری جماعت کو ایک زخم دیئے ہوں تو اس علاج کیا جاسکے یہاں تو ملت اسلامیہ اور اہل سنت و جماعت کا پورا جسم زخموں سے چور ہے۔ ہر جگہ سے ٹیسیں اٹھ رہی ہیں اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ حالات دن بدن بگڑتے جارہے ہیں، علماء خاموش ہیں ،فتنہ پرور عناصر پورے ماحول پر غمال بنائے ہوئے ہیں اس سے پہلے جماعت ایسے حالات سے دوچار نہیں ہوئی تھی اس لئے دردمندوں کی ذمہ داری ہے کہ فتنوں کی سرکوبی کے لئے میدان عمل میں آئیں ورنہ حالات مزید بگڑ جائیں گے......؟ نہیں بلکہ بگڑ چکے ہیں اس جماعت نے ،،مسلک اعلی حضرت،، کا نام لیا،، مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام،، کا ورد کیا۔ اور صورت بھی ایسی بنائی کہ اس کی پاک دامنی پر قسم کھائی جاسکتی ہے اس کے باوجود ہماری جماعت کے بڑے بڑے علماء ابھی تک مخمصہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کریں تو کیا کریں؟ اور جس عالم دین نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اس پر تنقید کر رہے ہیں۔ آوازیں کس رہے ہیں۔ اندھیروں کا مسافر اجالوں میں چلنے والے مسافروں کی رہنمائی کریں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

لفظ،، عالم،، کی غلط توضیح

سبز باغ دکھانا اس جماعت کا کام ہے۔ انوکھی اور نرالی باتیں کرنا اس کا شیوہ ہے۔ اس نے تبلیغ اور رشد و ہدایت کے نام پر بہت سے بے پڑھے لکھے افراد کو علماء اور مشائخ کے لباس میں اتار دیا ہے جو تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ کچھ سنجیدہ افراد نے پوچھا.... آپ کہاں؟ اور کار رر تبلیغ کہاں......؟ یہ حق آپ کو کہاں سے ملا؟ تم عالم نہیں تو پھر تبلیغ کے لئے آپ نے رخت

سفر کیوں باندھ لیا؟ اس کے جواب میں اس جماعت کے مبلغین نے کہا.....ہم عالم ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں...... کہ عالم کا مطلب،، جاننے والا،،اور ہم کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہیں بہت سے مسائل کا ہمیں علم ہے۔ اس لئے میں عالم ہوں اور جب میں عالم ہوا تو مجھے تبلیغ کرنے میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے عالم کی توضیح سے لازم آیا کہ ایک مزدور بھی عالم ہے ایک رکشہ چلانے والا بھی عالم ہے غرض کہ ہمارے سماج کا ہر ایک فرد عالم ہے کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ جانتا ہے...... بتایئے یہ عالم کی ایسی توضیح ہے جس سے علماء کی بے ادبی ہو رہی ہے..... ہائے افسوس..... یہ کیسا دور آ گیا کہ یہ جماعت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین علوم وفنون کی توہین کر رہی ہے۔ یہ توہین اس عالم کر رہی ہے جس کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ہر ایک پر میری فضیلت ہے...... یہ علماء میرے وارث ہیں..... میری امت کے علماء کی وہی فضیلت ہے جو فضیلت بنی اسرائیل میں انبیاء کو حاصل ہے۔ ایسی فضیلت رکھنے والے علماء کو کیا کیا کہا جارہا ہے اور انہیں جماعت علماء کو ایک حقیر شئی سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ ظاہر ہے اس سے جماعت میں انتشار نہ ہوگا تو پھر کیا ہوگا؟......حالانکہ عرف یہی ہے کہ عالم سے ایسا شخص مراد لیا جاتا ہے جو مسائل کے استخراج پر قدرت رکھتا ہو اور اپنی ضرورت اور روزمرہ کے مسائل سے واقفیت رکھتا ہو مگر یہاں کیا مراد لیا گیا اس بارے میں بہترین صورت یہی تھی کہ عالم سے وہی معنی مراد لیا جاتا جو عرف عام میں لیا جاتا ہے مگر اس کی توضیح عرف عام سے ہٹ کر کی گئی۔ ظاہر ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا اور وہ مقصد صرف اور صرف ہمارے سماج کے علماء کی توہین کرنا ہے۔ اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مقصد ہے جس کے سبب ہماری جماعت میں انتشار پیدا ہوا اور اختلاف کی لہریں تیزی سے پھیل رہی ہیں......

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہم اہلسنت و جماعت انہیں خطوط پر چل رہے تھے جو خطوط ہمارے اسلاف نے متعین کر دیئے تھے۔ یہ خطوط کیا تھے؟ اس کی وضاحت گزشتہ

اوراق میں کر دی گئی ہے اور وہ خطوط امام احمد رضا کے اصول ونظریات ہیں۔ان کا مسلک اور موقف ہے۔اس طرح ہم اٹوٹ رشتہ میں بندھے ہوئے تھے۔ دل میں کوئی من موٹاؤ نہیں تھا۔ہم ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے......افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارا یہ اتحاد لوگوں کو پسند نہ آیا اور ہمیں توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی......ہمارے اتحاد اور ہم آہنگی کو توڑنے کے لئے باہر سے کوئی ہم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہماری ہی جماعت سے مسلط کیا گیا۔ہمیں حیرت اس پر نہیں جو ہم پر مسلط کیا گیا۔ بلکہ حیرت بالائے حیرت ان پر ہے جن کے ہاتھوں نے اس کام کو انجام دیا ہے......اس کے باوجود ہماری جماعت کے ہوشمند طبقہ کو اس بات کا احساس نہیں کہ یہ ساون کی کالی گھٹا ہے یا جلتے ہوئے آشیاں کا دھواں ہے۔اب پانی سر سے بہت زیادہ اونچا ہو چکا ہے۔ہمیں ہوش کا ناخن پکڑ لینا چاہئے۔علماء کے بھیس میں بے پڑھے لکھے افراد گھوم رہے ہیں اور عوام میں علماء مخالف تحریک چلا رہے ہیں۔اکابر اور مشائخ کے خلاف نفرت کے جذبات مشتعل کر رہے ہیں۔ان بھڑکتے ہوئے جذبات کو ہوا دینے کے لئے ان کے پاس کیا نہیں ہے؟ لمبا دامن بھی ہے بہترین رومال بھی اور پھر ان کا ٹریڈ مارک عمامہ بھی ہے۔ جہاں جس کی ضرورت ہوتی ہے اسی سے کام لیا جاتا ہے۔کبھی دامن سے ہوا دی جاتی ہے اور کبھی کسی اور سے......اب کچھ اور مناصب ہیں جن پر قبضہ جمانے کیلئے کوششیں چل رہی ہیں انہیں مناصب میں،،ایک منصب مجدد،،بھی ہے

زاغوں کے تصرف میں۔

علماء کا منصب بھی کوئی ارزاں منصب نہیں ہے۔ یہ منصب بہت بڑا منصب ہے ۔عزت اور شہرت کا منصب ہے۔کوئی کسی کا معین و مددگار ہو یا نہ ہو؟ مگر یہ منصب مددگار رہتا ہے۔ یہ ہمارے ساتھ رہتا ہے ہم جہاں رہتے ہیں وہیں یہ بھی رہتا ہے۔اسے نہ رات کی تاریکیوں کا ڈر ہوتا ہے اور نہ دن کے اجالے میں کوئی غم ہوتا ہے۔ یہ منصب کسی ایسے ویسے کا منصب نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کا منصب ہے جو اپنے اندر عقابی شان وشوکت رکھتا ہے مگر اس

منصب پر اب زاغوں کا تصرف ہو چکا ہے......اب خطرہ ہے تو صرف مجدد کے منصب کو خطرہ ہے جس پر مختلف سمتوں سے حملے ہو رہے ہیں۔ یہ حملے کون کر سکتا ہے؟ اور اس کے درپئے کیسے سفید پوش افراد ہیں؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔اس بات کو ہم بھی جانتے ہیں اور آپ بھی جانتے ہو......آپ اپنی معلومات پر بھروسہ کیجئے اور ہم اپنی معلومات پر اعتماد کرتے ہیں تاکہ تجسس کا جذبہ ادھر بھی رہے اور ادھر بھی برقرار رہے اگر آج اس پر ناقص اور نافہم افراد کا قبضہ ہو گیا تو یہ ایک ایسی خطا ہوگی جس پر پوری ملت کو صدیوں پچھتاوا ہوگا۔اور اس کے تدارک کی ہمارے پاس کوئی صورت نہ ہوگی۔اس لئے ہماری جماعتی ذمہ داری ہے کہ ہم اس دور پُرفتن میں کسی ایسے کو تلاش کریں جو اس منصب کے لائق ہو......مجدد کے کچھ شرائط ہیں اور کچھ اوصاف وکمالات بھی ہیں۔اس سلسلے میں ہم غور کریں اور دیکھیں کہ مجدد کی خصوصیات کس میں پائی جاتی ہیں؟

مجدد کے شرائط

الف......مجدد کی شرط یہ ہے کہ اسے دو صدی ملے

ب......پہلی صدی کے آخر میں اسے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوا

ج......دوسری صدی میں ان کی ذات سے فیوض و برکات جاری وساری ہوں

مجدد کے اوصاف

الف...... پابند شریعت ہو

ب......علوم دینیہ میں کامل ہو

ج.........زمین میں قبولیت عامہ حاصل ہو

د.........سچ بولنا سچ لکھنا اس کا شیوہ ہو

س........حق بات کہنے میں نہ کسی سے ڈرتا ہو اور نہ کسی سے خوف کھاتا ہو

ش.........اعلان حق میں وہ مصلحت سے کام نہ لیتا ہو

ص........مجدد زمانہ کے حالات کے اعتبار سے کسی اہم صفت وخوبی کا حامل ہو

ط........مجدد جو بھی ہو، اپنے پہلے والے مجدد کے اصول ونظریات اور مسلک کا
ترجمان ہو اور اس کی ترویج واشاعت کرتا ہو

ق.......اس دور میں مجدد وہی ہوگا جو علم میں کمال رکھتا ہو اور فکر میں اعلی درجہ پر فائز ہو
کہ یہ قلم وقرطاس کا دھنی ہو، اور فکر وتخیل بھی اعلی ہو

ک......بکثرت علوم وفنون میں کمال رکھتا ہو

مذکورہ شرائط اور خصوصیات کے مطالعہ سے ایک مجدد کی پاکیزہ تصویر قارئین کے ذہن میں آگئی ہوگی۔ اس لئیعلمائے وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں غور کریں اور موجودین علماء میں سے جس کے اندر مجدد کی خصوصیات پائی جارہی ہیں اس کے مجدد ہونے کا اعلان کردیں۔ ہماری آنکھیں مجدد کی صورت دیکھنے کے لئے پریشان ہیں۔ اگر غور وفکر میں تاخیر ہوئی تو اس کے نتائج بہت ہی بھیانک ہونگے۔ جہلا تاک میں ہیں وہ اس عظیم منصب کے تقدس کو پائمال کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں اس لئے ہماری دیرپا خاموشی انہیں اپنے منصوبہ میں کامیاب کردے گی......

☆☆☆☆

اکیسواں باب

قیادت کا مستحق کون؟

قیادت کا مستحق کون؟

ارباب فکر و دانش اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ،،تاج الشریعۃ،، سے حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی کی ذات مراد لی جاتی ہے۔ ہندوستان و پاکستان اور دوسرے ملکوں میں بھی عوام وخواص کا یہی ذہنی تبادر ہے،،تاج الشریعۃ،،کو اور بھی دوسرے القاب وآداب اور خطابات سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً تاج الاسلام ،سند المفتیین،صدر المحققین،فقیہ اعظم،فقیہ اسلام،شیخ المحدثین،مرجع العلماء،والفضلا،وغیرہ وغیرہ......۲۰۰۵ء،،شرعی کونسل آف انڈیا،،میں تمام علماء کرام نے حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کو،،قاضی القضاۃ فی الہند،،کا منصب عطا کیا جن علماء کرام اور فضلائے عظام نے یہ خطاب اور منصب عطا کیا وہ اپنے اپنے علاقہ کے مرجع انام فی الفتاوی ہیں اور انہیں یہ خطاب ومنصب عطا کرنے کا حق حاصل ہے......لہٰذا ان کے اس حق کو کسی بھی صورت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے اور جن کے دلوں میں نفرت وکدورت اور حسد کی آگ بھڑک رہی ہے تو انکے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے دن کے اجالوں اور سورج کی کرنوں کا انکار بھی ان کے لئے آسان ہے ان سے انکار کے صادر ہونے میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے یہ تو اس کے عادی ہو چکے ہیں۔البتہ سنجیدہ ذہن اور اصابت رائے رکھنے والوں سے ایسی امید

نہیں کی جاسکتی ہے.....جماعت اہلسنت میں جو چوٹی کی شخصیات ہیں ان میں ازہری میاں کا قد ہر جہت سے سب سے بلند وبالا ہے یا نہیں علماء کی ایک بڑی جماعت نے،،قاضی القضاۃ فی الھند کے لقب سے نوازا ہے۔اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جو،،قاضی القضاۃ،،اور،،تاج الاسلام والشریعۃ،،ہوتا ہے قیادت انہیں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ملی اور عائلی مسائل بھی وہی حل کرتا ہے۔سماجی کرب واضطراب کا علاج بھی اسی کے ہاتھوں سے ہوتا ہے ملک کے کونے کونے سے سوالات آتے ہیں۔جو انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی ہوتے ہیں۔سماجی بھی ہوتے ہیں اور معاشرتی بھی......مذہبی بھی ہوتے ہیں اور اقتصادی بھی ..... سائنسی سوالات بھی ہوتے ہیں اور غیر سائنسی بھی ہوتے ہیں ....ازہری میاں صاحب قبلہ اور دارالافتاء میں بیٹھنے والے مفتیان عظام ان کے جوابات دیتے ہیں۔کسی کالج یا اسکول اور یونیورسیٹی میں چلے جایئے ہر مضمون اور ہر فن کے الگ الگ ماسٹر ہوتے ہیں پروفیسر ہوتے ہیں جو ماہر سماجیات،ماہر معاشیات،ماہر اقتصادیات اور ماہر سیاسیات کہے جاتے ہیں.......مگر یہ مفتیان عظام ایسے ہوتے ہیں جو ہر فن میں درک رکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ جدید نظریات سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جدید نظریات ہی سب کچھ ہیں اور قدیم نظریات کی کوئی اہمیت وافادیت ہی نہیں۔ایسا خیال کرنا بھی غلط ہے کیونکہ انسان کی عملی زندگی میں انہیں قدیم نظریات کی بہاریں پائی جاتی ہیں۔اس ہمہ گیر اور آفاقی قیادت کے باوجود دور حاضر کے افراد مسئلہ قیادت کو لے کر مایوسی اور یاسیت کے شکار ہیں......جسے دیکھئے وہ قیادت کا رونا روتا ہے ......ہمارا کوئی قائد نہیں.......ہمارا کوئی رہنما نہیں......ہر ایک کی زبان پر بس یہی ایک بات ہوتی ہے ہم جائیں تو کدھر جائیں؟ اپنا درد دل سنائیں تو کسے سنائیں؟ وہ کون ہے جو ہمارے دل کے زخموں کی ٹیس کا احساس کرے گا! اور رستے ہوئے گھاؤ کا علاج کرے گا ؟مضطرب دلوں پر کون تسلی کا ہاتھ رکھے گا؟ اور مرغ بسمل کی مانند تڑپنے والوں کو کون

بچائے گا؟ممکن ہے آپ کے دل کی آواز بھی یہی ہو......یہ حسرت وناامیدی بھی بلاوجہ نہیں ہے چونکہ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو مسلمانوں کے ابتر اور خستہ حالات نے ہی مایوس کیا ہے اور انہیں سرد آہیں بھرنے پر مجبور کر دیا ہے ذیل میں کچھ باتیں درج کی جارہی ہیں جن کے مطالعہ سے بگڑتے حالات کی راست تصویر آپ کی نگاہوں میں آجائیں اور مسائل میں گھری جماعت کو مسائل سے نکالنے کی راہیں بھی آپ پر کشادہ ہوجائیں۔وہ باتیں ملاحظہ کریں۔۔

اولاً ....ہمیں اپنی سوچ اور روش کو بدلنا ہوگا کہ مایوسی ظلمت ہے۔اندھیرا ہے اور ہمت وجرأت اور حوصلہ اجالا ہے ہمیں تاریکیوں اور سیاہ بدلیوں کے گھیرے سے اپنی سوچ کو باہر نکالنا ہوگا اور پھر اس کے بعد اپنی سوچ کو اجالوں میں لانا ہوگا.......تاریخ بتاتی ہے جن قوموں نے اپنی عظمت رفتہ پر صرف آنسو بہانے کی روش اپنائی ہے وہ قومیں تباہ و برباد ہو گئیں ہیں۔قوموں کی بھیڑ میں دب کر رہ گئیں ہیں اور جن قوموں نے حوصلے سے کام لیا ہے عزم وارادہ میں پختگی پیدا کی ہے۔وہ زوال پذیر اور تہذیب کی گرتی ہوئی دیواروں سے بہت دور نکل آئی ہیں اور پھر اجالوں میں اپنا آشیانہ بنا رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اس مٹی سے تعلق رکھتے ہیں جو ذرا سی نمی پاکر زرخیز ہوجاتی ہے اور پھر لالہ زار بن کر دعوت نظارہ دینے لگتی ہے

ثانیاً........ہماری قوم کو اس بات پر ضرور دھیان دینا چاہئے کہ ہماری مایوسی اور حسرت وناکامی کا سبب کیا ہے؟ وہ کیا عوامل ہیں جو ہمارے دلوں میں تزلزل پیدا کر رہے ہیں اس کے لئے ہمیں تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنا پڑے گا........۱۸۵۷ء سے قبل کے حالات کو پیش نظر رکھنا پڑے گا......

عوام وخواص جب تک خانقاہوں ،مدرسوں ،علماء اور مشائخ کی قیادت سے منسلک رہے تو ان میں حوصلوں کی کمی نہ تھی۔اس کے ارادے بلند اور پختہ تھے ،ستاروں سے بھی آگے جانے کی امنگ ان کے دلوں میں پائی جاتی تھی یہی وجہ ہے ۔ ان میں

شجاعت،بہادری،جرأت، بیباکی اور دلیری کی خوبیاں پائی جاتی تھیں ...... ہندوستانی مسلمان نہتے ہونے کے باوجود انگریزوں سے لوہا لئے ہوئے تھے اور ان کی راہوں میں روڑے بن کر کھڑے تھے۔اس لئے انگریز مسلمانوں کو اپنے لئے سب سے بڑا دشمن تصور کرتے تھے۔یہ مسلمانوں کا ہی دل گردہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ نہیں جمانے دیا۔آخر یہ مسلمان کب تک انگریزوں کا تعاقب کرتے ؟وہ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ان کے پاس سارے سازوسامان تھے۔آلات جنگ وجدال تھے اور اس طرف مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ خالی ہاتھ تھے۔ہندوستان کی دوسری قومیں بھی زیادہ ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔بعض قومیں ایسی بھی تھیں جو انگریزوں کو اپنے لئے اگر اچھا نہ سمجھتی تھیں تو انہیں اپنے حق میں برا بھی نہ جانتی تھیں۔بالآخر ایک دن وہ بھی آیا کہ انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط قائم ہو گیا اب صرف دلی بچی تھی جہاں اسے قابض ہونا تھا......وہ ہمارا ہی جیالا اور فرد عظیم وبطل جلیل تھا جو دہلی آیا اور اپنی قوم وملت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنی اس پاک سرزمیں کو انگریزوں کے ناپاک قدموں سے دور رکھا جائے کیونکہ انگریز وہ قوم ہے جو شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمن رہی ہے ان کی سوچ جب بھی پروان چڑھتی ہے تو مسلمانوں کے خلاف ہی پروان چڑھتی ہے۔ان کی فکر جب بھی تشکیل پاتی ہے تو اس میں مسلمانوں کے خلاف جذ بات ضرور شامل ہوتے ہیں.......وہ فرد عظیم کون تھا؟ وہ بطل جلیل کون تھا؟ وہ کوئی اور نہیں ،،علامہ فضل حق خیر آبادی،،تھا جنہوں نے تن،من،دھن سے انگریزوں کے تسلط سے دہلی کو بچانے کی کوشش کی.....اور کیوں نہ کرتے کہ یہ سرزمیں،،خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی تھی ......خواجہ نظام الدین بدایونی کی تھی......خواجہ ضیاء الدین نخشبی .اور علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تھی......ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود صاحب رقم طراز ہیں کہ

> اٹھارہ سوستاون (۱۸۵۷) کے جہاد آزادی میں علامہ خیر آبادی نے بھرپور کردار ادا کیا،جب کہ علامہ کے مخالفین اس حقیقت کے انکار پر

مصر ہیں، بہادر شاہ ظفر، کے دربار میں موجود ضمیر فروش مخبر انگریز کو خفیہ امور کی اطلاع دیا کرتے تھے ایسے ایک مخبر تراب علی نے بتاریخ ۲۸ر اگست ۱۸۵۷ء انگریزوں کو مطلع کرتے ہوئے لکھا......مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے.. وہ کہتا پھرتا ہے ..کہ اس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کر دینے اور پورے شہر کو مسمار کر دینے کے لئے کہا گیا ہے آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا شاہی مسجد کا صرف ایک منار چھوڑا جائیگا۔

(غداروں کے خطوط ص ۲۰۳ر۲۰۴)

اصل میں علامہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں تھے اور اسی میں اپنی قوت فکر و عمل صرف کر رہے تھے گر انگریز یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ بغاوت ہے اس کی پاداش میں علامہ کو سخت سزائیں دی گئیں ان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا بہت سے بچوں کو یتیم کر دیا گیا اور بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں اور کتنے مسلمانوں کو قید با مشقت نصیب ہوئی یہ بتانا مشکل ہے اور اہل سنت و جماعت کے علماء شہید کر دیئے گئے اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے......

''.علامہ فضل حق خیر آبادی' کے عربی قصیدے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کی اس جنگ میں جس کو 'بغاوت'' کہا جاتا ہے بدانتظامی اور بعض اپنوں کی بے وفائی اور جفا شعاریوں کی وجہ سے ناکامی ہوئی،، پھر انگریز دہلی میں ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو داخل ہو گئے،اور ظلم و ستم کا وہ بازار گرم ہوا کہ الامان والحفیظ علامہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں

قد سلط الانصار فی امصارنا ان صار انصار الھم سفھاء

نصاری ہمارے شہروں پر مسلط کر دیئے گئے۔ کیونکہ کچھ بے وقوف ہندوستانی ان کے مددگار بن گئے...... بادشاہ کو تنگ و تار کوٹھری میں بند کر دیا گیا شہزادہ مرزا مغل کو گولی کا نشانہ بنا کر سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے رکھا گیا پھر کچل کر پھینک دیا گیا جب بادشاہ پر یہ آفت آئی تو علامہ پر کیا کچھ مصیبت نہ آئی ہوگی؟ وہ خود بتاتے ہیں

فان اعداء یجدون فی ایذائی ویبغون بما یبغون ایذ ا ئی او د ائی لا یستطیعون مد ا وۃ دا ئی وقدرسخت فی قلوب ا لعدیٰ منی اضغان وحقائد کما تر سخ فی القلوب من الایان عقائد وقد شحنت صدورھم الوخیمۃ با الشحناء والسخیمۃ لکننی ارجور حمۃ ربی العزیز الرحیم''

میرے دشمن میری ایذارسانی میں کوشاں میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں میرے دوست میرے مرض کے مداوے سے لاچار ہیں دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض و کینہ مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہوگیا ہے ان کے پلید سینے کینے اور عداوت کے دفینے بن گئے ہیں (جنگ آزادی میں علامہ فضل حق.)

علامہ فضل حق کے تعلق سے جو شواہد پیش کئے گئے اس کا مطالعہ کریں اور غور کریں کہ اس وقت جن کے ہاتھوں میں قیادت تھی آخر وہ بھی تو عالم دین تھے۔ صاحب علم و فضل تھے۔ فتوی والے بھی تھے اور تقوی والے بھی تھے۔ جب تک قیادت علماء کے ہاتھوں میں رہی، مسلمانوں کا وقار بنا رہا، ان کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ قائم رہا......اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہم،، بیشک قیادت ہیں جہاں سے گزرنے کیلئے ہمت چاہئیے جرأت و بیباکی چاہیۓ ......مگر.... ہائے افسوس کہ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ ایسے حالات بنے اور مسلمانوں کے سامنے کچھ ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ اپنوں نے ان کا استحصال کیا اور غیروں نے بھی......اپنے ہم وطنوں نے بھی ہم سے بے وفائی کی اور انگریز تو خیر بے وفا ہے ہی....ان کے بارے میں

کیا کہیں؟ کہ وہ کیا ہیں؟ اور کیا نہیں ہیں؟......اگر ہم اپنی منزل سے بہت دور چلے جائیں اور راہ میں ہی بھٹکتے رہیں تو ظاہر ہے یہ ہماری ناکامی ہی ہے......یہی شکست فاش ہے اسی طرح کے کچھ حالات ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آئے......اس کا پس منظر یہ ہے کہ اٹھارہ سو ستاون کے بعد کچھ ایسی تحریکوں نے جنم لیا اور کچھ ایسے افراد سامنے آئے جنہوں نے مسلمانوں کی سوچ بدل ڈالی......صحیح فکر و نظر کا معیار ہی بدل ڈالا۔ یہ معاملہ یہیں تک محدود نہ رہا بلکہ زندگی کے ہر ایک شعبہ میں اس کے آثار دکھائی دینے لگے، دن کے اجالوں میں بھی انقلاب برپا ہوا اور رات کی تاریکیوں میں بھی عجیب قسم کا بدلاؤ آ گیا.....کبھی ہمارے ارادوں کو متزلزل کر دیا گیا ہم سے ہماری خوشیاں چھین لی گئیں اور ہماری قیادت تو خیر ہم سے رخصت ہی ہو گئی، تو پھر اس کا تذکرہ کیوں کریں؟ کچھ لوگوں نے اصلاح کے نام پر اپنی سوسائٹی بنائی.... کسی نے تعلیمی ارتقاء کا سہارا لے کر مسلمانوں کا سودا کیا اور کسی نے مسلمانوں کے عشق و ایماں کو انگریزوں کے ہاتھوں گروی رکھنے کی ٹھان لی اور کسی کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کو مایوسی اور ناامیدی کی تاریک فضا سے نکالنے کے لئے انہیں تہذیبی ارتقاء کا سبز باغ دکھایا......غرض کہ ہر ایک نے مسلمانوں کو لوٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ان تمام تنظیموں، انجمنوں، اور افراد و رجال کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ اس ڈور کو توڑ دیا جائے جس ڈور کے سہارے ہندوستان کے تمام مسلمان اپنے ،،علماء،، کی قیادت سے منسلک تھے اور یہی ہوا جیسا وہ کرنا چاہتے تھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو ترقی نصیب ہوئی ہمیں جدید علوم وفنون ملے انجینئر اور ڈاکٹرس ملے وکلاء اور دوسری قسم کے دانشور دستیاب ہوئے.....مگر یہیں سے ہماری قیادت جاتی رہی اور یہ قیادت ان کے ہاتھوں میں جا پہونچی جو قیادت کو نہ جانتے تھے اور ان کے اصول ونظریات سے بھی واقف نہ تھے یہ ہمارے لئے کوئی بڑا نقصان نہ تھا بلکہ اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ کچھ افراد نے اپنے قلم کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں بے ادبی کی.. گستاخی کی....اور اللہ کے محبوب

بندوں کی عظمت وافادیت کا انکار کیا ان کی صحبتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے عشق ومحبت کی پاکیزگی رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی....اسی منظر کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا اور بڑی پیاری بات کہی تھی کہ

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی پر طائر دیں کر گیا پرواز

یہ کون لوگ تھے؟ اور یہ کس کی تحریک تھی؟ یہ بالکل واضح ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں پھر بھی مزید وضاحت کے لئے عرض ہے...... یہ وہابی تھے......اور یہ تحریک، سرسید کی تحریک تھی......وہابیوں کے عقائد میں خرابی تھی...اور سرسید کے نظریات میں فتور تھا.اس شعر میں .طائر دیں کی پرواز سے مراد دینی اور مذہبی معاملات میں بے اعتنائی ہے۔کم رغبتی ہے اور دلچسپی نہ لینا ہے اسی کو اس انداز میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں دنیا کو اولیت کا درجہ دینا ہے آخرت اور دین کو فراموش کر دینا ہے طائر دیں کی اس پرواز میں دونوں قسم کی تحریکوں نے اپنا اپنا رول ادا کیا ہے۔کسی تحریک نے مسلمانوں کے سامنے دنیا کو بہترین طور پر سجا کر پیش کیا اور اس بات کی تلقین کی یہی سب کچھ ہے اور کسی تحریک نے مسلمانوں کے دلوں میں دین سے بے رغبتی پیدا کر دی......سرسید نے ترقی کے نام پر زمین ہموار کی اور مذہب کے خلاف ان میں صلاحیتوں کو بیدار کیا اور باطل فرقوں نے مسلمانوں کو وہاں تک پہونچا دیا جہاں عشق وایماں کی کوئی کرن بھی نہ چمکتی تھی اس طرح مسلمان اپنی منزل سے بہت دور جا پہنچے......اس کام کے بدلے انہیں بہت کچھ ملا یہ اسی کام کا صلہ ہے کہ آج یہ اپنا ہر کام بآسانی سے انجام دے دیتے ہیں یہ خوب مزے اڑاتے ہیں....ناؤ نوش میں مشغول رہتے ہیں......اور ہمارا اور ہماری ملت کا یہ حال ہے کہ آج ہم مایوسیوں میں گھرے ہوئے ہیں ، ہماری صبح ہوتی ہے تو حسرت و یاس کے سایہ میں اور شام ہوتی ہے تو ہم دوہری تاریکیوں میں ڈوب جاتے ہیں رات کی تاریکی ہوتی ہے اس کے علاوہ غم واندوہ اور حزن و

ملال کی تاریکی اور بھی زیادہ گہری ہوتی ہے ...... یہ وہ حقائق و بصائر ہیں جنہیں ہم جھٹلانا چاہیں بھی تو نہیں جھٹلا سکتے ہیں...

ثالثاً.........ایسے پر آشوب دور میں اور تیرہ و تاریک ماحول میں ایک ،، نیر درخشاں ،، کی ضرورت تھی ....ایک ایسی ضیا کی حاجت تھی جو سسکتی ہوئی ملت کو اندھیرے سے نکال لائے اور اسے اجالوں سے روشن و تابناک کردے ..... یہ ضرورت اگر کسی سے پوری ہوتی ہے تو وہ کسی اور کی ذات نہ تھی......اور نہ اس دور میں ایسی کوئی جامع شخصیت تھی جو گرتی ہوئی قیادت کو سنبھال لے اور مٹتی ہوئی تہذیب وتمدن کو زندہ و تاباں کردے..... یہ ضرورت اگر کسی نے پوری کی ......تو وہ کوئی اور نہ تھا......بلکہ وہ ذات سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی کی ذات تھی یہ انھیں کی شخصیت تھی جنھوں نے ملت کی پاکیزگیوں کو برقرار رکھا اور اپنی خداداد صلاحیتوں، تجدیدی کارناموں سے عوام کے دلوں سے بھی اندھیروں کا ازالہ فرمایا اور علمائے اہلسنت والجماعت کی قیادت بچانے میں بھی اپنا وقت صرف کیا امام احمد رضا کے کارناموں میں وہ تمام چیزیں پائی جاتی تھیں جن کی اس وقت زمانے کو ضرورت تھی ایسا نہیں کہ انہوں نے وہ کارنامہ انجام دیا جو زمانے سے ماورا تھا اسی لئے ہمارا دعوی ہے ان کے تعلیمی اصول و نظریات میں بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق تھے اسی لئے ان کے اصول ونظریات رفتہ رفتہ ارتقائی منزلوں سے گزرتے ہوئے ایک ایسا بلند بالا منزل پر فائز ہو گئی اسی منزل کے پیش نظر ہیں اصول ونظریات کو ،، مسلک اعلی حضرت ،، سے تعبیر کرتے ہیں انہوں نے جو بھی کام انجام دیا خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے انجام دیا جس کی وجہ سے ان کے کارنامے زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نظر آتے ہیں ...مذہبیات ... سماجیات ....معاشیات..... ریاضیات ... جغرافیات .....طبعیات ... عنصریات....معدنیات......مدنیات.....منطقیات....فلسفیات..... تاریخیات ..... جیسے اہم موضوعات پر ان کی تحریریں موجود ہیں جو چشم کشا ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت آموز بھی

ہیں معاشیات کے تعلق سے ان کے نظریات آج بھی جواب نہیں رکھتے ہیں انہیں ہم ذیل میں پیش کررہے ہیں

الف......ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہورہے ہیں پس انداز ہوسکیں

ب......بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں....

ج......مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں

د........علم دین کی ترویج واشاعت کریں

یہ وہ تجاویز ہیں جو جدید علم معاشیات کی آئینہ دار ہیں......امام احمد رضا نے یہ تجاویز اس وقت پیش کی تھیں جب کہ جدید معاشیات نے ابھی نئی نئی کروٹ لی تھیں اور ابھی وجود کا لباس بھی زیب تن نہ کیا تھا.....ان تجاویز نے اسے بال و پر عطا کردیئے امام احمد رضا کے ان تجاویز کو ہم ''تدبیر فلاح ونجات اور اصلاح ،، کے نام سے جانتے ہیں جو حقیقت میں جدید علم معاشیات کے بال و پر ہیں ان میں ایسے ایسے اصول ونظریات در آئے ہیں کہ اس کا صحیح اندازہ وہی افراد لگا سکتے ہیں جو اس علم معاشیات میں درک تام رکھتے ہیں ان تجاویز کی بنیاد پر امام احمد رضا کو ''امام معاشیات ،، کہا جاسکتا ہے ......علم معاشیات کی مانند دوسرے علوم و فنون پر بھی آپ کو قدرتِ کاملہ حاصل تھیں قدیم علوم پر بھی مہارت تھی اور جدید علوم پر بھی ...... ان کی تعلیمی نظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں ....اسی لئے امام احمد رضا کو عالمی اور آفاقی قیادت حاصل تھی جنھوں نے ہر موڑ پر مسلمانوں کی قیادت فرمائی اور حیات کے تمام شعبوں میں آپ نے اپنی قیادت کا جلوہ اجاگر کیا انہیں کی قیادت کی بدولت فرقۂ ناجیہ کی تمام تر رعنائیاں برقرار رہیں عشق وایماں جذبہ خلوص اور پر کیف جذبوں سے ہماری ملت آشنا رہی اس کے باوجود آج قیادت کے نہ ہونے

کا شکوہ کیا جا رہا ہے یہ شکوہ کیا ہے؟ بالکل بیجا ہے اور غیر سائنسی انداز فکر کا نتیجہ ہے عوام کی سوچ بھی یہی ہے اور پڑھے لکھے انسان کی سوچ بھی یہی ہے.....

رابعاً......اس حسرت و ناامیدی کے دلدل سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی سوچ میں تبدیلی لائیں۔اپنی فکر میں ایک انقلاب پیدا کریں۔ وہ اس طرح کہ یہ علماء، یہ مفتیان عظام آپ انہیں حقیر نہ جانیں ..... یہ پھٹے کپڑوں میں ضرور ہوتے ہیں ان کے جسموں پر زرق برق لباس اگرچہ نہیں ہوتے ہیں مگر ان کی شان یہ ہے کہ قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ان کی نظر موجودہ حیثیت پر نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ مستقبل کے پرتوں پر اپنا دھیان مرکوز رکھتے ہیں۔اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے اور ان کی قیادت پر بھروسہ کیا جائے اور ہر حال میں انہیں قائد اور رہنما تصور کیا جائے......

مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہے نہ تو ان کی قیادت پر اعتماد کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان پر بھروسہ رکھا جاتا ہے معاملہ یہیں تک محدود نہیں بلکہ ان کے تعلق سے منفی نظریات اور غیر معیاری رجحانات رکھے جاتے ہیں پڑھا لکھا طبقہ بھی اس مرض میں مبتلا ہے ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں

(۱)......موجودہ دور کے علماء کرام کو،،علمائے حیض ونفاس،،کہا گیا

(۲)......تفقہ فی الدین سے صرف ،،فہم دین،،مراد لے کر مدارس و جامعات کی تعلیمات سے انحراف اختیار کیا گیا

(۳)......عصری علوم کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے اس کے مقابلہ میں دینی علوم کو کم تر تصور کیا جا رہا ہے

(۴)......موجودہ دور کے صدور اور وزراء سے واقفیت کو،،علم،،اور عدم واقفیت کو ’’جہل‘‘ بتایا جا رہا ہے

(۵)...... من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل کی غلط توضیح کر کے علمائے کرام کی توہین کی گئی

(۶)........ تحریروں کے ذریعہ علماء کرام اور مفتیان عظام کو بیجا تنقید کا نشانہ بنایا گیا

(۷)........متفقہ مسائل شریعت پر انگشت نمائی کی گئی

(۸)........ٹائی کے مسئلہ اور غیر کفو کے معاملہ میں علمائے اہل سنت کے خلاف موقف اختیار کیا گیا

(۹)........مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح پر علمائے کرام کو کیا کیا نہ کہا گیا

(۱۰)......طلبہ کے ذہنوں میں مایوسیت بٹھائی جا رہی ہے

(۱۱)........مدرسوں، نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور انتظامی معاملات سے انحراف پر اقدام کیا گیا

یہ وہ شقوق ہیں جن سے مسلمانوں میں پائی جانے والی قنوطیت، یاسیت کے اندھیرے چھٹنے کے بجائے اور بڑھیں گے اور دن بہ دن بڑھتے ہی جائیں گے..........ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو ان اندھیروں سے نجات دلائی جاتی۔انہیں اس گھٹن والے ماحول سے باہر نکالا جاتا مگر کیا ہو رہا ہے۔انہیں اس میں اور دھکیلا جا رہا ہے انہیں اس دلدل میں پھنسایا جا رہا ہے اور ان میں کرب و اضطراب کی لہریں ابھاری جا رہی ہیں۔یہ کوئی مسئلہ کا حل نہیں بلکہ اس سے اور بھی زیادہ دقتیں اور الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں

خامساً......علماء کرام کی قیادت پر گہری نظر ڈالی جائے اور چشم کشا نظروں سے ان کی طرف دیکھا جائے اور پھر سنجیدگی سے اس پر غور کیا جائے۔ ہمارے علمائے کرام کی یہ سنہری تاریخ رہی ہے۔ جب ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی ہے یا انہیں کسی فتنہ میں پھنسایا گیا۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی نزاع کھڑا گیا تو یہی علماء کرام سامنے آتے اور سر پر کفن باندھ کر میدان میں آ کھڑے ہوتے اور پورے

خلوص وللہیت کے ساتھ حکومت وقت کے سامنے اپنا موقف پیش کرتے ......احتجاج کرتے ......اور مظاہرے کرتے.......شاہ بانو کیس کا معاملہ ہو یا بابری مسجد کی بات ہو ......نس بندی کا طوفان کس زور وشور کے ساتھ اٹھا تھا؟ اور پورے ہندوستان میں ہر طرف کیسا کہرام مچا دیا تھا؟...... اس وقت ہندوستان کا ہر ایک فرد پریشان تھا۔ ہندو کیا اور مسلمان کیا؟ ہر ایک پر نسبندی ایک مصیبت بن کر کھڑی تھی۔ اس وقت وہ کون سا ایسا چہرہ تھا؟ جو کرب واضطراب میں مبتلا نہ تھا؟ خوشی نام کی کوئی چیز نہ تھی...... شگفتگی کسے کہتے ہیں؟ اس وقت کوئی جانتا نہ تھا......

ہندوستان کا ہر ایک دانشور طبقہ جسے اپنی قیادت پر بھروسہ تھا اور اپنے قائد ہونے پر ناز کیا کرتا تھا۔ وہ سب کے سب بغلیں جھانک رہے تھے۔ ایسے ہی افراد میں دنیا دار لیڈر بھی تھے اور دنیا پرست علماء بھی......اور وہ خانقاہی افراد بھی تھے جو تاجِ مشیخت لئے بیٹھے تھے۔ ان کے لبوں پر بھی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں اس وقت ان کی قیادت کہاں چلی گئی تھی؟ کیا اس وقت ان کا یہ فرض نہ بنتا تھا کہ وہ سامنے آتے اور مسلمانوں کی رہنمائی کرتے.....

قربان جائیے حضرت سرکار مفتی اعظم پر کہ انہوں نے سب کی طرف سے اپنا فرض کفایہ ادا کر دیا۔ تنہا اس وقت ان کی ذات تھی جنہوں نے بلا خوف وخطر یہ اعلان کر دیا کہ نسبندی حرام ہے حرام، حرام ہے......ہمیں زبانی طور پر معلوم ہوا کہ اس وقت یہ فتوی حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس عمل میں یہ اشارہ مضمر تھا کہ اے...... جب بھی اسلام اور مسلمانوں پر کوئی بات آئے تو اے اختر رضا حق بات کے اعلان میں پس وپیش سے کام نہ لینا بلکہ اعلان حق کر کے اپنا فریضۂ جہاد ادا کر دینا...... یہ کچھ زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے اس وقت جس قدر علماء ہیں سب اس بات سے واقف ہیں مزید اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ نسبندی کے خلاف فتوی صادر ہوتے ہی پورے

ہندوستان میں شہرت ہوگئی کہ بریلی کا وہ بوڑھا انسان کس قدر ہمت اور عزم وارادہ والا ہے کہ حکومت کی جانب سے ہر طرح کی سختی ہونے کے باوجود انہوں نے اعلان حق کر ہی دیا۔ واقعی یہ جہاد ہے......کیا یہ قیادت نہیں تھی؟ کیا یہ قائدانہ کردار نہ تھا؟ یقیناً یہ قائدانہ کردار تھا اور آج بھی ہے! وہ لوگ جو قیادت کے کھو جانے کی بات کرتے ہیں انہیں یہ بات اپنی زباں سے نکالنے سے پہلے اپنی بھولی بسری یادوں کو یاد کر لینا چاہئیے کہ ہوسکتا ہے۔ ماضی کی انہیں یادوں میں کچھ ایسی چنگاری دستیاب ہو جائے جس کے تصور ہی سے ان کے قلب و ذہن میں اجالے پھیل جائیں جو افراد آج اشک شوئی سے کام لے رہے ہیں انہیں غور وفکر سے کام لینا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئیے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور کامل دین متین ہے اگر اس میں قائد رہنما نہ ہوں تو پھر دین کامل کا کیا مطلب ہے؟ اس قسم کی باتیں تو مسلمانوں کو کرنی ہی نہیں چاہیے۔

اصل وجہ کیا ہے؟

مسلمانوں کی پس ماندگی اور ہماری پریشانی کی اصل وجہ قیادت کا ،، نہ ہونا، نہیں ہے اس لئے کہ قیادت تو ہے اور ہر دور میں رہے گی بلکہ قیامت تک رہے گی یہ اور بات ہے کہ ہم اس قیادت کو نہ سمجھ پائیں......ظاہر ہے یہ قیادت کس کے پاس ہے؟ اس دور میں کون قائد رہنما ہے؟ ہمارے خیال میں یہ علماء ہی ہمارے قائد ہیں......ہمارے رہنما ہیں....اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری پریشانی کی اصل وجہ علماء کی قیادت سے انحراف اختیار کرنا ہے اور ان پر اعتماد نہ کرنا ہے......اس مقام پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس قوم کے پاس قرآن ہو......احادیث ہوں....مسائل وجزئیات پر مشتمل فقہی متون وشروح ہوں وہ اس طرح کی بات کرے کہ ہمارے پاس قائد نہیں ہے۔ رہنما نہیں ہے۔ یہ کس قدر حیرت کی بات ہے؟ مسلمانوں کی زباں سے اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا کچھ زیب نہیں دیتا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس ہر وہ چیز ہے جس کی فراہمی ہمارے لئے ضروری ہے وہ

دیکھو! بزرگوں کی سیرتیں ہیں......ان کے تعلیمات وارشادات ہیں......ان کے پندونصائح ہیں تو پھر یہ رونا کہ ہمارا کوئی قائد نہیں ہے یہ رونا کیسا رونا ہے؟ قیادت کے فقدان کا مسئلہ مختلف قسم کی غلط فہمیوں پر مبنی ہے

الف.....جو لوگ قیات کے فقدان کی باتیں کرتے ہیں ہم ایسوں کے تعلق سے کہنا چاہتے ہیں کہ انہیں قیادت کی صحیح جانکاری نہیں ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیادت کیا ہے؟ اوراس کے اطلاق سے کیا معنی مراد لیا جاسکتا ہے......قیادت عربی زبان کا لفظ ہے اس کا معنا رہنمائی ہے اور رہنمائی کرنا ہے یہ قیادت،،قیادت مطلقہ،، ہے اور عرف عام میں جب،،قیادت مطلقہ،، کا اطلاق کیا جاتا ہے اس سے قیادت کاملہ مراد لی جاتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کون سی قیادت،،قیادت کاملہ،، ہے؟ اورکون سی قیادت،،کامل قیادت،،نہیں ہے کسی بھی سنجیدہ ذہن والے سے پوچھیئے تو وہ یہی جواب دے گا کہ کامل قیادت اگر کوئی قیادت ہے تو وہ دینی اور مذہبی قیادت ہے اسی قیادت کے تعلق سے آیا ہے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت پوری کر دی ہم تمام دانشوروں سے پوچھنا چاہتے ہیں دین کی تکمیل کیا قیادت کی تکمیل کا تقاضا نہیں کرتی؟ ہاں کرتی ہے اور ضرور کرتی ہے تو پھر قیادت کے فقدان کا مسئلہ کہاں سے آگیا؟ اس لئے ہم کہنا چاہتے ہیں جو قیادت کے فقدان پرآنسو بہاتے ہیں انہیں اپنی سوچ کا علاج کرنا چاہئے اور اپنی فکری صلاحیتوں میں انقلاب لانا چاہئے کہ فکری صلاحیتوں میں انجمادی کیفیت کے طاری ہونے ہی سے انسان کے اندر مایوسی اور قنوطیت پیدا ہوتی ہے اور پھر ان کی زباں سے غیر شعوری طور پر ایسی باتوں کا اظہار ہونے لگتا ہے جو حسرت و یاس اور ناامیدی کا آئینہ دار ہوتی ہیں ہماری ان باتوں سے جدت پسند افراد کو حیرت بھی ہو رہی ہوگی کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے تئیں کیا سوچ رکھا ہے؟ خیر وہ حیرت کے جذبہ سے سرشار ہوں یا پھر حزن وملال سے دوچار ہوں ہمیں اس

بات سے کوئی غرض نہیں وہ بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ اور کیا نہیں ہے؟

ب........دور حاضر کے دانشوروں، مفکروں اور مدبروں نے غیر معیاری قیادت کو معیاری تصور کرلیا ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس قیادت کا وجود ہی دوسروں کے سہارے ہواس سے ملت میں تزلزل پیدا نہ ہوگا تو پھر کیا ہوگا؟ سماجی، معاشی، معاشرتی، اوراقتصادی قیادتیں کیا کامل اور معیاری ہوسکتی ہیں؟ نہیں! بلکہ ان قیادتوں میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ہاں ان میں سے جو قیادت بھی دینی قیادت کے زیر اثر پرورش پاتی ہے اس میں ضرور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اگر ان قیادتوں کی فقدان کی بات کی جائے تو اس میں سچائی کی تھوڑی سی جھلک ضرور پائی جاتی ہے کہ یہ قیادتیں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھارہی ہیں اور نہ ہی عوام وخواص کو مستفید کر پارہی ہیں تو اس کی وجہ صرف دینی قیادت سے انحراف ہے اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے

سماجی مسائل....

ہمارا سماج بگڑا ہوا سماج ہے اس کے افراد میں اخوت، محبت، رواداری، اخلاص، امداد باہمی قطعی نہیں پائی جاتی ہے کون بیمار ہے؟ کون پریشان حال اور غمزدہ ہے؟ کون بھوکا ہے ؟ اور کون پیاسا ہے؟ اس کی بھی کسی کو خبر نہیں مضطرب دلوں پر کوئی بھی شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا نہیں......کرب واضطراب کی روداد اور غموں کی داستاں سنائیں تو کسے سنائیں؟ کوئی ایسا ہمدرد اور مونس وغمخوار نظر نہیں آتا......آخر کیوں؟ تعلیم بھی ہے لیاقت اور صلاحیت بھی پائی جاتی ہے......علماء بھی موجود ہیں دین کی باتیں بھی بتانے والے پائے جاتے ہیں سماجی مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت بھی ہر ایک میں پائی جاتی ہیمگر سماج کا کوئی فرد بھی اس طرف دھیان نہیں دیتا ہے......مولویوں کی طرف رخ نہیں کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سماج کے ہر ایک فرد میں سماج کی تشکیل کی صلاحیت پائی جاتی ہے مگر اس صلاحیت کو کام میں نہیں لیا جاتا ہے اس لئے اس کے سوتے رفتہ رفتہ خشک ہوتے جارہے ہیں اسی لئے سماجی قیادت کا

وجود نہیں اور نہ ہی سماجی افراد میں اس کی چاہت اور تمنا ہے ......سائنسی ایجادات و اختراعات میں شدید انہماک کے باعث لوگ اپنی تاباں زندگی میں مست ہیں غریبوں ،مظلوموں ،اور غمزدہ لوگوں کی طرف انہیں دیکھنے کی فرصت ہی نہیں جس طرح تیز روشنیوں میں دیکھنے والی نگاہیں چراغوں کی روشنیوں میں اندھی ہوجاتی ہیں یہی کچھ حال تاباں زندگی کے خوگر انسانوں کی ہوتی ہے تو بتایئے سماجی قیادت کہاں سے پیدا ہوگی ؟ آسماں سے یا زمیں سے؟ یا پھر ہم ہی لوگوں سے!اس پر غور کیجئیے اور بتایئے !

اقتصادی حالات......

سماج ومعاشرہ کا ہر ایک فرد جانتا ہے کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ زیادہ تر ملکوں میں بھی مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہتر نہیں اور ہم معاشی مسائل میں اس طرح الجھ پڑے ہیں کہ بہت سے بھئی نان شبینہ کے محتاج ہوچکے ان کا کوئی کاروبار نہیں ...تجارت نہیں ....اور غریبی سے بہت زیادہ نیچے آکر زندگی بسر کررہے ہیں خطۂ افلاس ہم سے بہت زیادہ اونچائی پر ہے اور ہم اس سے بہت زیادہ نیچے ہیں......اس سلسلے میں حکومت کی جانب سے جو پالیسی وضع کی جاتی ہے جو اسکیمیں اور منصوبے چلائے جاتے ہیں ان سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟ ہمارے خیال میں کوئی فائدہ نہیں پہونچتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان اسکیموں کی جانکاری نہیں ہوتی ہے اور جنہیں جانکاری ہوتی ہے وہ سودابازی سے کام لیتے ہیں اور جو قرض کی اسکیم ہوتی ہے اس سے غریب کم بڑے لوگ زیادہ فائدے حاصل کرتے ہیں جو لوگ مستحق ہوتے ہیں وہ اس اسکیم سے محروم ہوجاتے ہیں اور جو مستحق نہیں ہوتے ہیں وہ اس سے فائدے حاصل کرتے ہیں اس لئے کہ،،رعیتی فیس،، دینے کے لئے اس کے پاس روپوں کی کمی نہیں ہے جب کہیں گاڑی پھنستی ہے تو پیسے دے کر نکل جاتے ہیں تو سب کچھ اسی کے لئے ہوتا ہے مسلمان بیچاروں کو کیا ملتا ہے؟ اس طرح کے روپیہ سے دولت مند افراد روز مالدار ہوتے جارہے ہیں اور غربت کی بدولت آئے دن غریب سے

غریب تر ہوجاتے جارہے ہیں ان بیچاروں کا کوئی پرسان حال نہیں غربت کی زندگی کانٹوں کی زندگی ہوتی ہے وہ یا تو اپنے ہاتھوں کو مارے افسوس کے ملتے ہیں یا پھر راتوں میں تاروں کو گنتے رہتے ہیں..... یوں تو ہر سیاسی پارٹی کے افراد نعرہ لگاتے ہیں غریبی ہٹاؤ......مگر وہ کون سی پارٹی ہے جو غربت کو مٹا رہی ہے اس کے باوجود ہمیں بھروسہ ہے تو کس پر بھروسہ ہے؟ ان سیاسی لیڈروں پر جو ہم سے ووٹ لیتے ہیں اور لکھنو یا دہلی جا کر ایسی روم میں آرام کرتے ہیں اور ہمارے بوتے پر موج مستی کرتے ہیں ہم مسلمانوں نے سب کو آزما کر دیکھ لیا ہر ایک کی باتیں سن لیں بس ان نیتاؤوں کی ایک بات ہے ان کے وعدے کیا ہوتے ہیں ؟ سبز باغ ہوتے ہیں ہمارے اور آپ کے امام احمد رضا نے اس بات پر زور دیا کہ میرے مشورے اور تدبیروں پر عمل کرو جو بنام،، تدبیر فلاح ونجات،، عمل کرو اور جو کچھ تمہیں اللہ کے فضل سے دستیاب ہوا سے حکمت عملی سے خرچ کرو اور اسی حکمت عملی سے اس کی حفاظت کرو ......اس فارمولے کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی اپناؤ کہ اس سے بہت ہی زیادہ فائدہ ہوگا آج ہمارے مابین بنام قیادت جو چیز پائی جاتی ہے وہ دینی قیادت سے بالکل الگ تھلگ ہے اس لئے آج ہماری حالت قابل رحم بھی ہے اور لائق ترس بھی ہے....

سیاسی عمل.....

سیاست جو کسی دور میں ،،حکمت عملیہ اور تدبیر حسنہ،، کا نام تھا.....لیکن آج سیاست سے دھوکہ ،فریب ،اور انتقامی جذبہ مراد لیا جاتا ہے اس لئے سیاسی چالبازیاں مشہور ہیں سیاسی قائدین کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا چاہئے مگر آج سیاست کے نام پر کیا ہو رہا ہے؟ یہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ہم اور آپ سبھی لوگ جانتے ہیں آج جو سیاست کے میدان میں ٹال ٹھونک کر اترتے ہیں وہ قائد ورہنما نہیں ہیں دور حاضر کی سیاست کو قیادت کے ساتھ جوڑنا ایسا ہی ہے جیسے فرش مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا اس کے باوجود ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہ حال ہے کہ سیاست کے شاطر کھلاڑیوں پر مرے جارہے ہیں اگر،، ایم

ایل اے.....ایم پی یا کوئی وزیر بناوٹی ہنسی کے ساتھ کسی کو مسکرا کر دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اب ہم سے زیادہ کوئی ان سے قریب ہے ہی نہیں اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ بس اب ہماری معراج ہوگئی ہے....سیاسی قیادت کیا ہے گھن زدہ ہے اس کی محفل میں رونق تک نہیں ہے جسے قیادت ملنی چاہئے اور جو اس کا مستحق تھا اسے ملی نہیں بلکہ یہ قیادت نا اہلوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکی ہے اس لئے اس کا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہے لوک سبھا اور ودھان سبھا میں ہمارے ہاتھوں سے بنائے ہوئے جو،،ایم پی اور ایم ایل اے،، جاتے ہیں وہ کیا کرتے ہیں وہ ہمارے مفاد کی نہیں بلکہ اپنے مفاد کی بات کرتے ہیں کاش اگر ان کے دلوں میں قیادت کی عزت ہوتی احترام ہوتا تو وہ ہمارے اور مسلمہ عامہ کی بات کرتے مگر ایسا نہیں کرتے ہیں ......اس کے برخلاف دینی مذہبی قیادت وہ قیادت ہوتی ہے جو کرب و اضطراب کی تمازت سے پریشاں حال افراد کو ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں عطا کرتی ہیاور انہیں اخلاص ومحبت کی لوریوں سے نوازتی ہے مگر دور حاضر کے منحرف لیڈروں، قائدوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں بھی دینی قیادت سے استفادہ کرنا چاہئیے مگر نہیں اس سے استفادہ میں وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں یہی سبب ہے کہ یہ لیڈران اس بات پر زور دیتے ہیں کہ دینی مذہبی قیادت اور دوسری قیادتوں کے مابین کی خلیج اور بھی زیادہ وسیع اور کشادہ ہو اس کے درمیان اور بھی زیادہ فاصلے بڑھیں اسی لئے آئے دن فاصلہ بڑھتا ہی جارہا ہے اور دوریوں میں اضافہ ہی ہورہا ہے جو لوگ سیاست پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں کہ دینی قیادت سے منحرف ہونے کے نتیجہ میں ہماری منحرف قیادتیں منقسم ہوتی جارہی ہیں کہیں یہ تقسیم مینوفیسٹو کی بنیاد پر ہوتی ہے اور کہیں سیاسی نظریات کی بنیاد پر کبھی سیاست علاقائی تہذیب پر بٹتی ہے تو کبھی زبانوں کی بنیاد پر اور کہیں تنگ نظری اور عصبیت کی بنیاد پر .... قیادتوں کے بٹ جانے کے سبب سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا ہمارا اس طرح بٹ جانا کہ ہم اپنے وجود کو صحیح معنی میں برقرار نہ رکھ سکیں

......یہ وہ نقصان ہے جس کی بھرپائی ہم نہیں کر سکتے ہیں شاید اقبال نے بھی اپنے شعر میں اسی مفہوم کو بیان کیا ہے کہ

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

آج ہم اپنے کارواں سے بچھڑ چکے ہیں اچھے اور نیک دل انسانوں کی صحبتوں سے محروم ہو چکے ہیں جہاں سے اجالے ملتے ہیں نکہتیں ملتی ہیں اور نت نئی کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں ہم نے اس مقام اور اس در کو چھوڑ دیا ہے اسی کا نتیجہ ہیکہ ہماری اچھی خاصی تعداد ہونے کے باوجود ہمارے وجود کی کوئی اہمیت نہیں کسی بھی سیاسی پارٹی میں ہمارا وہی مقام ہے جو مقام ہے جو مقام ان دانوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں شکاری چڑیوں کو شکار کرنے کے لئے بکھیر دیتا ہے اور پھر جال پھیلا دیتا ہے خواہ وہ پارٹی کانگریس کی ہو یا سماج وادی یا پھر بہوجن سماج وادی کی ہو......اس بات پر ہمیں کوئی حیرت نہیں اور نہ ہی کوئی تعجب ہے کہ جو اپنے مرکز سے منحرف ہوتا ہے اور جمعیت سے منھ موڑتا ہے اس کا یہی حشر ہوتا ہے اور وہ زندگی کے ہر موڑ پر تنہا رہ جاتا ہے کسی کہنے والے نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ بچھڑ کر کارواں سے راہ رو، ایسا ہوا تنہا

تھکا تنہا، گرا تنہا، اٹھا تنہا، چلا تنہا

صحافتی میدان.....

صحافت نہایت ہی صاف ستھرا شغل ہے بشرطیکہ صحافت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کی دیانت داری اور اظہار حق وصداقت کو برقرار رکھیں لیکن تجربہ یہ ہے کہ میڈیا والوں کو جہاں کہیں بھی اسلام پر انگشت نمائی کا موقعہ ملتا ہے چوکتے نہیں اور نہ ہی ان کی نگاہیں خطا کرتی ہیں ہمارے کچھ نوجوانوں نے صحافت کے میداں میں قدم رکھا اور مذہبی صحافت کی شروعات کی اس کے تعلق سے مختلف رسالے، ماہنامے اور ڈائجسٹ شائع ہو

رہے ہیں انہیں ماہناموں میں ،، جام نور ،، بھی ہے مذہبی پلیٹ فارم سے یہ شائع ضرور ہوتا ہے مگر اس نے بھی مسلمانوں کی پستی، پس ماندگی کے صحیح اسباب وعلل کی وضاحت نہ کی اور عام صحافیوں کی طرح اس نے بھی مختلف روش اختیار کی اس سے ملت اسلامیہ کو فائدہ پہونچانے کے بجائے اسے نقصان پہونچایا.....لوگ اپنوں کے لئے مرتے ہیں اور اپنی ملت کو ترقی دینے میں پوری عمر مصروف عمل رہتے ہیں مگر جام نور ایک ایسا رسالہ ہے جو اپنوں کے لئے نہیں بلکہ غیروں کے لئے نکلتا ہے یہ شاہیں کا ہمسفر نہیں زاغوں کا شریک کار ہے یہ خود سے نہیں چلتا ہے دوسروں کے چلانے سے چلتا ہے علماء کی بے قدری کا ذمہ دار بھی ،، جام نور ،، ہے جسے چاہتا ہے اپنی بیجا تنقید کا نشانہ بنالیتا ہے اس کا قلم بے لگام گھوڑوں کی مانند رواں دواں ہے مدرسوں، مکتبوں، کی مخالفت میں تو اس جام نور حد ہی کردی ہے عصری علوم کو وہ زیادہ اہمیت دیتا ہے مسلمانوں کی ذلت و پس ماندگی کے کیا اسباب ہیں؟ اس بات اسے غرض نہیں ہے ان اسباب کی وضاحت جام نور نے کبھی بھی نہیں کی ہے ناخواندگی، خستہ حالی، معاشی ابتری تو اس کے عام اسباب ہیں مگر اس کا اصل سبب کیا ہے؟ اس کے تعلق سے صرف یہی کہا جاسکتا ہے یا تو وہ جانتا نہیں ہے اور اگر وہ جانتا ہے اور یقیناً جانتا ہے تو پھر اس کا ذکر نہ کرنا یہ اس کی چشم پوشی ہے اس چشم پوشی کی کیا وجہ ہے؟ کیا جام نور اس وجہ کو بتانے کی جرأت کرسکتا ہے اس طرح کی چشم پوشی صحافت کے پیشہ کے لئے ایک بدنما داغ ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اس کے باوجود وہ غور نہیں کرتا ہے اس کے پیچھے اس کا کیا مقصد ہے؟ یہ ابھی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے

دینی قیادت اور ضرورت شدیدہ

سماج و معاشرہ میں قیادت کے مسئلہ پر جو بے چینی، کرب و اضطراب اور درد پایا جاتا ہے اس کے پیش نظر اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ یہ سادہ لوح مسلماں کہاں جائیں؟ اور کس سے پناہ مانگیں؟ در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے زمانے گزر گئے عرصے بیت گئے مگر

حاصل کچھ بھی نہ ہوا اس لئے حالات کا تقاضا ہے کہ دینی قیادت کا سہارا لیا جائے اور اسی کی طرف لو لگائی جائے اور اسی کے سہارے اپنی زندگی کے ایام گزارے جائیں اللہ پاک اس کی برکت سے ہماری دنیا بھی سنوار دے گا اور آخرت میں بھی فائدہ ہوگا دینی قیادت کی تلاش میں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہر شہر اور ہر قصبہ میں اس کی برانچ ہے اس کا سب اسٹیشن ہے اپنے شہر اور قصبہ کے علماء مفتیان کرام کے پاس جایئے انہیں سے اپنی بات کہیئے انہیں اپنے ساتھ لیجیئے اور تعمیری کاموں میں لگ جایئے جب آپ محبت سے ان کی طرف قدم بڑھائیں گے تو آپ کا ہر ایک کام بنتا ہوا چلا جائیگا اور ہر ایک آفت بھی دور ہو جائیگی دینی اور مرکزی قیادت اس وقت حضرت علامہ تاج الشریعۃ مفتی محمد اختر رضا ازہری کے مقدس ہاتھوں میں ہے مرکزی قیادت کی ساری رعنائیاں ان کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہے وہ ایک ایسی عظیم شخصیت کے مالک ہیں خدا نے انہیں قبولیت عامہ عطا کی ہے اسی لئے انہیں ،، قاضی القضاۃ فی الہند کہا گیا ہے اور تاج الشریعۃ بھی انہیں کا لقب ہے

قائد کیسا ہو؟

قائد کیسا ہو یہ ایک اہم سوال ہے اس سوال کا حل نکالنا بہت ہی ضروری ہے اور اگر آپ نے اسے حل نہ کیا تو آپ اندھیرے میں پڑے رہو گے ہم آپ کو اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ اجالوں میں لانا چاہتے ہیں ذیل میں کچھ باتیں آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کی جارہی ہیں

الف.....مسلمانں کا قائد ایسا ہو جو ہر دلعزیز ہو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بھی قبولیت عامہ حاصل ہو.......کیونکہ یہ علاقائی یا صوبائی قیادت نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ آل انڈیا مسئلہ ہے بین الاقوامی مسئلہ ہے.......اس لئے ہم پر فرض بنتا ہے وہ شرعی طور پر جو فیصلہ لیں اس پر عمل کریں کہ اس سے اچھے اور مثبت اثرات نمایاں ہونگے یوں تو ہندوستان میں بہت سے علمائے کرام ہیں اور مفتیان عظام بھی ہیں اور خانقاہوں میں سجادہ نشیں بھی ہیں لیکن جو

قبولیت حضرت ازہری میاں کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے ہندوستان کے جس علاقہ میں آپ کا سفر ہوتا ہے چاہنے والے ٹوٹ پڑتے ہیں اور ان کے دیدار کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اس کے باوجود ان کے دل میں کوئی میل نہیں ہوتا ہے بس ان کے سامنے صرف اپنے محبوب اور مرشد کی زیارت ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں انہیں یہ مقبولیت صرف ہندوستان ہی میں حاصل نہیں ہے بلکہ پاکستان ،اور دوسرے مما لک میں بھی ہے حتی کہ مصری سرزمیں پر بھی ان کی مقبولیت کا یہی عالم ہے ہندوستان سے اور بھی علماء حج کو جاتے ہیں مگر نجدی حکومت کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہی نہیں ہے اگر ہندوستان کے کسی عالم کو نجدی حکومت نے گرفتار کیا ہے تو وہ حضور مجاہد ملت ہیں یا پھر حضور ازہری میاں صاحب قبلہ ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہلسنت اور مسلک اعلی حضرت کے سچے نمائندہ بننے کی جو صلاحیت رکھتا ہے وہ صرف صرف ازہری میاں صاحب کی ذات بابرکت ہے جیل کی سلاخوں میں کون بند ہوا؟ پا بہ زنجیر کسے کیا گیا؟ جسے کیا گیا وہی تو قائد ہو سکتا ہے ظاہر ہے اس کے جواب میں یہی کہا جائیگا حضرت ازہری میاں! اسی لئے ہم کہتے یں ان کی ذات ان کی شخصیت ہمارے لئے غنیمت ہے اس لئے ہندوستان کے تمام علماء نے انہی کو اپنا قائد مانا ہے اور جانا بھی ہے قاضی القضاۃ کا لقب یوں ہی نہیں عطا کیا گیا ہے بلکہ آپ کے مستحق بھی ہیں خدا انہیں سلامت رکھے کہ ان کی سلامتی ہماری سلامتی ہے اور ان کی بھلائی ہماری بھلائی ہے

ب........ہمارا قائد ایسا ہو جو عزم و ارادہ کا پکا اور پختہ ہو فولادی صلاحیتوں کا مالک ہو حق گوئی اور بے باکی کا جذبہ ان کے دلوں میں پایا جائے تا کہ مرد ظالم کے روبرو وہ اعلان حق کر سکے اور نیچی نگاہیں کر کے باتیں نہ کرے حضرت تاج الشریعۃ اس معیار پر کھرے نظر آتے ہیں جب بھی اس قسم کا کوئی معاملہ آیا ہے انہوں نے حق بات کہی ہے حق بات کہنے میں انہوں نے نہ کسی سے خوف کھایا اور نہ ہی کوئی اونچی شخصیت انہیں مرعوب کر سکی ان کی یہ

دلیرانہ قیادت نہ صرف ہندوستان میں اپنی نمود کی تابانیاں دکھاتی ہے بلکہ دیار غیر میں بھی آپ نجدی حکومت سے نہ ڈرے بلکہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ نے گفتگو کی اور اپنے موقف کا اظہار کیا......ان کی یہ دلیرانہ قیادت مجددانہ شان وشوکت سے کم نہیں ہے اسی شجاعت و بہاری اور جرأت و بہادری کے سبب کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ مذہبی قیادت کا سہرا صرف آپ کے سر ہے آپ کی قیادت پر سبھی اتفاق کرتے ہیں اور جنہوں نے اتفاق نہیں کیا ہے تو ان کے بارے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اتفاق کرنیکی صلاحیت ہی نہیں پائی جاتی ہے یا صرف اس سلسلہ میں معذور تصور کئے جا سکتے ہیں بہرحال جو بھی صورت ہو اس بارے میں جو صحیح بات ہے اسے وہی سمجھ سکتے ہیں کوئی اردوسرا اور کیا سمجھ سکتا ہے؟

ج......قائد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی فکر بلند ہو اس کی سوچ میں لطافت ہو علم و شعور میں درک تام رکھتا ہو کیونکہ قائد ہونے کی حیثیت سے انہیں موقف کے اختیار کرنے کا حق ہوتا ہے اس اعتبار سے دیکھئیے تو ہندوستان میں کوئی بھی عالم ان سے اعلی اور بہتر نہیں ہے اور نہ ہی فکر وفن میں بالا نظر آتا ہے......فقہی بصیرت،تنقیدی صلاحیت،مثبت نظریوں کی تشکیل ان حیات کا لازمہ دکھائی دیتا ہے اور اس بارے میں انہیں بلا کا کمال نظر آتا ہے ٹیوی کے مسئلہ پر انہوں نے اپنے فکر وفن کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اس سے ان کی اعلی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے ان کی فکر میں رعنائی بھی ہے اور شعور میں انجلائی کیفیت کا احساس ہوتا ہے علم وتدبر تو،، ماشاء اللہ،، ہے آج بھی اپنے موقف پر جمے ہوئے ہیں اس طرح حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ نے اپنے خاندانی روایتوں کو برقرار رکھا ہے اس بنیا پر کہا جا سکتا ہے قیادت کا حق تو صرف آپ کو حاصل ہے دوسرا کون ہے جو ان کے سامنے آئے اور قیادت کا دعوی کرے یوں تو مجنوں ہزاروں کی تعداد یں نظر آتے ہیں مگر صحیح معنوں میں مجنوں ایک ہی ہوتا ہے اس لئے ہم اہلسنت کے قائد صرف آپ ہیں

د........ہمارا قائد وہ ہو جو روایتوں کا امین اور تہذیبوں کا پاسدار ہو اور اس کی نگہداشت

میں کسی زاویہ سے کوتاہی عمل نہ پائی جائے حالات کیسے بھی بنیں ہمارا قائد کسی صورت میں روایات میں تبدیلی پر راضی نہ ہو........جو روایتوں میں بدلاؤ لائے ہواؤوں کا رخ دیکھ کر اپنے موقف کو تبدیل کرے اور پھر نظریوں کو بدل ڈالے ایسوں کے ہاتھوں میں قیادت ایک قسم کا کھلونا بن کر رہ جاتی ہے وہ کسی کی رہنمائی کیا کر پائے گا؟ حضرت ازہری میاں صاحب کی شان زیبائی یہ ہے کہ جب کبھی کوئی موقف اختیار کر لیتے ہیں تو اس پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی روایتوں کا ادب واحترام کرتے ہیں یہی انکے خاندان کی ریت رہی ہے اور اللہ والوں کا شیوہ رہا ہے ٹائی کا مسئلہ ہو یا ٹی وی کا......تصویرے دیکھنے کا مسئلہ ہو یا نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا مسئلہ ہو حضرت تاج الشریعۃ آج تک اپنے موقف پر قائم ہیں جب بہت سے اہل علم نے اپنے موقف میں تبدیلی کر دی ہے اہل زمانہ کے حالات اور نفسیات اعلم ہونا ضروری ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ موقف میں تغیرات لائے جائیں اور منھ دیکھی بات کہی جائے اس طرح کے رویہ کا حالات اور ضرورت شدیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی امتیازی خصوصیت اور کمال کے سبب برائے قیادت انہیں کی ذات کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

یہ چند باتیں تھیں جو حقائق پر مبنی تھیں آپ کے روبرو پیش کر دی گئیں اس پر غور کریں اور کسی نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کریں تا کہ قیادت کا مسئلہ یقینی طور پر حل ہو جائے اور قوم وملت کے مابین پائی جانے والی پریشانیوں کا ازالہ ہو سکے بہر حال اس طویل مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دور حاضر میں بھی دوسرے ادوار کی مانند قیادت کا فقدان نہیں ہے قیادت کی کسی خاص نوعیت کے ساتھ پریشانی کا لاحق ہونا یا پھر اس کا فقدان اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اب قیادت مطلقہ/کاملہ نہیں رہی کہ خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں تو پھر قیادت کے فقدانکو اس قدر بڑھاوا کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ پریشانی تو صرف اس وجہ سے لاحق ہے کہ ہماری خاص قیادت کا،، قیادت مطلقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دور حاضر یں

قیادت کی ردا صرف تاج الشریعۃ پر زیب دیتی ہے اس لئے کہ ہر اعتبار اور ہر زاویہ فکر سے صرف انہیں کی ذات اور شخصیت کو ترجیح حاصل ہے.......علم وشعور، فکر وفن، تقوی وطہارت ،نفاست و پاکیزگی، جرأت و بیباکی، شجاعت و دلیری، استقامت فی الدین، تصلب، تدبر بے لوث جذبہ، اخلاص ومحبت، عمل خیر کا ذوق وشوق، اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر کامل عبور عصری علوم وفنون سے واقفیت زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر کڑی نظر اور عوام وخواص کی نفسیات پر گہری نظر یہی وہ اوصاف وکمالات ہیں جو تاج الشریعۃ کی ذات وشخصیت کو قیادت کے لئے پیش کرتے ہیں سماج ومعاشرہ کے ہر ایک طبقہ سے صرف یہی آواز بلند ہوتی ہے ہمارا کوئی قائد نہیں ہمارا کوئی رہنما نہیں ہم ان کی اس آواز سے اتفاق نہیں کرتے کہ قیادت کے فقدان کا کوئی مسئلہ نہیں ہے...... ہاں اگر کوئی مسئلہ ہے تو وہ مسئلہ مطلق قیادت سے انحراف کا مسئلہ ہے چونکہ یہ انحراف نفرت اور عداوت کی بنیاد پر ہے اس لئے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے اور انسانی نفسیات بھی اس سے اتفاق نہیں کرتی ہے کہ جس طرح نظام کائنات میں ظلمت بھی ہوتی ہے اور اجالے بھی......تاریکی بھی ہوتی ہے اور روشنیاں بھی ......اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی ہوتا ہے اسی طرح قائد بھی ہوتے ہیں اور اس کے اشارۂ ابرو پر چلنے والے افراد بھی ہوتے ہیں.......صرف اندھیروں، اجالوں کا ہونا یا صرف رہنماؤں کا ہونا یا نہ ہونے سے کام نہیں چلتا ہے کہ یہ کائنات کے فطری نظام کے خلاف ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا قائد نہیں ہے ہمارا رہنما نہیں ہے کہ ہر دور میں قائد رہا ہے اور رہنما بھی رہے ہیں اس لئے کہ یہ فطری نظام زندگی کا تقاضہ ہے یہ خیال کسی کا بھی یا کسی بھی گروپ کا ہو یہ خیال خام ہے اس میں کسی طرح کی کوئی پختگی نہیں ہے لہٰذا اس خیال کا ازالہ ضروری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ منفی سوچ ہے کسی بھی دور میں منفی سوچ کامیاب نہیں ہوئی ہے قیادت ہمارے لئے آسماں سے نازل نہ ہوگی یا زمیں پیدا نہ کریگی ہماری قیادت تو ہماری زندگی اور سماج سے ابھرے گی ہمارا معاشرہ

ہی اسے جنم دیگا اس لئے اب یہ دور آچکا ہے کہ ہم اور آپ سیاسی قائدین پر زیادہ اعتماد نہ کریں ان پر زیادہ یقین نہ کر بیٹھیں بلکہ اب ہمیں ضرورت ہے کہ ہم کسی دینی مذہبی قیادت کی تلاش کریں کہ یہی دینی قیادت زندگی، سماج اور معاشرہ کے مسائل کا حل نکالتی ہے اور انسان کی سماجی معاشی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے.....سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ کوئی انصاف ہے ؟ صاف شفاف آبشاروں کو چھوڑ کر کسی گندے نالے کا پانی پئیں اور اپنی پیاس بجھائیں یہ انصاف نہیں دیانت نہیں بلکہ انصاف و دیانت پر ایک بدنما داغ ہے ایک سیاہ داغ ہے اور ایسا داغ ہے جو دھلنے نہیں دھلتا ہے بلکہ یہ داغ اور بھی زیادہ پھیلتا ہی رہتا ہے.......
عوام وخواص کو اب ہوش میں آجانا چاہئے اور دینی قیادت کی جانب تدریجی طور پر ایک ایک قدم بڑھانا چاہئے ہم نے تدریجاً کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جو کام رفتہ رفتہ ہوتا ہے اس کا اثر دل اور دماغ دونوں پر پڑتا ہے اور اس کے تمام گوشوں کو منور اور مجلی کرتا ہے اور اس کی زمیں میں تارے اگاتا ہے جب دلوں میں اس قسم کے جذبات ابھرتے ہیں تو پھر آپ ہی اس بات کو تسلیم کرلیں گے کہ ہمارا قائد کون ہوسکتا ہے اور ہماری قیادت کا مستحق کون ہے؟ اور ہماری رہنمائی کون کرسکتا ہے؟ کس میں اتنی صلاحیت ہے جو اتنی بہت ساری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے اور عوام کی فلاح بہبودی کے لئے کچھ کرسکتا ہے اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے........اے مسلمانوں تم نے سب کو آزمالیا ہے تمام قائدین تمہارے تجربے اور مشاہدہ میں آچکے ہیں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب کے سب برے ہیں ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں اسی طرح اچھے بھی عالم ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں ؟ اسے بتانے کی ضرورت نہیں لہٰذا آپ اچھوں کی تلاش میں سرگرداں رہیئے اور اچھے عالموں کی صحبت اختیار کیجئے اور جو کچھ سیکھنا ہے انہیں سے سیکھئے.......اس دور میں دینی قیادت صرف اور صرف عالموں کو حاصل ہے اور اسی کو ضرورت کا نام دیا گیا ہے .....ہمارے علماء کو بھی چاہئے کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر اپنی شخصیت کو مجروح نہ ہونے دیں

اور خلوص وللٰہیت کے ساتھ اپنی قوم اور اپنی ملت کے نوجوانوں کو تربیت بھی دیں اور انہیں سمجھانے کی بھی کوشش کریں علم کوئی بھی پڑھیئے مگر اپنے دین کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے رہیں کہ اسی میں فلاح وبہبودی ہے.....

بائیسواں باب

جلوہ گاہِ حسن و ناز کون ہے؟

حیرت انگیز شخصیت

قاضی القضاۃ فی الہند،تاج الشریعۃ حضرت علامہ مولانا محمد اختر رضا ازہری بریلوی دام ظلہ العالی کی ذات وشخصیت محتاج تعارف نہیں..... یہ وہ سورج ہے جو اجالوں میں بھی چمکتا ہے اور تاریکیوں میں بھی اپنی کرنوں سے قلب وذہن کو چمکاتا ہے.....اجالتا ہے اور اسے صاف ستھرا کرتا رہتا ہے ان کی چمکتی شخصیت کے سامنے،،آفتاب نصف النہار،،بھی شرمندہ ہے اور پشیماں دکھائی دیتا ہے اس سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شخصیت واقعی حیرت انگیز ہے...... یہ صرف خیال نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ایک زمانہ تسلیم کرتا ہے اور دل وجاں سے مانتا ہے اس طرح کی خوبی سب کو نصیب نہیں ہوتی ہے بلکہ جسے وہ چاہتا ہے اُسے وہ عطا کر دیتا ہے اور جسے نوازنا چاہتا ہے نواز دیتا ہے اس پر کسی کا زور نہیں چلتا ہے......واقعی طور پر جو دانشور ہوتا ہے صاحب فہم وذکا ہوتا ہے اس کی عطا پر راضی ہوتا ہے اور اس کی رضا پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے.....وہ اگر چاہے تو ذرہ کو آفتاب بنادے اور خاک کو کندن کر دے.....کہ وہ مالک ہے......مختار کل ہے......اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔

اسی طرح عزت بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور کسی بندہ کو قبولیت بھی وہی دیتا ہے اسی

کی تنہا ذات ہے جو کسی کے دل کو اس کے حسن وناز کی جلوہ گاہ بنادیتا ہے......ایسے ہی بندگان خاص میں حضرت ازہری میاں صاحب کی ذات ہے جنہیں،،قبولیت عامہ،،حاصل ہے ہر دل میں ان کی محبت پائی جاتی ہے ہر ایک ذہن ان سے متأثر دکھائی دیتا ہے ان کی شخصیت کا رعب اور شان وشوکت ہر ایک پر طاری ہے وہ کون ہے؟ جو ان سے متأثر نہیں ہے اسی طرح وہ کون سا ایسا دل ہے جو انہیں نہیں مانتا ہے وہ کون سا ایسا انسان ہے جو ان کی محبت میں سرشار نہیں ہے؟ ہمارے اس استفہامیہ انداز بیاں سے قطعی طور پر اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اس سے ہماری مراد،،انحصار کلی،،ہے اس انداز بیاں کا تعلق اگر چہ حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کی ذات گرامی سے ہے ان کے علاوہ کسی اور شخصیت کے لئے بھی،،انحصار کلی،،کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے اگر چہ ان کی شخصیت حضرت ازہری میاں سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہو.......بلکہ اس سے مراد مخصوص طبقہ میں،،افراد کثیرہ،،سے ہے جماعت اہلسنت میں وہ افراد مراد لئے لائیں جن کے دلوں میں بغض وحسد اور کدورت جیسے منفی اور غیر مثبت خیالات وجذبات نہ پائے جاتے ہوں ایسے ہی افراد کثیرہ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ کو ہر طرح سے مانتے ہیں اور ہر زاویہ فکر سے انہیں جانتے ہیں ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ ہم اپنے پیرو مرشد اور جانشین مفتی اعظم ہند کو کہاں بٹھائیں اور کہاں اٹھائیں؟ دل کے نہاں خانہ میں انہیں جگہ دیں یا پھر اپنی آنکھوں کی پتلیوں میں ان کے حسن وناز کے جلوؤں کو بسائیں..... جہاں چاہنے والوں میں اس طرح کی کیفیت بیدار ہو جاتی ہے اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ان کی شخصیت کس قدر حیرت انگیز ہے؟

پھول اور کانٹوں کا رشتہ

ہر سنجیدہ ذہن اس بات کو جانتا ہے اور مانتا ہے کہ یہ دنیا ہے یہاں کی ہر چیز میں

انقلاب پایا جاتا ہے ہر شئی میں تغیر اور بدلاؤ کا مزاج ہوا کرتا ہے یہاں نہ صرف پھولوں سے قرار ملتا ہے اور نہ صرف کانٹے ہی کانٹے چین وسکوں دیا کرتے ہیں دنیا میں رہنا ہے تو پھولوں سے بھی دوستی کرنی ہے اور کانٹوں کے ساتھ بھی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ اور شعور سیکھنا ہوگا جو صرف پھولوں پر صبر کر لیتے ہیں وہ ناقص ہوارتے ہیں اور جو صرف کانٹوں کو ہی اپنے سینہ سے لگائے رہتے ہیں وہ بھی اپنی خام خیالی میں رہا کرتے ہیں اس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ پھولوں سے بھی انسیت رکھے اور کانٹوں سے بھی........دنیا میں اس طرح سے جو زندگی بسر ہو جاتی ہے وہ کامیاب زندگی ہوتی ہے بامراد حیات ہوا کرتی ہے میں نے ایک دو نہیں بہت سارے انسانوں کو دیکھا ہے اور اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ زندگی درحقیقت وہ زندگی ہوتی ہے جس یں پھول بھی ہوں اور کانٹے بھی......حضرت قبلہ ازہری میاں صاحب کی زندگی بھی کامیاب زندگی ہے یہ وہ زندگی ہے جس پر ہزاروں کو رشک ہوا کرتا ہے اور وہ سب کے سب یہی چاہتے ہیں کہ ایسی ہی زندگی ہمیں بھی نصیب ہو جائے....تمنا سب کے دل میں ہوتی ہے اور آرزو بھی سب کو ہوا کرتی ہے مگر یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ ہر کسی کی ہر تمنا پوری ہو جائے کاش اگر ایسا ہو جاتا تو پھر دنیا میں کسی طرح کا نہ اختلاف ہوتا اور نہ ہی کسی کے مابین کسی طرح کا کوئی تنازع ہوتا.....زمینی طور پر اختلاف کا پایا جانا اور تنازع کا اُٹھ کھڑا ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کسی کی تمنا ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے اور کسی کے باغ تمنا میں ایسے پھول کھلے ہیں کہ جن کی خوبصورت نظاروں کو دیکھنے کیلئے پورا جہاں دوڑ پڑا ہے اور ہر ایک فرد انساں تماشائی بنا ہوا ہے کوئی نکہتوں سے اپنے دل کی دنیا بسا رہا ہے اور کوئی ایسا بھی ہے جو خوبصورت نظاروں سے اپنے قلب وذہن کو گرما رہا ہے اور اپنے جسم وجاں میں حرارت غریزی بیدار کر رہا ہے دور حاضر میں اگر ایسی کوئی شخصیت ہے تو

وہ شخصیت سرکار ازہری کی ہے......تاج الشریعۃ کی ہے......اور ہندوستان کے قاضی القضاۃ کی ہے.........حضرت تاج الشریعۃ کی اسی قبولیت کے سبب آج چاروں طرف مخالفتوں کے کانٹے بچھا دیئے گئے ہیں ان میں کچھ کانٹے ایسے بھی ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں اور کچھ ایسے بھی نوکیلے کانٹے ہیں جو غلط فہمی کی زمیں پر بوئے گئے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو ان کے بڑھتے قدموں کو روکنے کے لئے بچھائے گئے ہیں ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہاں کہنا پڑتا ہے کہ

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

تیئیسواں باب

جماعتی انتشار کا سدِ باب کیوں، کیسے؟

''جماعتی انتشار'' کاسدِ باب، کیوں؟ اور کیسے؟

عنوان ''دور حاضر'' کے ''جماعتی مزاجی'' سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے .....نہ صرف دکھائی دیتا ہے.....بلکہ حقیقت سے بہت ہی زیادہ قریب ہے.....اس لئے کہ ہر ایک فرد اس وقت یہی محسوس کررہا ہے، کہ ''جماعت'' میں بہت زیادہ انتشار پھیل چکا ہے.....ہماری پوری جماعت مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے.....کسی کا نظریہ ''منحنی خطوط'' سے دوچار ہے تو کسی کا نظریہ ''خطوط مستقیمہ'' پر مائل بہ سفر ہے.....اس روش سے نہ صرف نظریئے بٹے ہوئے ہیں ، بلکہ دلوں کے زاویئے بھی متأثر ہوئے ہیں.......آپس میں ''من موٹاؤ'' کی صورت حال بھی نمایاں ہوئی ہے.....یہ وہ سم قاتل ہے جو جماعتی نظام کو اندر ہی اندر کھوکھلا کررہا ہے..... اور سماجی افراد کے ذہن وفکر میں خلجان پیدا کررہا ہے.......یہ وہ اندھیرا ہے، جس سے نکلنے کے لئے ہر ایک دل میں تمنا انگڑائی لیتی ہے، امنگ اور حوصلے بلند ہوتے ہیں.....مگر اس معاملے میں وہی سبقت لیجاتا ہے جس کا حوصلہ زیادہ بلند ہوتا ہے، مجھے خوشی ہے، کہ یہ شرف ''انجمن جامعہ حبیب الٰہ آباد یوپی'' کے اراکین وممبران کو حاصل ہوا.......جو حضرت علامہ مولانا محمد عاشق الرحمٰن صاحب حبیبی مدظلہ العالی کی قیادت میں سرگرم عمل ہیں.......میں

انہیں مبارک باد دیتا ہوں اور نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ ان کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتا ہوں.......

جوعنوان میرے سامنے ہے کم از کم اس کے دو پہلو ضرور ہیں

الف.....بحیثیت نظریہ وعمل

ب......بدلے ہوئے مزاجوں پر اس کا انطباق

اس عنوان پر صرف نظریہ وعمل کے اعتبار سے بحث وتمحیص، نقد ونظر، کافی نہیں.....کہ اس طرح کے اندازِ تنقید سے کسی مرض کا مداوا نہیں ہوسکتا ہے.....اس دور کا مزاج یہ ہے کہ حکومتی سطح پر قانون بنائے جاتے ہیں، ایکٹ، پاس کیا جاتا ہے اور جب تک اس قانون پر عمل نہیں ہوتا ہے وہ قانون کسی ڈھنڈے بستہ میں پڑا رہتا ہے.....اور جب اسے عمل کے دائرہ میں لایا جاتا ہے، تو میدان عمل میں سرگرمیاں تیز ہوجاتی ہیں......ان سرگرمیوں کے سبب افراد میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، شخصیت میں نکھار آتا ہے، سماج اور معاشرہ میں بھی تغیرات دکھائی پڑتے ہیں.......اس لئے میری گزارش ہے، کہ آج کا یہ سیمینار بھی ''نشست وبرخاست، تک محدود نہ رہے بلکہ ہم سب کی ذمہ داری ہے، کہ ہم اسے نمود پذیری کی حدود سے نکال کر تغیر پذیری کے اجالوں میں لے کر آئیں......میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض افراد کی یہ سرشت رہی ہے، وہ اِدھر بھی جاتے ہیں اور اُدھر بھی جاتے ہیں......

اس عنوان کا ایک ایک لفظ تشریح طلب ہے.....تشریحی انداز میں سفر کرنے ہی سے ''عنوان'' کے سربستہ راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے ......لہٰذا میں تشریحی انداز میں آگے بڑھنے کی کوشش کررہا ہوں.....اس عنوان کا پہلا لفظ ''جماعتی'' ہے

(۱)......جماعتی.....یہ ''اسم منسوب'' ہے اور اس کی نسبت ''جماعت'' کی طرف کی گئی ہے۔ جب، جماعت، بولی جاتی ہے۔ تو اس سے نہ صرف ''جماعت'' کا تصور ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ''فرد'' کا تصور بھی ذہن کے پردے پر اُبھرتا ہے.....حالانکہ فرد سے

جماعت بنتی ہے مگر تعبیر اور تصور میں جماعت پہلے ہوتی ہے اور فرد بعد میں آتا ہے.....فرد اور شخصیت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں خواہ وہ نشو ونما کے مدارج ہوں یا ترقی کے مراحل ہوں .....اگر شخصیت سے فرد کو جدا کر کے دیکھیئے تو فرد غیر معتدل، بے ہنگم، اور غیر موزونیت کا نام ہے.....جو صرف روتا، چیختا، اور چلاتا ہے.....سوتا اور بیٹھتا ہے

ہنگامی حالات میں چاروں طرف ہاتھ پاؤں چلاتا ہے اور کبھی کبھی اس کے لبوں پر مسکان بھی آجاتا ہے......اس معنی میں فرد کا انطباق صرف بچوں پر ہوتا ہے...... بچے کسی کام کے نہیں ہوتے ہیں اس کے باوجود ہم سبھی لوگ بچوں سے محبت کرتے ہیں.....صرف اسی لئے نا.....کہ ان کی شخصیت تعمیر ہونے والی ہے......سماج اور معاشرہ کے دائرہ میں آنے والی ہے.....وطن، قوم، اور ملک کے لئے مفید ہونے والا ہے اور اچھا شہری بننے والا ہے ......یہ اس فرد کی بات تھی جو شخصیت سے الگ تھلگ تھا.....بہر حال فرد کیسا بھی سہی.....وہ لائق اعتنا ہوتا ہے۔اس میں تمام تر توانائیاں، صلاحیتیں اور استعدادات پائے جاتے ہیں۔ اور یہی شخصی تعمیر و تشکیل کی بنیاد ہوتی ہیں.....اور اگر کوئی فرد ایسا ہو کہ اس میں کسی طرح کی کوئی صلاحیت ہی نہ ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ کسی بھی حال میں لائق اعتنا نہیں ہوسکتا.....شخصیت سے جدا ہو کر ''فرد'' زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہتا ہے.....یہ قدرت کا قانون ہے اور فطرت کا نظام بھی ہے

کچھ نظریات بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں۔جن میں، بے اعتدالی، ناہمواری، اور غیر موزونیت پائی جاتی ہے ...اس طرح کے نظریات خود اپنے آپ میں مضر ہوتے ہیں .... فردیت، شخصیت اور سماج و معاشرہ کے لئے بھی باعث ضرر ہوتے ہیں ..... جہاں اچھے نظریات ہوتے ہیں وہیں بُرے نظریات بھی ہوتے ہیں......زندگی کے ہر ایک شعبہ میں اس طرح کے نظریات مل جاتے ہیں۔اس قسم کی نظریات کی بہت ساری مثالیں ہیں جو تاریخ کے اوراق میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں......اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ہماری زندگی

، ہمارے سماج اور ہمارے معاشرہ میں کچھ اسی طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں جن میں نہ شخصی توازن پایا جاتا ہے......اور نہ ہی ان میں سماجی اور معاشرتی تقاضوں کو جگہ نصیب ہوتی ہے وہ نظریات کیا ہیں؟ اور کہاں پائے جاتے ہیں؟ اس بارے کسی سے کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں ہے.....آنکھ ہے دیکھیے......کان ہے سنیئے.....اور زبان ہے تو بولئے.....اور سمجھ ہے تو اسے اپنے ذہن وفکر میں بسا لیجیئے......اور پھر آگے بڑھتے ہوئے کاروان حیات کے دامن سے وابستہ ہو جایئے.......

فردیت، شخصیت اور جمعیت

فردیت کیا ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ ضمنی طور پر یہ ثابت کر دی گئی ہے.....اس کی کوئی مستقل تعریف نہیں ہے..... ہاں! سمجھنے اور سمجھانے کی بات ہے جسے ہم ثابت کر چکے ہیں.....

یوں تو شخصیت اردو زبان و ادب میں بولی اور سمجھی جاتی ہے .....کوئی ایسا علاقہ نہیں جہاں یہ نہ بولی جاتی ہو......اگر اس کی مستقل تعریف بیان کر دی جائے تو اس سے مسائل کے سلجھنے کے بجائے اور بھی زیادہ اُلجھ جائیں کے ...... شخصیت وہ ہوتی ہے جس میں زبردست گہرائی، بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔اس کی کئی ایک پرت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ہزاروں پرت ہوتے ہیں ۔ ہر پرت میں خوبیاں اور کمالات پائے جاتے ہیں ۔فردیت شخصیت سے الگ ہو کر زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتی ہے۔شخصیت کسی منجمد شئی کا نام نہیں ہے وہ سیال کی مانند ہوتی ہے۔اس میں حرکت ہوتی ہے اور ہر آن، ہر ساعت ارتقاء کی طرف مائل ہوتی ہے ۔ اور یہی شخصیت نشو ونما کے مدارج طے کرتی ہے ۔ خانگی ، سماجی، معاشرتی، اور تعلیم گاہوں کے رجحانات ہی سے شخصیت کی نشو ونما ہوتی ہے ۔ جماعت‘ جمعیت، اور اجتماعیت اور اس کے تقاضے، شخصیت میں نمود پاتے ہیں اور رفتہ رفتہ شخصیت کے ذاتی رجحانات بن جاتے ہیں......فرد شخصیت کے بغیر اور شخصیت جماعت

کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ پاتی ہے۔اسی بات کو ’’اقبال‘‘ نے اس طرح کہا ہے

فرد قائم ربط ملت سے ہے باقی کچھ نہیں
موج دریا میں ہے بیرون دریا کچھ نہیں

یہ نظریہ۔ نہ مذہب اسلام کے خلاف ہے اور نہ ہی انسانیت، شرافت، کے خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے.....اسے وہی کام کرنا چاہئے جو جماعت ، جمعیت، اور سماج، معاشرہ کے لئے مفید تر ہو......ایسا کوئی کام نہ کیا جائے.....جس کی بنیاد پر لوگ ہمیں، خودغرض، خود پسند، کہنے لگیں......جماعت کثرت افراد کا نام نہیں......حدود جماعت میں سروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں اس بات کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس کے حدود میں جس قدر افراد ہیں۔ وہ سب کے سب، نظریات، رجحانات، اور امکانات ، میں مشترک ہوں......اور اسی بنیاد پر ان میں سے ہر ایک فرد ایک دوسرے کے لئے ہمدرد اور بہی خواہ ہو......

تشکیلِ نظریات اور اس کے تقاضے

یہ بات میں ثابت کر چکا ہوں، کہ ’’جماعت،، میں نظریات اور رجحانات‘‘ کی اہمیت ہوتی ہے کہ ان کے بغیر جماعت کا تصور ممکن ہی نہیں......نظریات خود بخود وجود میں نہیں آتے ہیں۔ بلکہ وہ تشکیل کے مرحلوں سے گزرتے ہیں اس کے بعد ہی ان میں ’’جماعتی اسپرٹ‘‘ پیدا ہوتی ہے اور طاقت وتوانائی نمود پاتی ہے.....جس نظریہ میں یہ حیثیت، اور اس طرح کا تنوع نہیں ہوتا ہے۔ وہ نہ سماج میں چلتا ہے نہ معاشرہ میں، اب رہی جماعت کی بات تو ظاہر ہے۔ وہ کیونکر قبول کرے؟ اسے اِس کی ضرورت ہی نہیں ہے......ضرورت اس لئے نہیں ہے۔ کہ وہ نظریہ جماعت کے مزاج سے میل کھاتا ہی نہیں ہے۔

نظریہ کسی بھی سماج کے کسی فرد کے ذہن سے نمود پاتا ہے۔ جب تک وہ نمود کے دائرہ

میں رہتا ہے۔ اس کی حیثیت اس بچہ جیسی ہوتی ہے، جو شعور کی منزل سے بہت دور رہتا ہے .....جب اس نظریہ پر شخصیت اور اس کے کمالات، جمالیات، اور رعنائیوں کا عکس پڑتا ہے ۔تب کہیں جا کر اس میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کوئی ضروری نہیں......کہ یہ نظریہ کسی ڈھلے ہوئے سکے کی مانند بازار میں دوڑ پڑے۔ جس طرح کچھ سکے کھوٹے ہوتے ہیں....کیا یہ نظریہ کھوٹا نہیں ہوسکتا ہے؟ تاریخ میں اس طرح کے بہت سے نظریئے ملتے ہیں ۔ جو جماعت میں چلے بغیر دفن ہو جاتے ہیں......دور مت جایئے سرسید کے مذہبی نظریات ہی کو دیکھ لیجئے.......ان کا کوئی بھی نظریہ نہیں چل پایا.....نہ علی گڑھ میں اور نہ ہی علی گڑھ سے باہر......ایسا اس لئے ہوا کہ ان کا نظریہ جماعت کے نظریوں سے میل نہیں کھاتا تھا.....بلکہ بہت سے جماعتی نظریوں سے متصادم تھا.....اس لئے کامیاب نظریہ وہی ہوتا ہے .....جو جماعتی نظریوں سے متصادم نہ ہو......اور جماعت کی معتدل کیفیت سے میل کھائے.....دور حاضر میں بھی کچھ ایسے نظریات ہمارے درمیاں آچکے ہیں ..... جو معتدل نظریوں سے متصادم بھی ہیں......اور جماعت اہلسنت کے مزاج سے میل بھی نہیں کھاتے ہیں........یہ قصور نظریوں کا ہے.......جماعت کا نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ وہ کون سا نظریہ ہے؟ اور اس کے میل نہ کھانے کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اس کی وضاحت بہت ہی جلد آپ کے مطالعہ میں پیش ہونے والی ہے.....

ابھی ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
دیکھئے آگے آگے ہوتا ہے کیا

یہ جو کچھ بھی ہوا.....سب کے سب فرد اور جماعت کے تقاضوں کے خلاف ہے.....فرد کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کے پاس نہ ضد ہوتی.....نہ انانیت........نہ کبر ہوتا اور نہ غرور ہوتا۔ کہ یہ تمام چیزیں کسی بھی فرد کو تباہ اور برباد کر دیتی ہیں.....اور فرد کا خصوصی تقاضہ یہ تھا کہ اسے وہ کام کرنا چاہئے تھا جو جماعتی نظریوں کے مطابق ہوتا......اور اس سے میل کھاتا......ان

تقاضوں کے بھول جانے کے سبب ہی یہ حادثہ جانکاہ پیش آیا........جماعت کا تقاضہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنے آپ پر غور کرتی.....کہ ہم کیا ہیں؟ اور کیا کرنے جارہے ہیں.....؟ جماعت تو ایک سمندر ہے......اس کی وسعت کا کیا کہنا؟ اس کی گہرائی میں کون اترے؟ اور یہ کس کے بس کی بات ہے؟ مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ جماعت نے خود اپنے تقاضوں کا کوئی پاس ولحاظ نہ کیا......اور خود کو ''اقل قلیل'' افراد میں سمیٹ لیا......کیا اسی کو ''سواد اعظم'' کہا جائیگا؟......کیا اسی کی پیروی کا حکم ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں......ہمیں تو بڑی جماعت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔نہ کہ ''اقل قلیل'' والی جماعت کی پیروی کا.....یہ کس قدر زبردست المیہ ہے؟ یہی جماعت اپنے ہاتھوں میں ''ویٹو'' کا پاور حاصل کرنے کی کوشش میں ہے کہ کسی طرح یہ ''پاور'' ہمیں نصیب ہو جائے

☆انتشار کیا ہوتا ہے؟

اس وقت، میں ان افراد ذی وقار سے مخاطب ہوں.....جو عربی، فارسی، اور اردو، زبان وادب کے تمام زاویوں پر گہری نظر رکھتے ہیں......لفظوں کے استعمال اور اس کے فلسفیانہ روابط سے آشنا ہیں.....صرف اسی قدر نہیں......بلکہ اس کے معنیاتی نظام سے بھی آگاہ ہیں اس لئے میرا دعوی ہے کہ آپ ''انتشار'' اور اس کے مفہوم ومصداق کے بارے میں جانتے ہیں......اس کے باوجود اگر میں یہ کہوں کہ اس کا معنی یہ ہے یا اس کا مصداق وہ ہے.....تو یہ آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا......میرے لئے نجات کی راہ یہی ہے کہ اس سے پہلو تہی اختیار کرتے ہوئے۔آگے گزر جاتا ہوں......مگر تقریب فہم کے لئے ایک شعر حاضر ہے.....یہ شعر ایسا ہے جس سے آپ سبھی حضرات واقف ہیں وہ شعر یہ ہے.....

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

اس شعر سے ثابت ہوتا ہے ''ترتیب'' کا نہ پایا جانا ہی ''انتشار'' ہے.....آپس میں

دست وگریباں ہونا.....تیر وسناں.......توپ وتفنگ سے لڑنا......اور شمشیر زنی کرنا ہی انتشار نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی انتشار کا کوئی اور معنی پایا جاتا ہے اور وہ معنی نظریات میں ترتیب کا نہ پایا جانا ہے.......آگ، پانی، مٹی، اور ہوا......یہ چاروں آپس میں ایک دوسرے کے لئے متضاد ہیں.....مگر یہ چاروں انسانی جسم میں پہونچ کر جب ''اعتدالی کیفیت'' سے مربوط ہو جاتے ہیں تو اسی کو انسانی مزاج کہا جاتا ہے۔اسی پر زندگی کا دار ومدار رہتا ہے....... تعمیر وتشکیل کا سرچشمہ بھی یہی مزاج ہوتا ہے اور جب اعتدالی کیفیت میں فساد پیدا ہو جاتا ہے.......تو پے درپے امراض کی یورشیں ہونی شروع ہو جاتی ہیں.....حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اگرچہ بہت سے اصول وضوابط......کلیات وقواعد.......مسائل وفروع میں مختلف ہیں ......لیکن ان چاروں کے ملنے سے جو اعتدالی کیفیت پیدا ہوئی.......جس کے سبب نہ صرف یہ چاروں مکاتبِ فکر زندہ وتابندہ رہے......بلکہ فروغ وارتقاء پا کر افراد انسانی کے دلوں میں اپنی اپنی جگہ بنالی ہے۔اور ان کے شبستان فکر وشعور میں تابندہ ستاروں کی مانند اپنی اپنی تجلیاں بکھیر رہے ہیں....معلوم ہونا چاہئے ان چاروں کے ''اعتدالی کیفیت'' ہی کا نام ''مسلک اہلسنت والجماعت'' ہے اور دور حاضر میں اسی ''اعتدالی کیفیت'' کو ''مسلک اعلی حضرت'' کہا جاتا ہے........اسی اعتدالی کیفیت سے مونھ موڑ لینے کا نام ''انتشار'' ہے خواہ یہ ''انتشار'' اصول کے اعتبار سے ہو یا فروع کے اعتبار سے ہو.......اسی طرح خواہ یہ انتشار عقائد کے اعتبار سے ہو یا عملیات کے اعتبار سے......اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے انتشار تو بہر حال اانتشار ہے..... ہاں! یہ ہوسکتا ہے کوئی انتشار موت کا باعث بن جائے اور کسی انتشار کے سبب جماعت میں فساد واقع ہو جائے......ارباب فکر ودانش نہ موت کی اجازت دے سکتے ہیں اور نہ ہی فساد مزاج کی......مزاج میں بگاڑ اور فساد کا پیدا ہو جانا بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ارے یہ اس قدر خطرناک ہوتا ہے کہ آدمی بن موت کے ہی مر جاتا ہے .....آج جو افراد عملیات میں اختلاف کا سہارا لے کر اس کا جواز پیدا کر رہے ہیں.......شاید

وہ فسادمزاج کے مضراثرات سے واقف نہیں ہیں.....اگرایسی بات ہے تو انہیں ہوش کا ناخن لینا چاہئے ......عملی اعتبار سے جوفساد واقع ہوتا ہے اس کی خطرناک صورت حال کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے......

آواز دے رہی ہیں مجھے منزلیں مگر
روکے کھڑے ہوئے ہیں مرے راستے کو لوگ

اب تک جو بیان کیا گیا.....اسی سے انتشار کے لغوی اورعرفی معانی کی وضاحت ہوگئی ......اوراس کے مضراثرات بھی آپ کے سامنے آگئے ......اس کے اسباب افراد بھی ہوتے ہیں۔اورتحریکات بھی.....ادارے بھی ہوتے ہیں اور خانقاہیں بھی.....انتشاراس سے قبل بھی ہوا کرتا تھا اور آج بھی ہورہا ہے۔مگراس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں ہرقسم کے انتشار پائے جاتے ہیں.....کچھ افراد ایسے بھی ہیں جنھوں نے جماعت اہلسنت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنی کمر کس لی ہے اور جماعتی اتحاد کو تاش کے پتوں کی مانند بکھیر دینے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے کچھ اداروں اور خانقاہوں نے ان سوکھی ٹہنیوں ،اور شاخوں میں حیات کی رو دوڑانے کے لئے پورا سہارا دے رکھا ہے .....آگے بڑھو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور قدم سے قدم ملائے ہوئے ہیں .... جہاں تک نظریات اور تحریکات کی بات ہے ......تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ۔کہ چندسالوں میں کتنے تیر پھینکے گئے .....اورتوپوں سے کس قدر حملہ کیا گیا؟ جن ذرائع سے جماعتی اتحاد پر چاند ماری کی گئی .....ان میں،مضامین،مقالے،نظریات،سیمینار،کتابچے،رسالے اورتقاریر،شامل ہیں..... یہ تمام ترکوششیں ،ضد،انانیت،اور کبروغرور، پرمبنی ہیں......ان میں صداقت ،واقعیت کہیں نظر نہیں آتی ہے.....نظر آتے ہیں ت،توصرف مفروضے ہی نظر آتے ہیں ان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے......مضامین،مقالے،رسالے،وغیرہ ’’انفرادی انتشار‘‘ میں آتے ہیں۔ سیمینار یں وغیرہ اجتماعی انتشار کے دائرہ میں آتے ہیں.......

سدِ باب.....

میرے عنوان کا تیسرا لفظ جو توضیح طلب ہے۔وہ ’’سد باب‘‘ ہے از روئے لغت اس کا معنی واضح ہے یعنی کسی بھی دروازہ کو بند کرنا ہے.....علم فقہ میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ’’علم فقہ‘‘ میں اسے ’’سد باب‘‘ نہیں بلکہ ’’سدالذرائع‘‘ کہا جاتا ہے اور ٹھیک اس کے مقابلے میں ’’فتح الذرائع‘‘ استعمال کیا جاتا ہے.....ذرائع ذریعہ کی جمع ہے اور ذریعہ کا معنی وسیلہ ہے.....وسیلہ وہ ہوتا ہے جو منزل یا مقصود تک پہونچا دے........حوالہ پیش نظر ہے

الذريعة فى اللغة : الوسيلة ،و تطلق فى الاصل على الناقة اللتى يستتر بها رامى الصيد ليختل الفريسة وذالک بان يمشى بجنبها ويرمى الصيد اذا امكنه وتلک الناقة تسبب اولاً مع الوحش حتى تلفها ،كالذريعة والجمع ذرع بضمتين ،ذرائع ....قال ابن الاعرابى : سمى هذا لبعير ،الدريئه والذريعة ثم جعلت الذريعة لكل شئى ادنى من شئى وقرب منه ،وانشد

و للمنية اسباب تقربها
كما تقرب للوحشية الذرع

وبذالک تعتبر الذريعة الوسيلة ،والسبب الى الشئى المقصود واصله من ذالک الجمل الذى كان الاستسار به وسيلة الى الظفر بالصيد و من هٰهنا يقال :فلان ذريعتى اليک اى وسيلتى ووصلتى الذى تسبب اليک .... وهٰذ المعنى يشمل كل ماله صلة تودى الى غيره بغض النظر عن صفة الجواز او المنع لان ذالک من خصائص الاحكام الشرعية .... اما لفظ" سد" فمعناه اغلاق الخلل وردم الثلم فيكون سد الذرائع بمعنى سد الطرق والوسائل حتى لا تؤدى الى آثارها المقصودة سواء اكانت

محمودة ام مذمومة صالحة ام فاسدة ضارة ام نافعة

(التطبیقات المعاصرة لسد الذرائع ص ۹)

ترجمہ.......ذریعہ از روئے لغت وسیلہ ہے......اصل میں اس کا اطلاق اس اونٹنی پر کیا جاتا ہے جس کے پیچھے شکار کرنے والا چھُپ جاتا ہے.....تا کہ وہ شکار کر سکے.....وہ اس طرح کہ وہ اونٹنی کے پہلو میں چلتا ہے اور شکار کو دیکھتا ہے۔جیسے ہی موقع ملتا ہے ویسے ہی اس کا شکار کر لیتا ہے۔یہ اونٹنی پہلے سبب بنی شکار کا...... یہاں تک کہ اس نے شکاری کو شکار کے قریب کر دیا جیسے کہ کوئی کسی کا ذریعہ ہو.....اس کی جمع ذُرُع اور ذرائع ہے........ابن اعرابی نے کہا: اس اونٹ؍اونٹنی کا نام دریئہ اور ذریعہ رکھا گیا پھر ذریعہ ہر اس شئی کو کہا جانے لگا جو کسی کو کسی کے قریب کر دے یا وہ اس کے قریب ہو۔موت کے اسباب موت کے قریب ہیں جس طرح وحشی جانوروں کے قریب ذرائع ہوتے ہیں.....اسی وجہ سے ذریعہ کو ''وسیلہ اور شئی مقصود کا سبب کہا جاتا ہے......حالانکہ اس کی اصل وہی اونٹ ہے (جس کی آڑ لی گئی) جو وسیلہ ہے شکار پر کامیاب ہونے کا......جیسا کہ اہل عرب بولا کرتے ہیں: فلان ذریعتی الیک یعنی فلاں تم تک رسائی کا میرا وسیلہ ہے........ یہ معنی ہر اس چیز کو شامل ہے جو غیر تک پہونچنے کا وسیلہ ہوتی ہے ...... یہاں اس بات پر دھیان نہیں دیا جاتا ہے کہ وہ وسیلہ اپنے آپ میں کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز ہے ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ لغت میں ان باتوں کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا جاتا ہے کہ یہ احکام شریعہ کی خصوصیات میں سے ہے........لفظ ''سد'' کا معنی خلل اور نقصان کو روکنا ہے۔اور رخنوں کو بند کرنا ہے........نتیجۃً ''سدالذرائع'' طریقوں اور وسائل کو بند کرنا ہے تا کہ ان کے آثار مقصودہ اور نتائج مطلوبہ تک رسائی نہ ہو سکے......خواہ وہ وسائل پسندیدہ ہوں یا ناپسندیدہ.......اچھے ہوں یا برے ہوں......نقصان دہ ہوں یا فائدہ مند ہوں.......ترجمہ تمام شد

''سد باب'' بھی ''سد ذرائع'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے دونوں میں اگرچہ باعتبار

لفظ فرق ہے مگر از روئے معنی کوئی فرق نہیں ہے جو معنی ''سد باب'' کا ہے وہی معنی ''سد ذرائع'' کا ہے.....

اس کا مطلب یہی ہوتا ہے۔کہ جن راستوں سے ہماری جماعت میں انتشار کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ان راستوں کو بند کر دیا جائے تا کہ جماعتی اتحاد اور ملی شیرازہ بندی سلامت رہے۔

سد باب،،ضرورت وافادیت

آج ''جماعت اہلسنت'' جن حالات سے گزر رہی ہے۔افراد کے دلوں میں جو کدورت ،نفرت اور بغض وحسد کی آتش سوزاں ہے۔اس سے نہ صرف جماعت ہی کو نقصان ہو رہا ہے۔سماج اور معاشرہ بھی اس سے زخم خوردہ ہے۔ان رستے ہوئے زخموں کی ٹیس کہاں کہاں پہونچ رہی ہے؟ شاید اس سے کوئی بھی ہوشمند فرد و قاری غافل نہیں ہے ......اور حد تو یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہمارا وجود بھی پگھلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے.....اس سے ہمیں تو نقصان ہو رہا ہے۔مگر غیروں کو کس قدر فائدے ہو رہے ہیں؟ اس لئے حالات کا تقاضا ہے۔کہ اس مسئلہ پر ہماری جماعت پورے طور پر سنجیدہ ہو جائے.....اور یہ خود ہماری اپنی ''ضرورت'' بن گیا ہے کہ اگر ہم اس مسئلہ کو حل نہ کریں گے.....تو خود ہمارا وجود،اور ہمارا مسلک، ہماری فکر، ہماری سوچ،سمٹ کر رہ جائیگی.....اور وہ دور بھی ہمارے سامنے آجائیگا .....کہ داستانوں کی بزم سے ہم باہر نکل کھڑے ہونگے....اس لئے میرا ماننا ہے کہ ''سد باب'' انفرادی،سماجی،معاشرتی اور جماعتی ضرورت ہے ..... آپ ارباب علم ودانش اس خوبصورت بزم میں جلوہ بار ہیں .....ایسا موقع بار بار نہیں آتا ہے۔اس کے لئے برسوں کنویں کھودے جاتے ہیں اور پھر پلکوں سے ایک ایک بوند اکھٹی کی جاتی ہے۔تب کہیں جا کر یہ ماحول بنتا ہے۔اس لئے ''سد باب'' آپ سب کی بھی ضرورت ہے.......یہ اس ''کیوں'' کا جواب ہے جو میرے عنوان :(جماعتی انتشار کا سد باب کیوں؟اور کیسے؟) میرے عنوان میں شامل ہے......اب رہی یہ بات،کہ اس کا سد باب کیسے ہو؟اور اس کے لئے کیا

کیا کیا جا سکتا ہے آیئے اس مسئلہ کے تعلق سے بھی کچھ غور و فکر کر لی جائے.....

سد باب کیسے ہو؟

اس کے تعلق سے چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں

الف.......دلوں کے درمیاں ''فاصلے'' پیدا کرنا بہت ہی آسان ہے....غلط فہمیوں کے راستوں سے دوریاں بڑھانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے....جب چاہے اور کوئی بھی چاہے ایسا کر سکتا ہے.....اس کے لئے نہ جلسہ وجلوس کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی سیمینار کرنے کی.....ایک جلتی ہوئی تیلی پھینک دیجئے، پُرسکوں ماحول جل کر راکھ ہو جائیگا.......اس طرح کی روش دانشوروں کی روش نہیں ہوتی ہے۔ یہ وطیرہ کسی اہل فکر کا نہیں ہوتا ہے....اس طرح کا شیوہ ان افراد کا ہوا کرتا ہے جو غیر سماجی ہوا کرتے ہیں، جنہیں صرف گھروں کو ''اُجاڑنا'' آتا ہے......اور گھروں کو ''بسانا'' نہیں آتا ہے.......اس طرح کے افراد پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔

ب.......جو افراد اس طرح کے رویوں کو اپناتے ہیں۔ ان سے راہ و رسم تو رکھے جائیں ۔مگر کسی بھی صورت میں انہیں پناہ نہ دی جائے، نذرانوں اور ایوارڈ سے انہیں نہ نوازے جائیں کہ اس میں خود ہمارا اپنا بھلا ہے، اس کے باوجود ہماری جماعت کا یہ زبردست المیہ ہے کہ ایسے افراد نہ صرف نوازے جاتے ہیں بلکہ ان کے ہاتھوں میں قوم وملت کی باگ و ڈور تھما دی جاتی ہے ..... یہ خطائیں، نہ صرف افراد سے سرزد ہو رہی ہیں، ادارے اور جامعات سے بھی ہو رہی ہیں......اور حد تو یہ ہے کہ خانقاہوں میں براجمان افراد بھی اسے انجام دے رہے ہیں....اسی غیر فکری رویوں سے ہماری پوری جماعت اندر ہی اندر سلگ رہی ہے.......

. اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ج.......بعض خانقاہیں ایسی بھی ہیں جو ہمارے گھروں میں آگ لگا کر روٹیاں سینک رہی ہیں....شاید ہمارے جلتے ہوئے گھروں میں ان کی زندگی ہے.....انہیں جب بھی موقع

ملتا ہے ہماری طرف جلتی ہوئیں تیلیاں اُچھال دیتی ہیں.....اس کے لئے خانقاہوں نے اپنی تجوریاں کھول رکھی ہیں....وہ نوٹ دیتی ہیں اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرتی ہیں.......اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے، ملازمت کے مواقع فراہم کرتی ہیں، رہنے کے لئے مکان دیتی ہیں......اس کے نتیجے میں ہم سے جو قیمت وصول کرتی ہے وہ انمول ہے، جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی ہے.....اشراف کی نظر میں یہ کیا ہے؟ قلم کو گروی رکھنا ہے، اپنی قوت فکر و ادراک پر غیروں کو مسلط کرنا ہے اور خود اپنی شخصیت کو مجروح کرنا ہے۔ یہ بات، تلخ ضرور ہے، مگر کارگر بھی ہے.....

د.......ہماری جماعت میں کچھ ایسی نظریات نے جگہ پالی ہے۔ جن کے سبب ہماری نیندیں حرام ہو چکی ہیں......اور ہم انتشاری کیفیات سے دو چار ہو چکے ہیں ۔ یہ نظریات ایسی ہیں جیسے کسی نے خاموش سمندر میں کوئی پتھر اُچھال دی ہو.....ذیل میں وہی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں

☆ ....ٹی وی دیکھنا ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں جاندار کی تصاویر دیکھی جاتی ہیں ، یہ نظریہ بہت پہلے تشکیل پا چکا تھا، اگرچہ بعض اہل علم نے اس نظریہ کی مخالفت کی، اور انہوں نے اس نظریہ کے خلاف اپنا ایک نظریہ پیش کیا......مگر یہ نظریہ فروغ نہ پا سکا.....اور بہت سے اہل علم نے اس نظریہ کو نا کار دیا....اس کے برخلاف پہلے نظریہ کو قبولیت حاصل ہوئی..... ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے دانشوروں نے اسی پہلے نظریہ کو قبول کیا......اس لئے یہ نظریہ جمہور کا نظریہ ہو گیا.....مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ پھر کچھ ہی سالوں کے بعد ایک اور نظریہ سامنے آیا.....اور ٹی وی پر اسلامی پروگرامس دیکھنے کو جائز قرار دیا گیا...... حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ یہ نظریہ اُس بڑے انسان کا نظریہ ہے جو پہلے نظریہ کی تشکیل میں شانہ بہ شانہ کھڑے تھے......نظریہ کی یہ تبدیلی بلا سبب نہ تھی.....بلکہ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی راز ضرور مضمر تھا...... یہ راز کیا راز تھا؟ یہ وہی بتا سکتا ہے جو اس راز کو جانتا ہے۔ یہی تغیر

پذیر نظریہ جماعتی انتشار کا باعث بنا......اس لئے اس کا سد باب ہونا چاہئے .....کہ لائق اتباع وہی نظریہ ہوتا جو جماعتی نظریے کی نمائندگی کرے اور یہ نظریہ تو متصادم نظریہ ہے...... اسی نظریہ کے تعلق سے ایک مرتبہ میں نے خواجۂ علم وفن سے دریافت کیا تھا......اور یہ اس وقت کی بات تھی جب آپ کسی موقع پر آپ بدایوں تشریف لائے تھے اور مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں آپ کا قیام تھا......تو انہوں نے فرمایا......مولانا سے خطا ہوگئی ہے انہیں اس پر نظر ثانی کرنی چاہئے.....

س........علمائے اہلسنت نے دور حاضر کے حالات اور ان کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے.....مسلک اعلی حضرت کو علامت کے طور پر استعمال کیا.....اسے جماعت کے ایک ایک فرد نے قبول کیا۔اور یہ نظریہ ایک اجماعی نظریہ بن گیا......اور جماعتی نظریہ بن گیا ....اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اس کی مخالفت کی جاتی ہے؟ اور کیا اس نظریہ کے خلاف کوئی نظریہ تشکیل کیا جاسکتا ہے؟ میرے خیال میں ایسا نہیں کرنا چاہئے.....اس کے باوجود ایسا کیا گیا۔جو تصادم اور انتشار کو جنم دے رہا ہے۔ہمارا مذہب دلوں کو جوڑنے کی بات کرتا ہے توڑنے کی نہیں.....مگر یہاں توڑنے کی کوشش کی گئی۔اور جوڑنے کی بات کو پس پشت ڈال دیا گیا.....

ص.......چند افراد کی پشت پناہی کے سبب ایک اور ’’دھماکہ‘‘ ہوا.....جسے ’’تبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟ کا عنوان دیا گیا.....اس عنوان کے تحت کیا کیا نہ لکھا گیا۔یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے سبھی جانتے ہیں اس مضمون کے آتے ہی زبردست ہیجان برپا ہوگیا..... اور لوگوں میں ناراضگی پیدا ہوگئی.....اس نظریہ کو برا نظریہ کہا گیا......ہر طرف سے اس نظریہ کی مخالفت ہوئی......لیکن اس مخالفت کو اس انداز میں لیا گیا کہ......

بد نام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نظریہ کا بھی سد باب کیا جائے.....

ط.......ضرورت وہ ہوتی ہے۔جس کا ترک باعث ہلاکت ہو یا حرج عظیم کا سبب بنے .....اور ضرورت وہ بھی ہوتی ہے جس پر ’’مقاصد شریعت‘‘ کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔مقاصد شریعت پانچ ہیں......دین، جاں، نسل، عقل اور مال کی حفاظت مقاصد شریعہ میں سے ہیں ......لہٰذا اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے ٹی وی کے دیکھنے کو جائز قرار دینے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اگر اسے جائز نہیں کہا جاتا تو اس سے کیا لازم آتا؟ کیا کوئی ہلاک ہو جاتا........ یا اسلام اور مسلمان کسی ان ہونی مصیبت میں گرفتار ہو رہے تھے؟ مقاصد شریعہ میں سے کون سا ایسا مقصد ہے جس کا دارومدار ٹی وی دیکھنے کے جواز پر موقوف ہو.....اگر ہے تو اسے پیش کیا جائے.....اور اگر نہیں ہے تو پھر ٹی وی کے جائز ہونے کی کیا دلیل ہے؟ دور حاضر کے علماء لفظ ’’ضرورت کا استعمال تو کرتے ہیں مگر ضرورت کا وہ معنی مراد نہیں لیتے جو شریعت میں معتبر ہے.... ہاں وہ معانی ضرور مراد لے لیتے ہیں.....جن کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے گڑھ لئے ہیں......کیا اس طرح کا کھوٹا سکہ بازار میں چلنے کے لائق ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا.....اس سے بھی انتشار ہوا اور لوگ کرب واضطراب میں مبتلا ہو گئے اس لئے اس بات پر خاص توجہ مبذول کی جائے.....اور اس کے سد باب کے لئے پوری پوری کوشش کی جائے.....

ع.......کچھ افراد نے ’’اختلاف‘‘ کو وسعت دیتے ہوئے اس منزل پر لے آئے ہیں .....کہ اب اس کا معنوی پہلو ہی مجروح ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اہل علم کا اختلاف یقیناً رحمت ہے۔مگر اس کا اختلاف وہ کرے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو.....جو اختلاف کی اہلیت ہی نہیں رکھتا ہے۔ہم اس اختلاف کو رحمت کہیں تو کس بنیاد پر کہیں؟ اس کی تو کوئی کل سیدھی نہیں ہے، اس کا زاویہ بگڑتا ہوا دکھائی دے رہا ہے....ایک طرف یہ کہا جاتا ہے: خطائے بزرگاں گرفتن خطا است......اور دوسری طرف ہماری جماعت کا یہ حال ہے۔کہ بزرگوں کی نظریات کے خلاف اپنی نظریات کو ترجیح دی جارہی ہے۔اور بڑھاوا دیا جارہا ہے۔تحقیقات

جدیدہ کی کیا اہمیت ہے؟ یہی نا! کہ یہ اسلاف بیزاری،ضد اور انانیت سے عبارت ہے۔یہ کبر ونخوت،ذاتی انفرادیت،خودغرضی،اور خود پسندی کا دوسرا نام ہے.....اس سے قوم وملت کو فائدہ کے بجائے نقصان ہو رہا ہے۔امت مسلمہ پر کس قدر مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں ؟ یہ بیان سے باہر ہے۔آنکھیں کھولئے اور مشاہدہ کیجئے .....دیدۂ عبرت ہو؟ تو غور کیجئے..... یہاں تو عالم یہ ہے کہ ہمہ دانی کے نشہ میں اس قدر چور ہیں کہ علمی بصیرت کبر ونخوت سے بدلتی جارہی ہے.....جب سوچ بُری ہوتی ہے تو انسان اپنے دین وایماں،جان وآبرو،ہوش وخرد اور فکر وشعور کو داؤں پر لگا کر جاہ وجلال اور منصب کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے.....اور جب سوچ اچھی ہوتی ہے تو کوئی بھی انسان اپنے دامن کو عارضی شان وشوکت اور جاہ و منصب سے آلودہ نہیں ہونے دیتا ہے.....تحقیقات جدیدہ کا ایک زمانہ مخالف ہے ارباب فکر ودانش انہیں قبول کرنے کو تیار نہیں......پھر بھی یہ ایسے چکنے گھڑے ہیں جو نہ سننے کو تیار اور نہ ہی ملنے کو راضی؟ اہل علم کی یہ کیفیت واقعی باعث حیرت ہے.....

ف.....ٹیلی فونک استفاضہ

یہ نام،ایک نیا نام ہے اس سے پہلے ہم اور ہمارے ساتھیوں نے کبھی نہیں سنا تھا.....مگر اب سبھی افراد سن رہے ہیں اور بول بھی رہے ہیں.....اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ٹیلی فونک استفاضہ ہے کیا؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جدید مفکرین نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

> جس شہر میں رویت ہوچکی ہے۔اگر وہاں سے نیک اور صالح افراد ٹیلی فون اور موبائل سے خبر دیں کہ اس شہر میں رویت ہوچکی ہے۔تو اس خبر کو استفاضہ مانتے ہوئے روزہ رکھنا اور عید منانا جائز ہے.....کیا اس خبر کو استفاضہ کہا جائے؟ اس کے تعلق سے چند باتیں عرض کی جارہی ہیں

اولاً.....استفاضہ کی تعریف بیان کی جارہی ہے ہمارے فقہائے کرام نے فرمایا.......

اور اعلیحضرت نے اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا..........وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر اس کے معنی یہ ہیں اس شہر کے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۵۶۲)

استفاضہ کی اس تعریف میں خاص طور پر کئی باتوں کا ذکر کیا گیا

(۱).......کسی شہر سے گروہ در گروہ متعدد جماعتوں کا آنا

(۲)......بالاتفاق سب کا ایک زبان سے بیان کرنا

(۳)......فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا

(۴).....ان سب کی خبروں پر یقین شرعی کا حاصل ہونا

جب یہ چاروں چیزیں پائی جائیں گی.......تب کہیں جا کر یہ استفاضہ ہوگا اور شریعت کے نزدیک معتبر ہوگا ان میں سے کسی ایک شرط کے نہ پائے جانے کے سبب میں کیا.....؟ کوئی بھی دانشور اسے استفاضہ نہیں کہہ سکتا ہے۔اور نہ ہی اسے اعتبار کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے ......یہ تجزیہ استفاضہ کی خالص تعریف کا ہے جب اسے ثبوت رویت ہلال کے مذکورہ طرق کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس کے معتبر ہونے کیلئے اس بات کا ہونا بھی ضروری ہے

(۵)......اس شہر سے متعدد جماعتوں کا آنا معتبر ہوگا جس شہر میں،،حاکم شرع،قاضی اسلام ہو جو خود بھی عالم ہو اور عامل بھی ہو یا وہ کسی عالم دین اور محقق شرع متین پر اعتماد کرتا ہو اور جہاں قاضی اسلام نہ ہو وہاں ایک ایسا مفتی ہو جو مرجع انام ہو کہ اہل شہر روزہ وعید میں انہیں کی جانب رجوع کرتے ہوں.......جس شہر میں ایسا کوئی نظام نہ ہو بلکہ عوام خود ہی آپس میں فیصلہ کر کے روزہ اور عید کر لیتے ہوں تو ایسے شہر سے آنے والوں کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان کی خبر،،استفاضہ،،کہلائے گی

(۶).......ثبوت رویت ہلال کے طریقوں میں،،استفاضہ،،کا درجہ پانچواں ہے اور

شرعی اعتبار سے ان طریقوں میں جو ترتیب قائم ہے بہر حال اس کا اہتمام کیا جائیگا اس ترتیب کے خلاف جو امر بھی اختیار کیا جائیگا وہ غیر شرعی ہوگا۔اس بارے میں کچھ سوچنا بھی غلط ہے۔لیکن افسوس ان افراد پر ہوتا ہے جنہوں نے ترتیب کے خلاف بات کی .....وہ ہمارے بڑے ہیں ان کے بارے میں کچھ لکھنا نہ صرف غلط ہے بلکہ ادب کے خلاف بھی ہے مگر اس بات سے چشم پوشی کرنا بھی فرض منصبی کے خلاف ہے کہ جو بات سچ اور حق ہو اس کا برملا اعلان کرنا چاہئے

اس فیصلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

موبائیل اور فون کے ذریعہ دی جانے والی خبروں کو استفاضہ کا درجہ دیتے ہوئے ان خبروں پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کی اجازت عطا کر دی گئی ہے ....ان کا یہ فیصلہ کیسا ہے ؟ اسے تو وہی بتا سکتے ہیں لیکن ان خبروں کو ،،استفاضۃ ،،کا درجہ دینا بہت زیادہ غلط ....اس لئے کہ یہ خبریں کسی بھی زاویہ سے ،،استفاضہ،، کے درجہ میں آتی ہی نہیں ہیں کہ استفاضہ کی تعریف میں جو الفاظ لائے گئے ہیں وہ سب کے سب احترازی ہیں ....ایسا تو بہر حال ممکن ہے کہ ہر شہر میں قاضی کا تقرر کر لیا جائے یا کسی مفتی مستند کی بحالی کر دی جائے استفاضہ میں کسی شہر سے لوگوں کا گروہ در گروہ کا آنا بھی درکار ہے بلکہ اس بات کو شرط کی حیثیت حاصل ہے جو موبائیل اور فون کی خبروں میں ممکن نہیں ......اس لئے یہ خبریں استفاضہ نہیں اسی طرح آنے والوں میں سے سب کا بالاتفاق بیک زبان بیان کرنا بھی یہاں ممکن نہیں ہر ایک موبائیل اور فون کی خبر ،،خبر واحد،، ہے نہ ان خبروں میں ،،اتصال،، کی صلاحیت ہے اور نہ اسے ،،خبر متواتر،، کی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے .....اس کے علاوہ خاص طور پر یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہ خبریں بنیادی طور پر یقین اور غلبۂ ظن کا افادہ نہیں کرتیں اس لئے کہ یہ ،،متشابہ آوازیں،، ہیں کسی بھی مفکر یا دانشور کے یہاں ،،متشابہ آوازیں،، یقین یا غلبۂ ظن ،،کا موجب نہیں ہاں رجال اور ان کی معتبر شخصیات ضرور یقین کے درجہ تک پہنچاتی ہیں اور یہ

بھی حقیقت ہے جب رجال کے چہرے سامنے ہوتے ہیں تو آواز و کا تشابہ بھی ختم ہو جاتا ہے اسی لئے یقین نکھر کر سامنے آجاتا ہے....

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ موبائیل اور فون کی خبروں کو استفاضہ کا درجہ دینا یقیناً خلاف شریعت ہے ......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ،،خلاف شریعت،، فیصلہ لینے کا باعث کیا ہے؟ ضرورت یا حاجت ....؟ میرے خیال میں یہاں نہ ضرورت ہے اور نہ حاجت ہے ہاں اسلاف اور امام احمد رضا کی تحقیقات کے خلاف فیصلہ لینے میں زینت ضرور ہے چونکہ زندگی اور معاشرہ میں فون اور موبائیل کے سرائیت کرنے کے سبب ہر انسان کی نفسیات میں یہ دونوں چیزیں عناصر کی مانند گھلی ملی ہیں یہی سبب ہے کہ ہم دین اور شریعت کو اپنے مزاج میں ڈھال رہے ہیں اور مسلمات شرعیہ کی تعبیر اپنے اپنے من کے مطابق کر رہے ہیں ....اسی استفاضہ کے تعلق سے ایک بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ حدیث پاک میں جو آیا ہے......چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ.....ایک جدید مفکر نے فرمایا اس کا مطلب چاند کا دیکھنا نہیں بلکہ چاند کے ہونے کا ،،علم اور ظن غالب،، مراد ہے اور بس جب کہ اس حدیث کا مقصد چاند کا دیکھنا ہے اور جن لوگوں نے چاند نہیں دیکھا یا کہیں چاند نظر نہیں آیا اس کے لئے اس کا ثبوت شرعی درکار ہے جو صرف مندرجہ ذیل طریقوں سے حاصل ہوسکتا ہے

اول.......چاند دیکھنے پر شہادت

دوم.....چاند دیکھنے کی شہادت پر شہادت

سوم.....چاند دیکھنے کے فیصلے پر شہادت

چہارم.....ایک قاضی کا دوسرے قاضی کو خط لکھنا

پنجم.......استفاضہ......یہی مدار بحث وتمحیص ہے

اس نظم وترتیب کا مطلب یہ ہے اگر چاند نظر نہ آیا.......تو بالترتیب .....اول......

دوم......سوم...... چہارم سے کام لیجیئے یا پھر استفاضہ سے کام لینا چاہئے اور استفاضہ کو اس قدر آسان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پنجم کو اولیت کا درجہ دیا جائے اور بقیہ کو نظر انداز کر دیا جائے......کیا یہ اختلاف نہیں ہے؟ کیا اس اختلاف کو باعث رحمت کہا جاسکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں بلکہ یہ اختلاف کا بگڑا ہوا زاویہ ہے جو انفرادیت اور سماج و معاشرہ میں بگاڑ پیدا کر رہا ہے اور اہل علم کو دو گروپ میں بانٹ رہا ہے خدارا ایسا نہ کریں جس سے ہماری جمعیت کسی حادثہ کی شکار ہو جائے اور اس کا مدوجزر ہم سب کو کہاں لے جائیگا شاید اس کا اندازہ نہیں۔

بہر حال ثابت ہوا.....ٹیلیفون اور موبائل کی خبریں استفاضہ نہیں ہوسکتیں.....یہ صرف ذہنی اختراع ہے اور ایک قسم کی جدت ہے.....سائنسی اختراعات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے مگر وہاں تک، جہاں تک وہ اسلام کے نظام رویت سے متصادم نہ ہو.....جہاں تصادم پایا جائے ایسی صورت میں ہمارے لئے شریعت کافی ہے اِدھر اُدھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ استفاضہ میں شاہد و مشہود کے آمنے سامنے ہونے کی بات اس لئے کہی گئی ہے تا کہ خبر کے اندر جو احتمال کذب پایا جاتا ہے اس کا ازالہ کیا جائے......اور ٹیلیفونک استفاضہ میں اس احتمال کے ازالہ کی کوئی صورت نہیں ہے......یہ نظریہ بھی باعث اختلاف و انتشار ہوا...... اس کا سدباب ہونا چاہئے......اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی لائحہ عمل ضرور مرتب کیا جائے
.....

ق.....چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

جدید مفکروں نے یہ فیصلہ سنا دیا۔ کہ چلتی ٹرین میں فرض واجب نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اور پھر اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں.....جب کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی، ان کے تمام تلامذہ اور دور حاضر کے مفکرین کے تمام اساتذہ کا فیصلہ یہ ہے......جب وقت جاتا دیکھے چلتی ٹرین میں نماز پڑھ لے اور پھر بعد میں ان پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ کرلے اس لئے کہ نماز کی بنیادی شرط یہ ہے کہ زمیں پر استقرار ہونا چاہئے اور وہ شرط چلتی ٹرین میں

مفقود ہے.....اس لئے اگر کوئی عذر بندوں کی طرف سے ہے تو نماز پڑھ لے اور پھر بعد میں اس کا اعادہ کرلے یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے مگر جدید دانشوروں نے اس عذر کو بندوں کی طرف سے نہیں مانا........اور دلیل میں حضرت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی یہ عبارت پیش کی.......انگریزوں کے کھانے کے لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لئے نہیں تو یہ عذر من جهة العباد ہوا.......جدید دانشوروں کا ماننا ہے یہ علت بدل چکی ہے اور ہم سب کا ماننا ہے علت نہیں بدلی ہے بلکہ علت جوں کی توں ہے......علت کے تجزیئے میں یہ کہا جاسکتا ہے

الف......علت مفرد ہے: نماز کے لئے نہیں روکی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے ٹرین اب بھی نماز کے لئے نہیں روکی جاتی ہے اس لئے یہاں علت کی تبدیلی کا دعوی درست نہیں...... اب رہی یہ بات کہ ''انگریزوں کے کھانے کے لئے نہیں روکی جاتی ہے'' یہ توثیق علت ہے۔

ب......اگر علت مرکب تسلیم کر لی جائے جب بھی علت کی تبدیلی کی بات نہیں کی جاسکتی ہے وہ اس لئے کہ علت مرکبہ میں اس کے دونوں جزؤوں کا بدل جانا ضروری ہے حالانکہ یہاں اس طرح کی کوئی صورت نہیں ہے علت کی تبدیلی تو وہاں تسلیم کی جاتی...... جب انگریزوں کے کھانے کیلئے ٹرین نہیں روکی جاتی......اور نماز کے لئے روکی جاتی......

ج.........انگریزوں کے کھانے کے لئے ٹرین کا نہ روکا جانا.....یہ صرف جزوی تبدیلی ہے اور اس جزوی تبدیلی کو ''علت کی تبدیلی'' کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے.....

د..........اسلوب کلام اس بات کو واضح کررہا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے کلام میں ''منع من جهة العباد'' کو نماز کے لئے نہ روکے جانے سے ہی معلق کیا ہے.... یہ تعلیق ویسی ہی ہے جیسی امام احمد رضا کے دور میں تھی......تغییر و تبدیلی کی بات محض ایک افسانہ ہے، جو اصل کلام سے توجہ کو کسی اور طرف موڑ دینے کے لئے گڑھ لیا گیا ہے....

یہی وہ اسباب و علل ہیں، جن کے راستہ سے ہماری جماعت میں فساد پیدا ہو رہا ہے، اور ہماری ملت انتشار کی شکار ہو رہی ہے ......اس پر خاص طور سے توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے .....اس وقت جماعت اہلسنت کا یہ حال ہے، کہ چاروں طرف دلدل ہے اور بیچ میں ہماری ملت ہے، غیر تو غیر ہی تھے، اب تو اپنے بھی غیروں جیسی بولی بولنے لگے ہیں ......اوپر جو باتیں پیش کی گئیں، وہ اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ''جماعتی انتشار کا ''سد باب'' ہونا چاہئے، مگر کیسے ہو؟ یہ سوال بہت ہی اہم سوال ہے، اس کا جواب تحریر کرنا بہت ہی مشکل ہے، اگر یہ کہا جائے'' کانٹوں بھری راہ پہ چلنا ہے'' تو کوئی غلط نہ ہوگا......آخر کار ایسے حالات کیوں پیدا ہوئے؟ اس کا محاسبہ انفرادی طور پر بھی ہونا چاہئے اور جماعتی طور پر بھی ہونا چاہئے....کہ اس انتشار کا ذمہ دار کسی ایک گروپ کو قرار نہیں دیا جاسکتا ہے......کچھ نہ کچھ اس میں قصور ہمارا بھی ہے۔ جس راہ پر وہ چل رہا ہے۔ اگر اسی راہ کو ہم بھی اختیار کرلیں۔ تو پھر مصالحت کیسی؟ اور سد باب کیسا؟ یہ بات میں یوں ہی نہیں کہہ رہا ہوں...... بعض مواقع پر ہمارے علمائے کرام نے تصاویر کے تعلق سے اباحت کا حکم جاری کر دیا ہے۔ چلیئے یہاں اس کی ضرورت تھی اس لئے اباحت کا حکم کر دیا گیا......لیکن ایسا بھی دیکھا گیا ہے۔ جہاں اس کی ضرورت نہیں ہوتی ہے وہاں بھی دھڑا کے کے ساتھ اس کا استعمال کیا جارہا ہے۔ کیا یہ زیادتی نہیں ہے؟ اس طرح کا عیب دونوں گروپوں میں پایا جارہا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسا کہاں کہاں ہو رہا ہے۔ اس بات کو آپ سبھی افراد ذی وقار جانتے ہیں.....کس سے کیا کہا جائے؟ یہ وقت کسی سے کچھ کہنے کا نہیں ہے، شکوہ و شکایت سے کچھ مسئلہ حل ہونے کا نہیں.....

تجاویز اور اقدامات......

جماعتی انتشار کے ''سد باب'' کے لئے کچھ ''تجاویز اور اقدامات'' پیش کئے جارہے ہیں:

الف......دونوں گروپ کے ذمہ داروں سے بات چیت کی راہ ہموار کی جائے۔ اور اس بات کی تلقین کی جائے کہ آپس میں گفتگو کریں اور مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں....

ب...... بات چیت کے لئے جو افراد مدعو کئے جائیں وہ آپس میں ہم رتبہ اور ہم منصب ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ افراد کے مابین آسمان وزمیں کا فرق ہو۔ یعنی مرشد اور مرید یا استاد اور شاگرد کا فرق نہ ہو

ج.....خانقاہ اور مرکز کے سوا جہاں چاہیں بات کریں......

د........ بات چیت کے لئے جن افراد کا انتخاب ہو، انہیں اپنی بات کہنے کا پورا پورا موقع دیا جائے۔۔ تا کہ ان کے دل میں کوئی بھی بات رہ نہ جائے.....

س....... بات چیت جو بھی ہو.....اسے محفوظ کر لی جائے

ش....... بات چیت کی مجلس میں مشائخ اور اکابر میں سے کسی کو شریک نہ کیا جائے..... ایسا اس لئے کیا جارہا ہے تا کہ ہمارے علماء کسی طرح کے نفسیاتی دباؤ سے متأثر نہ ہوں اور ہر ایک مقام پر ادب ملحوظ خاطر رہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ نفسیاتی دباؤ کے سبب بات چیت ناکام ہو جاتی ہے۔

ص....... بات چیت مختلف مرحلوں میں کی جائے .....تا کہ دونوں گروپ کے افراد خوب سوچ سمجھ کر اپنے ذہن کو تیار کرلیں....

ض....... چند افراد پر مشتمل ایک نگراں کمیٹی بنائی جائے......جو ہر مرحلہ کی بات چیت پر نگرانی کرے اور اور ہر مرحلہ کی بات چیت میں جو اہم نکات سامنے آئیں انہیں نوٹ کریں اور ہر مرحلہ کی بات چیت کا خلاصہ تیار کریں ..... اس کمیٹی کے فرائض میں ''تلخیصی رپورٹ'' پیش کرنا بھی شامل ہوگا...

بات چیت کے چند اہم شرائط

☆......''مسلک اعلی حضرت اور تحقیقات رضویہ'' ہی کو بات چیت کی بنیادی شرط قرار

دی جائے....

☆ ....امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تلامذہ اور حضور صدر الشریعۃ کے افکار و نظریات کو منہج کے طور پر تسلیم کیا جائے کہ کسی بھی مسئلہ میں ان کی توضیح وتشریح ہماری فکر وتحقیق سے کہیں زیادہ بلند ہے....

☆ ....عوامی جذبات اور رجحانات کو''عرف وتعامل'' کے زمرے میں رکھ کر بات چیت کی جائے...

☆ .... جہاں کہیں ''شیخِ طریقت'' اور'' دور حاضر کے اکابر کے'' افکار و خیالات'' میں تضاد اور تصادم کی صورت پیدا ہو جائے تو اکابر کے خیالات کو ترجیح دی جائے.....

''تلخیصی رپورٹ'' کہاں پیش کی جائے؟

مجلس رابطہ، کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے .....اس کمیٹی کے ممبران میں دور حاضر کے وہ علماء منتخب کئے جائیں جو فتوی نویسی میں مہارت بھی رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ تدریسی خدمات کا تجربہ بھی رکھتے ہوں......اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے اس کمیٹی میں وہی ممبر ہوسکتا ہے جو بات چیت کی مجلس میں شریک نہ ہو اور نگراں کمیٹی کا بھی ممبر نہ ہو......کہ مستقبل میں ''خلط ارکان'' سے مسائل الجھ سکتے ہیں....

حقوق وفرائض

اب ہم ذیل میں ''مجلس رابطہ'' کے ممبران کے تعلق سے کچھ حقوق اور فرائض پیش کئے جارہے ہیں

☆ ہرایک ممبر کو اس بات کا اختیار حاصل ہوگا کہ پیش کی گئی ''تلخیصی رپورٹ'' کا مطالعہ کرکے ان کے ذہن میں جو بات آئے اسے آزادانہ طور پر تحریر میں پیش کردے

☆ منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں پر اپنی بات کہنے اور تحریر کرنے کا حق حاصل ہوگا

☆ بات جو بھی کہی جائے یا تحریر کی جائے اس کا اسلوب استدلالی ہونا چاہئے

☆ ہرایک ممبر کی تحریر آنے پر ''مجلس رابطہ'' کی ایک مٹنگ طلب کی جائے اور اس میں یہ تجاویز پاس کئے جائیں....

الف کل تحرات کی ایک ایک کاپی ہر ایک ممبر کو دی جائے

ب ان تحریرات کے تناظر میں ''مصالحت'' کی راہ ہموار کی جائے

ج مصالحت کے خطوط متعین کئے جائیں

د مسلک اعلی حضرت/تحقیقات رضویہ اور اکابر اہلسنت کے افکار ونظریات اور فراہم کردہ تحریرات کے مابین موافقت کی راہ تلاش کی جائے.....اور جہاں موافقت نہ ہورہی ہو۔ اسے موافقت کے دائرہ میں لانے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اسے اُجاگر کیا جائے....

س ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ''مجلس رابطہ'' مصالحت کے خطوط متعین کرے اور باتفاق رائے ان خطوط کو تحریر میں محفوظ کرکے مجلس اعلی کے حوالہ کردیا جائے......مجلس اعلی اکابر علماء اور مشائخ پر مشتمل ہو مثلاً حضرت تاج الشریعۃ، حضرت امین ملت، محدث کبیر ،حضرت عاشق الرحمٰن صاحب وغیرہ وغیرہ مجلس اعلی کا جو فیصلہ ہو وہ دونوں گروپ کے افراد پر اس کا ماننا لازم ہوگا......

مذکور بالا تجاویز واقدامات آپ کے سامنے ہیں ......ان میں سے جس تجویز آپ مناسب تصور کریں رکھیں اور جس سے اتفاق نہ ہو اسے رد کرنے کا آپ حضرات کو پورا پورا حق ہے......

نفسیاتی دباؤ سے کیا مراد ہے؟

نفسیاتی دباؤ۔ایک ایسی شئی ہے جس کے تعلق سے کہا کم جاتا ہے اور محسوس زیادہ کیا جاتا ہے ..... یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر سبھی افراد اتفاق کررہے ہونگے ....کون نفسیاتی دباؤ قبول کرتا ہے اور کون قبول نہیں کرتا ہے؟ کتنا قبول کرتا ہے؟ یہ سب بتانے کی بات نہیں ہے .....اور کوئی ایسا بھی انسان نہیں جو نفسیاتی دباؤ سے عاری ہو...... یہاں بات اہل علم کی

ہو رہی ہے کسی عام انساں کی نہیں ...... میری گزارش صرف اس قدر ہے آپ اپنی انفرادی حیثیت میں کیا کر رہے ہیں؟ اور کس قدر نفسیاتی دباؤ سے متأثر ہیں ...... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ...... کوئی مطلب نہیں ۔۔۔ مگر آپ کی حیثیت جب انفرادی نہ ہو بلکہ جماعتی حیثیت ہو ...... آپ، اپنے کو آپ کو ہر طرح کے نفسیاتی دباؤ سے آزاد کر لیں ...... ایسا کرنا آپ کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے ...... اکثر دیکھا گیا ہے نفسیاتی دباؤ کے سبب فیصلے غلط ہو جایا کرتے ہیں ...... خواہ یہ نفسیاتی دباؤ خود اپنے آپ کا ہو ..... جیسے کوئی آدمی جھنجھلاہٹ کے ماحول میں فیصلہ کرے ...... یا اس حال میں فیصلہ کرے جب ان کے دل میں کسی طرح کا تغیر پایا جائے یا وہ کسی مرض کے سبب پریشان حال ہو ...... اور اس حالت میں بھی فیصلہ نہ کرے جب وہ بھوکا اور پیاسا ہو .... یہ ساری چیزیں نفسیاتی دباؤ کے تحت آتی ہیں اس لئے شریعت بھی اسے منع کرتی ہے ..... قاضی کے تعلق سے حکم ہے، وہ غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے ..... ہو سکتا ہے۔ یہ پابندی مزاج یار کو پسند نہ آئے ...... میں ایسے ہی مزاج والے افراد کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتا ہوں، کسی بات کو ہلکے انداز میں نہ لیں، بلکہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اس کے بعد ہی اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کریں ...... یہ بہتر راستہ ہوگا ..... آج جہاں جماعتی انتشار کے دوسرے اسباب وعلل ہیں وہیں اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم زندگی کے تمام حالات کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں اس بابت انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جس طرح کے امور ہوں ...... ان کے دیکھنے اور انجام دینے کا طریقہ بھی وہی ہونا چاہئے جس طرح کے امور سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے ...... حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تعلق سے یہ واقعہ مشہور ہے ...... آپ بیت المال کے چراغ سے امور خلافت انجام دے رہے تھے ..... کسی نے آ کر سلام کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے سلام کا جواب دیا ...... اس کے فوراً بعد آنے والے نے کہا: کیف حالک ...... آپ نے ان کے اس استفہام کا جواب نہیں دیا ...... بلکہ پہلے چراغ گل کیا اس کے بعد ہی جواب دیا

...... الحمدللہ ...... آنے والے نے کہا حضور!: الحمدللہ کہنے میں آپ نے تاخیر فرمائی؟ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ...... آپنے جواب میں کہا ...... میں بیت المال کے چراغ سے امور سلطنت انجام دے رہا تھا تم نے سلام کیا میں نے جواب دیا اس لئے کہ جواب دینا واجب ہے، واجب کی ادائیگی میں بیت المال کے چراغ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ..... کہ یہ بھی دین کا کام ہے اور جو کام میں کر رہا تھا ...... وہ بھی دینی کام کام تھا ..... لیکن جب تم نے مجھ سے میرا حال پوچھا ...... اس کا جواب دینا میری نجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے ..... میں نے مناسب نہ جانا کہ اپنے نجی کام انجام دینے کے لئے ’’بیت المال‘‘ کے چراغ کا استعمال کروں .... اس لئے جماعتی کاموں کو انجام دینے کے لئے اپنی انفرادی حیثیت اور اس کے تقاضوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہوگا ......

تنقید۔ مفہوم ومقاصد

اس کا مادہ ’’نقد‘‘ ہے اور یہ ’’باب تفعیل‘‘ کا ’’مصدر‘‘ ہے لغت میں اس کا معنی ’’کریدنا، پرکھنا، لکھا ہوا ہے ..... تنقید انسان کی فطرت ہے زندگی کے ہر شعبہ میں انسان تنقید سے کام لیتا ہے صبح اُٹھتا ہے منہ دھوتا ہے ...... اچھا ناشتہ کرتا ہے ..... خود پڑھتا ہے یا کسی کو پڑھاتا ہے .... خوب سے خوب تر لباس زیب تن کرتا ہے ..... یہ سب کیا ہے؟ تنقید ہے! یہ اور بات ہے انسان ایسے کاموں کو تنقید جان کر انجام نہیں دیتا ہے ..... تنقید، اچھائیوں کو اجاگر کرتی ہے، خوبیوں کو کھنگالتی ہے ...... جہاں کمی ہوتی ہے اس پر انگلی رکھتی ہے ..... جہاں مرض ہوتا ہے اس کے مداوا کی سعی بلیغ کرتی ہے ..... تنقید کا مقصد شخصیت میں نکھار پیدا کرنا ہوتا ہے .... پنہاں صلاحیتوں میں تحریک پیدا کرتی ہے اور انہیں ’’قوت‘‘ سے ’’فعلیت‘‘ کی طرف لاتی ہے تنقید مثبت اور برائے تعمیر ہونی چاہئے ..... اس معنی میں تنقید کسی کی بھی جا سکتی ہے ...... خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو .... خاص ہو یا اخص ہو ...... شیخ ہو یا استاد ہو ..... خوشامد، چاپلوسی، منہ دیکھی بات، ...... آسماں سے تارے توڑ لانے اور نو سو گنگا بہانے کی

بات کرنا تنقید نہیں خواہ کچھ بھی ہو...ہماری جماعت، تنقید سے اپنے آپ کو بچاتی رہی ہے.... جس کی وجہ سے وہ اپنی قوت برداشت کھو چکی ہے.....اور چھوٹے چھوٹے افراد میں رفتہ رفتہ ''بلند حوصلہ'' کی کمی ہوتی جارہی ہے......اور یہ افراد احساس کمتری میں مبتلا ہورہے ہیں ایسے ناگفتہ بہ حالات کے رونما ہونے سے افراد زیادہ تر جری اور بیباک ہوجایا کرتے ہیں ....جماعتی انتشار کے جہاں اور اسباب وعلل ہیں، انہیں میں یہ احساس کمتری بھی ہے، جماعت اور افراد جماعت کو احساس کمتری کے دلدل سے نکالنا ہم سب کی ملی، دینی ذمہ داری ہے......اس لئے کہ تنقید سے فائدہ افراد کو بھی ہوتا ہے اور جماعت کو بھی ہوتا ہے...اس سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں؟ یہ بتانے کی بات نہیں ہے......ذیل میں یہ بتایا جارہا ہے کہ بڑوں کو کیسا ہونا چاہئے

☆ بڑوں میں محبت، شفقت، خردہ نوازی کے انداز ہونے چاہئے

☆ حوصلہ افزائی سے کام لینا چاہئے

☆ چھوٹوں میں ادب واحترام کا جذبہ ہونا چاہئے

☆ تنقیدی شعور سے کام لینا چاہئے تاکہ اصلاح کا کام بخوبی انجام پاسکے

تنقیدی شعور کی کیا اہمیت ہے؟ کسی بھی طبقہ کا انسان اس کی افادیت سے انکار نہیں کرسکتا ہے اور میرا نظریہ یہ ہے کہ جب ''تنقیدی شعور'' ادب و احترام......خلوص اور صداقت کے جذبوں کے سائے میں فروغ پاتا ہے تو آپس میں محبت، الفت، چاہت اور پیار کے ساگر بہا کرتے ہیں........اور جہاں تنقیدی شعور سے کام نہیں لیا جاتا ہے اور اس کے بدلے منفی جذبات سے کام لئے جاتے ہیں مثلاً پُر تکلف ادب واحترام......شخصیت پرستی پر مبنی تحسینی کلمات.....خوشامد، چاپلوسی سے بھرے انداز ہائے بیاں اور نگارش پائے جاتے ہیں......وہیں محبتوں کا بادل پھٹتا ہے جو بربادی اور تباہی کا پیغام دیتا ہے......

آپ ارباب حل وعقد ہیں....مسائل کو سمجھتے ہیں اور انہیں حل کرنے کا ہنر بھی جانتے

ہیں.......ہمارے سامنے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا دریا ہے اور پیچھے المناک کھائی ہے اور ہمارے ساتھ جو افراد ہیں ان کے دلوں میں کچھ چنگاریاں ہیں.....نفرت اور کدورت کے کچھ جذبے ہیں جو دریا کے موجوں کی مانند لہراتے ہیں......ایسے حالات میں ہمیں اور آپ کو فیصلہ کرنا ہے اور اپنے اسلاف کے افکار ونظریات کی صیانت کرنی ہے، اور عام دلوں کے خیالات کا بھی لحاظ کرنا ہے.......وقت آواز دے رہا ہے سب کو ساتھ لے کر چلو.....تنہا چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اپنا ہی نقصان ہے، اس لئے ضروری ہے ایک منصوبہ تیار کیا جائے......اس کے خاکے بنائے جائیں تاکہ ہماری راہ نہایت ہی صاف ستھری راہ ہو ....اسی دعوت فکر پر میں اپنی بات ختم کررہا ہوں..........اللہ پاک ہماری جماعت کو نظر بد سے محفوظ رکھے......آمین بجاہ سید المرسلین......اچھا خدا حافظ....

محمد شمشاد حسین رضوی

پرنسپل مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں۔۔۔یوپی

۰۶/ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات